

متاعِ قلم

- دفاعِ شریعت
- ندائے اسلام
- اصلاحِ معاشرہ
- دعوت وتبلیغ
- علم وعلماء
- مدارسِ نسواں
- رسوم وبدعات
- وفیات
- منظوم کلام



مصنف
مفتی محمد نعیم مظاہری الٰہ آبادی

باہتمام: محمدؐ عیاض قاسمی

متاعِ قلم

مصنف

مفتی محمد نعیم مظاہری الہ آبادی

سابق مدیر تحریر ماہنامہ مفتاح الخیر جلال آباد، ضلع مظفر نگر (یوپی)

0091-9598925006

ناشر

اسلامک اکیڈمی دیوبند

تفصیلات

ISLAMIC ACADEMY
DEOBAND



نام کتاب ←	متاعِ قلم
مصنف ←	مفتی محمد نعیم مظاہری الہ آبادی
باہتمام ←	مولانا محمد عیاض قاسمی دیوبند
کتابت ←	معاویہ خالد (الحرم کمپیوٹرس، دیوبند)
سن اشاعت ←	مارچ ۲۰۱۷ء
صفحات ←	۴۰۰
تعداد اشاعت ←	بارِ اول، گیارہ سو
ہدیہ ←	350/=

ناشر

اسلامک اکیڈمی دیوبند

انتساب

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے نام ——

جن کی تصنیفات وتالیفات، ارشادات وملفوظات، روایات وحکایات، سنت وشریعت کے عین مطابق اور سلف صالحین کی تعلیمات کا نچوڑ ہیں ؎

کہاں سے لاؤں میں اشرف علی کو
جو زندہ کر گیا دین نبی کو
ہمیں تو ناخدا ایسے ملے ہیں
جو لے ڈوبیں گے شاید ہم سبھی کو

(نامعلوم)

محمد نعیم الہ آبادی، مظاہری

حسن ترتیب

فہرست مضامین

باب ششم مدارس نسواں؟ ۱۹۲

تقدمہ

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی دامت برکاتہم

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات کی تخلیق اور اولادِ آدم کے ذریعہ اس کی تعمیر وتزئین کا فیصلہ فرمایا تو اس عظیم مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے علم اور قلم کی دو حقیقتوں کا ذکر بھی نہایت اہتمام سے کیا، اور ان دونوں حقیقتوں کو انسان کی افضلیت اور اس کے علو شان کے لئے ضروری قرار دیا، اور قلم کو علم کی نشر واشاعت اور اس کے رقبے کو پھیلانے اور وسیع تر کرنے کے لئے پیدا فرمایا، اور قرآن کریم کی سورہ علق میں قراءت علم کا ذکر تخلیق انسان سے پہلے اور بعد دونوں جانب کیا، اور فرمایا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ○ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ○ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ○ (ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے، بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے، پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا) اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ بظاہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی معلم کے پاس بیٹھنے یا اس سے علم نہ سیکھنے کے باوجود علوم نبوت سے آراستہ تھے، اور تمام عالموں اور اہل علم کے قائد وسردار تھے۔

جب سیف اللہ حضرت خالد بن ولید کے والد ولید بن مغیرہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حد سے زیادہ دشمنی کی، تو آپ کو مجنون کے لقب سے یاد کرتا تھا، اس کی تکذیب میں اللہ تعالیٰ نے قلم اور قلم سے لکھنے والوں کی قسم کھا کر اس عداوت سے بھرے ہوئے لقب کی تردید فرمائی، اور غالباً اشارہ ہوگا کہ تمہاری یہ حرکتیں لوح وقرطاس کے صفحات پر لکھنے والے لکھ رہے ہیں، اور اہل علم ان کو ہمیشہ پڑھتے، اور واقف ہوتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ○ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ○ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ○ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ○ (ترجمہ: قسم ہے قلم کی، اور جو کچھ لکھتے ہیں، تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ، اور تیرے واسطے بدلہ ہے بے انتہا، اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر)

دراصل قلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لئے ایک عظیم نعمت ہونے کے ساتھ ایک بڑی امانت بھی ہے، اس کے ذریعہ جو علم بھی پھیلے گا وہ ہر اعتبار سے ایک ایسی امانت ہوگی جس میں خیانت کے مواقع بھی موجود ہوں گے، اور وہ صرف سرچشمہ خیر ہی ہو، ایسا نہیں ہے بلکہ اس سے شر اور فتنے بھی جنم لیتے ہیں، اور وہ معصیت وگمراہی کا ذریعہ بھی بنتا ہے، اور نعمت علم کے باوجود جہالت وضلالت کا راستہ بھی اس سے ہموار ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب ''متاع قلم'' حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب الہ آبادی مظاہری کی تصنیف ہے، اس کتاب میں مفتی صاحب نے شریعت وطریقت اور تعلیم وتربیت سے متعلق بہت سے مفید معلومات جمع کردی ہیں، شریعت کے دفاع میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بعض تاریخی فیصلوں کے ساتھ ضبط ولادت کی تحریک پر ایک تحقیقی مضمون سپرد قلم کیا ہے، فضائل اعمال پر کتاب وسنت کی روشنی میں ندائے اسلام کے عنوان سے بہت سے مضامین زیر تحریر لائے گئے ہیں، اسی طرح اصلاح معاشرہ، دعوت وتبلیغ، علم وعلماء، مدارسِ نسواں، اور رسوم وبدعات کے ماتحت بہت سی ضروری ہدایات بھی دی گئی ہیں، مثلاً زیارتِ قبور اور اس سے متعلق رسوم وعادات وعاشورہ محرم، محرم کے پہلے مہینے کی افضلیت، ربیع الاول کا پیغام، معراج کا واقعہ، شادی اور بارات وغیرہ۔

وفیات کے باب میں چند عظیم اور قریب ہستیوں کی سوانح حیات تفصیل سے سپردِ قلم کی گئی ہیں، ان میں حضرت مولانا شاہ محمد فاروق صاحب اترانوی کا خاص طور سے ان کی زندگی کے حالات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح بھائی جان، سید حافظ محمد عاقل صاحب، حافظ محمد رضی اللہ خان صاحب کا تذکرہ اور ان کی زندگی کے حالات متاعِ قلم کی زینت ہیں۔

یہ کتاب دراصل مقالات ومضامین کا ایسا مجموعہ ہے جس سے ہر انسان مستفید ہوسکتا ہے، اور اسلامی تاریخ کے بہت سے واقعات سے اس کی معلومات میں اضافہ ہونا ایک

ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ناممکن ہے، اس کتاب میں جو دینی اور شرعی باتیں اور ضروری رہنمائی اور ہدایات موجود ہیں، وہ ہر شخص کے لئے مفید ہے، اس لئے اس کتاب کا ترجمہ ہندی زبان میں ہونا مفید ہوگا، اور اس سے بہت سے غیر مسلم انصاف پسند حضرات کو بھی دین اسلام کی معلومات حاصل ہوسکیں گی، ہندی زبان میں ترجمہ کے لئے ان مضامین کا انتخاب کیا جاسکتا ہے، جو اختلاف اور بدعات سے تعلق نہ رکھتے ہوں، بلکہ دین کی اصل روح، اس کی انسانیت نوازی، حضور اکرم ﷺ کی سیرت وحالات سے متعلق ہوں، اسی طرح اسلام کی تعلیمات، انسانیت کو فروغ دینے کے لئے، امن وسلامتی کے بارے میں اس کا موقف اور دعوت وتبلیغ میں اس کا کردار!

یہ محض میری ایک رائے ہے، صرف اس لئے کہ کتاب ہر اعتبار سے مفید اور باعث خیر ہو، صرف طبقہ مسلم کے لئے اس کی افادیت محدود نہ ہو، بلکہ پوری انسانیت کے لئے اس کی افادیت عام ہو۔

دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مخلصانہ دینی کوشش کو قبول فرمائیں، اور مصنف کو اپنی شان رحمت کے مطابق جزائے خیر سے نوازیں، اور متاعِ قلم کو قبولِ عام عطا فرمائیں۔ (آمین)

راقم الحروف

سعید الرحمن

سعید الرحمن الاعظمی ندوی

مدیر البعث الاسلامی

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۲/ جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ

۱۴/ مارچ ۲۰۱۵ء

Mohammad Rabey Hasani Nadwi

P.O. Box No. 93 - LUCKNOW - 226007 (INDIA)

Phones: (0522) 2740151, 2741316, Fax: 2741221, 2741231

E-Mail : nadwi@nadwi.net & Rabeynadwi@yahoo.com

محمد الرابع الحسني الندوي

ندوة العلماء، ص - ب -٩٣- لكهنؤ (الهند) ★

هاتف: (٠٥٢٢) ٢٧٤٠١٥١، ٢٧٤١٣١٦ فاكس: ٢٧٤١٢٢١، ٢٧٤١٢٣١

التاريخ — الرقم

مقدمہ

برائے ''متاع قلم''

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد.

دینی وملی رہنمائی کا کام زبان وقلم کے ذریعہ برابر انجام دیا جاتا رہا ہے، تعلیمات نبوی کی روشنی میں دعوت نبوی کے طریقہ کو اختیار کر کے اس کام کو زیادہ موثر انداز میں علماء نے اپنے اپنے طور پر کیا ہے، موجودہ حالات میں دینی رسائل ومجلات کے ذریعہ یہ کام زیادہ وسیع پیمانہ پر سامنے آیا اور پھر اس کے شذرات ومضامین کو یکجا کر کے کتابی صورت میں پیش کرنے کا کام بھی ہوتا رہا ہے، مولانا مفتی محمد نعیم مظاہری الہ آبادی صاحب نے جلال آباد کے قدیم دینی ادارہ مفتاح العلوم کے ترجمان مفتاح الخیر کے مدیر رہے ہیں، اور اس میں ان کے شذرات شائع ہوتے رہے ہیں، اپنے شذرات ومضامین کے مجموعہ کو مرتب کر کے اشاعت کے لیے تیار کر دیا ہے، اس پر بطور تقریظ کچھ تحریر کرنے کی مجھ سے بھی فرمائش کی، مضامین کی افادیت اور موجودہ حالات میں ان کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اس فرمائش کی تعمیل کرنا خیر کے کام میں تعاون ہے۔

ماہنامہ ''مفتاح الخیر'' جامعہ مفتاح العلوم (جلال آباد ضلع مظفر نگر) کا ترجمان تھا، جو حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی یاد میں نکلتا تھا۔

اس مجموعہ مضامین ''متاع قلم'' میں دفاع شریعت، اصلاح معاشرہ، دعوت وتبلیغ، حدود شریعت کی رعایت، تعلیم، دینی وملی تحریکات، مدارس اور مدارس میں جو کوتاہی اور بے راہ روی کی شکلیں پیدا ہو رہی ہیں، ان کی نشان دہی، خاص طور پر مدارس نسواں اور عورتوں کے مسجد جانے اور سفر اختیار کرنے میں حدود شریعت کی رعایت نہ کرنے اور مدارس کے قیام میں احتیاط کے پہلو کی فکر نہ کرنے اور مزارات پر جانے کے نقصانات کو بھی اپنے مضامین کے ذریعہ بیان کیا ہے۔

ان کے علاوہ دیگر مضامین میں وہ مضامین بھی ہیں جو سماج میں رسوم وبدعات کے ازالہ کے لیے لکھے گئے، خاص طور پر شب براءت، عاشوراء محرم، رجب، اور ربیع الاول کی نسبت سے بے راہ روی کی متعدد شکلوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، جبکہ دین اسلام ایک مکمل دین ہے، اور اس میں کمی وزیادتی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی ہے، قرآن مجید نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا﴾ کتاب کا آخری حصہ مصنف کی ممدوح ومحسن شخصیات پر مشتمل ہے، جن میں حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقیؒ، اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اجراڑویؒ کے نام زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ قارئین اس کتاب سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گے اور ان شاء اللہ اس کا نفع عام ہوگا۔

دعا گو

(محمد رابع حسنی ندوی)

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۳/۶/۱۴۳۶ھ

۱۳/۴/۲۰۱۵ء

★ رئيس ندوة العلماء، ورئيس هيئة الأحوال الشخصية الإسلامية لعموم الهند، وعضو المجلس التأسيسي لرابطة العالم الإسلامي بمكة المكرمة ونائب رئيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية، ورئيس المجمع الإسلامي العلمي، ورئيس المجلس التعليمي الديني، وعضو مركز أوكسفورد للدراسات الإسلامية

Nazim (Rector) Nadwatul Ulama, President All India Muslim Personal Law Board, Member World Muslim League Makkah, Vice President Universal League for Islamic Literature, President Academy of Islamic Research & Publication, President Deeni Taleemi Council, Member Oxford Center for Islamic Studies - Oxford (U.K.)

مقدمہ

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

برائے ''متاعِ قلم''

الحمدللہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد بن عبداللہ الامین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد!

دینی وملی رہنمائی کا کام زبان وقلم کے ذریعہ برابر انجام دیا جاتا رہا ہے، تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں دعوت نبوی کے طریقہ کو اختیار کر کے اس کام کو زیادہ موثر انداز میں علماء نے اپنے اپنے طور پر کیا ہے، موجودہ حالات میں دینی رسائل ومجلات کے ذریعہ یہ کام زیادہ وسیع پیمانہ پر سامنے آیا اور پھر اس کے شذرات ومضامین کو یکجا کر کے کتابی صورت میں پیش کرنے کا کام بھی ہوتا رہا ہے، مولانا مفتی محمد نعیم مظاہری الہ آبادی صاحب نے جلال آباد کے قدیم دینی ادارہ مفتاح العلوم کے ترجمان مفتاح الخیر کے مدیر رہے ہیں، اور اس میں ان کے شذرات شائع ہوتے رہے ہیں، اپنے شذرات ومضامین کے مجموعہ کو مرتب کر کے اشاعت کے لئے تیار کر دیا ہے، اس پر بطور تقریظ کچھ تحریر کرنے کی مجھ سے بھی فرمائش کی، مضامین کی افادیت اور موجودہ حالات میں ان کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی فرمائش کی تعمیل کرنا خیر کے کام میں تعاون ہے۔

ماہنامہ ''مفتاح الخیر'' جامعہ مفتاح العلوم (جلال آباد ضلع مظفر نگر) کا ترجمان

تھا، جو حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی یاد میں نکلتا تھا۔

اس مجموعہ مضامین ''متاعِ قلم'' میں دفاع شریعت، اصلاحِ معاشرہ، دعوت وتبلیغ، حدود شریعت کی رعایت، تعلیم، دینی وملی تحریکات، مدارس اور مدارس میں جو کوتاہی اور بے راہ روی کی شکلیں پیدا ہورہی ہیں، ان کی نشان دہی، خاص طور پر مدارس نسواں اور عورتوں کے مسجد جانے اور سفر اختیار کرنے میں حدود شریعت کی رعایت نہ کرنے اور مدارس کے قیام میں احتیاط کے پہلو کی فکر نہ کرنے اور مزارات پر جانے کے نقصانات کو بھی اپنے مضامین کے ذریعہ بیان کیا ہے۔

ان کے علاوہ دیگر مضامین میں وہ مضامین بھی ہیں جو سماج میں رسوم وبدعات کے ازالہ کے لئے لکھے گئے، خاص طور پر شب براءت، عاشوراء محرم، رجب اور ربیع الاول کی نسبت سے بے راہ روی کی متعدد شکلوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، جبکہ دین اسلام ایک مکمل دین ہے، اور اس میں کمی وزیادتی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی گئی ہے، قرآن مجید نے یہ واضح کردیا ہے کہ (اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا) کتاب کا آخری حصہ مصنف کی ممدوح ومحسن شخصیات پر مشتمل ہے، جن میں حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقیؒ اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اجراڑویؒ کے نام زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ قارئین اس کتاب سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گے اور انشاء اللہ اس کا نفع عام ہوگا۔

دعا گو

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دار العلوم (وقف) دیوبند

DARUL ULOOM (WAQF) DEOBAND - 247554 (U.P.) INDIA

Ref. No. .... Dated ....

متاع قلم

مفتی محمد نعیم صاحب مظاہری الہ آبادی

مؤلف محترم نے اپنی اس تالیف میں وہ مسائل جو اہتمام شان کے حامل ہیں ان کو یکجا جمع کر دیا ہے، یہ مسائل اس یکجائی صورت میں غیر معمولی افادیت کے حامل بن گئے ہیں، اسلئے ان کی ضرورت عوام وخواص ملت کو ہمہ وقت پڑتی رہتی ہے اوران کے یکجانہ ہونے کی وجہ سے بروقت ان سے استفادہ دشوار بھی تھا، صاحب تصنیف نے حسن اہم مسائل کو اس کتاب میں شامل کیا ہے ان میں بیشتر مسائل وہ ہیں کہ جن کی ضرورت بکثرت پیش آتی رہتی ہے، اور بعض وہ ہیں کہ جو احیانا اور اتفاقا ہی لائق التفات ہوتے ہیں مثلاً آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا طے کردہ ''نکاح نامہ'' اپنی ضروری تفاصیل کے ساتھ غیر معمولی طور پر لائق استفادہ ہے ایسے ہی ضبط ولادت ارباب اقتدار کے نزدیک کثرت آبادی پر اور فراہمی غذا میں پیش آمدہ مشکلات کا حل ارباب اقتدار نے اسی ضبط ولادت کو قرار دیتے وقت نگاہیں اس سے پھیر لیں کہ کائنات کا خالق جو انسانوں کی تخلیق کر رہا ہے وہ ہی غذا کا بھی کفیل ہے۔ نقطہ فکر کی اس برگشتگی نے ارباب اقتدار کو اس فکر سے دوچار کر دیا ہے کہ نو پید آبادی کی غذا کا تکفل ہمیں کرنا ہے، اور جو تعداد آبادی اس وقت موجود ہے اس کی فراہمی غذا ہمارے لئے دشوار ترین ہوتی ہے، مزید بے نہایت اضافہ آبادی ہمارے لئے ایک نا قابل حل مسئلہ بن کر سامنے آئیگا، اس سے بچنے کا راستہ سوائے ضبط ولادت کے ان کے ذہنوں میں دوسرا نہیں ہے جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ رب العزۃ ہی مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کی غذا کا کفیل بھی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

و ما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اسباب کو مدار کار قرار دینے کے بجائے مسبب الاسباب اللہ رب العزۃ کی ذات بابرکات کو مدار کار قرار دیا جائے یہی مومنانہ پرداز مستقبل میں ایسا مدار کار ثابت ہوگا کہ جو انشاء اللہ صحت کے ساتھ باعث اجر وثواب بھی ہوگا۔

بہر حال مجموعی طور پر یہ کتاب عوامی افادہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے امید ہے کہ تمام مسلم طبقات میں مفید سے مفید تر ثابت ہوگی حق تعالیٰ اس کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور مصنف کیلئے زاد آخرت فرمائے۔

آمین یارب العالمین!

(مولانا) محمد سالم قاسمی (صاحب)

صدر مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

تقریظ بلیغ

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ العالی

صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مؤلف محترم نے اپنی اس تالیف میں وہ مسائل جو اہتمام شان کے حامل ہیں ان کو یکجا جمع کردیا ہے، یہ مسائل اس یکجائی صورت میں غیر معمولی افادیت کے حامل بن گئے ہیں، اس لئے ان کی ضرورت عوام وخواص ملت کو ہمہ وقت پڑتی رہتی ہے اوران کے یکجا نہ ہونے کی وجہ سے بروقت ان سے استفادہ دشوار بھی تھا، صاحب تصنیف نے جن اہم مسائل کو اس کتاب میں شامل کیا ہے ان میں بیشتر مسائل وہ ہیں کہ جن کی ضرورت بکثرت پیش آتی رہتی ہے، اور بعض وہ ہیں کہ جو احیاناً اور اتفاقاً ہی لائق التفات ہوتے ہیں مثلاً آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا طے کردہ ''نکاح نامہ'' اپنی ضروری تفاصیل کے ساتھ غیر معمولی طور پر لائق استفادہ ہے ایسے ہی ضبط ولادت ارباب اقتدار کے نزدیک کثرتِ آبادی پر فراہمی غذا میں پیش آمدہ مشکلات کا حل ارباب اقتدار نے اسی ضبط ولادت کو قرار دیتے وقت نگاہیں اس سے پھیرلیں کہ کائنات کا خالق جو انسانوں کی تخلیق کررہا ہے وہ ہی غذا کا بھی کفیل ہے، نقطہ فکر کی اس برگشتگی نے اربابِ اقتدار کو اس فکر سے دوچار کردیا ہے کہ نو پیدا آبادی کی غذا کا تکفل ہمیں کرنا ہے، اور جو تعداد آبادی اس وقت موجود ہے اس کی فراہمی غذا ہمارے لئے دشوار ترین ہوتی ہے، مزید بے نہایت اضافہ آبادی ہمارے لئے ایک ناقابل حل مسئلہ بن کر سامنے آئے گا، اس سے بچنے کا راستہ سوائے ضبط ولادت کے ان کے ذہنوں میں دوسرا نہیں ہے، جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ رب العزۃ ہی مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کی غذا کا کفیل بھی ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو، جس کے معنی یہ ہیں کہ اسباب کو مدارکار قرار دینے کے بجائے مسبب الاسباب اللہ رب العزۃ کی ذات بابرکات کو مدارِکار قرار دیا جائے، یہ ہی مومنانہ پرواز مستقبل میں ایسا مدارکار ثابت ہوگا کہ جو انشاء اللہ صحت کے ساتھ باعث اجروثواب بھی ہوگا۔

بہرحال مجموعی طور پر یہ کتاب عوامی افادہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے امید ہے کہ تمام مسلم طبقات میں مفید سے مفید تر ثابت ہوگی حق تعالیٰ اس کی قبولیت عامہ عطا فرمائے اور مصنف کے لئے زادِ آخرت فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

(مولانا) محمد سالم قاسمی (صاحب)
صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

(Mufti) Abul Qasim Nomani
Mohtamim (VC) Darul Uloom Deoband

(مفتی) ابو القاسم نعمانی
مہتمم دار العلوم دیوبند، الہند

PIN- 247554 (U.P.) INDIA Tel: 01336-222429, Fax: 01336-222768 E-mail: info@darululoom-deoband.com

Ref. No......... Date:......

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم ! اما بعد

''متاعِ قلم'' جناب مفتی محمد نعیم صاحب الہ آبادی مظاہری کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو نو ابواب کے تحت مختلف عنوانات پر مشتمل ہیں۔ زیادہ تر مضامین دینی واصلاحی انداز کے ہیں۔ ساتھ ہی فرقِ ضالہ اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی بعض بے اعتدالیوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاح سے متعلق بھی متعدد مضامین شاملِ کتاب ہیں، کچھ اکابر کے حالات اور سوانح سے متعلق تحریریں ہیں۔ اندازِ تحریر دلچسپ ہے، بعض ذاتی آراء سے اختلاف کیا جاسکتا ہے؛ لیکن مجموعی طور پر کتاب معلومات افزا اور مفید ہے۔ امید ہے کہ اہلِ ذوق کے درمیان پسندیدگی کی نظروں سے دیکھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ مرتب کی محنت کو قبول فرمائے اور مزید دینی خدمات کی توفیق بخشے۔

والسلام

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
١٨/٦/١٤٣٦ھ

کلماتِ تبرک

حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم
مہتمم دار العلوم دیوبند

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد!

''متاعِ قلم'' جناب مفتی محمد نعیم صاحب الہ آبادی مظاہری کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو نو ابواب کے تحت مختلف عنوانات پر مشتمل ہیں، زیادہ تر مضامین دینی و اصلاحی انداز کے ہیں، ساتھ ہی فرقِ ضالہ اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی بعض بے اعتدالیوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاح سے متعلق بھی متعدد مضامین شامل کتاب ہیں، کچھ اکابر کے حالات اور سوانح سے متعلق تحریریں ہیں، اندازِ تحریر دلچسپ ہے، بعض ذاتی آراء سے اختلاف کیا جاسکتا ہے؛ لیکن مجموعی طور پر کتاب معلومات افزا اور مفید ہے، امید ہے کہ اہل ذوق کے درمیان پسندیدگی کی نظروں سے دیکھی جائے گی، اللہ تعالیٰ مرتب کی محنت کو قبول فرمائے اور مزید دینی خدمات کی توفیق بخشے۔

والسلام

ابو القاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
۱۴۳۶/۶/۱۸ھ

Ph. 0132-2655642
MADRASA
MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR 247001
(U.P.) ——— INDIA
FAX : 0132-2659912

مدرسہ
مظاہر علوم
سہارنپور

Ref. No. ....

Date ۱۱ جمادی الاولیٰ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد

عزیز محترم مولانا مفتی محمد نعیم الہ آبادی جامعہ مظاہر علوم کے فارغ التحصیل نوجوان جید الاستعداد صاحب قلم عالم وفاضل ہیں، ایک عرصہ تک علاقہ کے مشہور ومعروف ادارہ ''مفتاح العلوم جلال آباد'' میں مصروف خدمت دین رہے اور وہاں سے نکلنے والے رسالے ''مفتاح الخیر'' کے مرتب و مدیر رہے، اس زمانہ کے رسالے کے قیمتی اور مفید مضامین کا انھوں نے انتخاب فرما کر ''متاع قلم'' کے نام سے اس کی اشاعت کا ارادہ فرمایا، منتخب مجموعہ میرے پیش نظر ہے جس کو بالاستیعاب تو نہیں دیکھا مگر فہرست مضامین سے اندازہ ہوا کہ اصلاح معاشرہ سے متعلق قابل قدر مضامین کو جمع کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائے اور امت کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔ فقط

محمد سلمان

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

سند اعتبار

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری دامت برکاتہم
ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد!

عزیز محترم مولانا مفتی محمد نعیم الہ آبادی جامعہ مظاہر علوم کے فارغ التحصیل نوجوان جید الاستعداد صاحب قلم عالم وفاضل ہیں، ایک عرصہ تک علاقہ کے مشہور ومعروف ادارہ ''مفتاح العلوم جلال آباد'' میں مصروف خدمت دین رہے اور وہاں سے نکلنے والے رسالے ''مفتاح الخیر'' کے مرتب ومدیر رہے، اس زمانہ کے رسالے کے قیمتی اور مفید مضامین کا انہوں نے انتخاب فرما کر ''متاعِ قلم'' کے نام سے اس کی اشاعت کا ارادہ فرمایا، منتخب مجموعہ میرے پیش نظر ہے جس کو بالاستیعاب تو نہیں دیکھا مگر فہرست مضامین سے اندازہ ہوا کہ اصلاح معاشرہ سے متعلق قابل قدر مضامین کو جمع کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائے اور امت کی اصلاح کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین۔

فقط

محمد سلمان

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

عرضِ ناشر

بحمداللہ "متاعِ قلم" طبع ہوکر آج آپ کے ہاتھوں کی زینت بنی ہے جو ہمارے دیرینہ خواب کی تکمیل ہے، اللہ قبول فرمائے۔ آمین

اس کتاب میں مصنف موصوف کے اصلاحی مضامین جو انہوں نے بحیثیت مدیر مجلہ مفتاح الخیر کے لئے مرتب کئے تھے ان کو یکجا کیا گیا ہے، مصنف مولانا مفتی محمد نعیم مظاہری الہ آبادی مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد سے منسلک ہوئے تو مجلہ کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی اور پھر اس کی طباعت بہانہ بنی مفتی صاحب سے ملاقات کا، مجلہ مفتاح الخیر کی طباعت پہلے شمارے ہی سے احقر کے ذمہ رہی، دریں اثناء مفتی صاحب سے رفاقت رہی اور موصوف کی خوش طبعی اور خوش معاملگی کی وجہ سے یہ سلسلہ تادیر قائم رہا، تمام مضامین کیونکہ میری نظر سے گزرتے رہے، اس لئے میں بھی ان مضامین کی افادیت محسوس کرتا رہا، اور دلی خواہش رہی کہ یہ مضامین قارئین مجلہ کے علاوہ بھی افادہ عام کے لئے شائع کئے جائیں، چنانچہ مفتی صاحب نے اس کام کو انجام دیا اور مضامین میں حذف وزوائد کے ساتھ ان کو کتابی شکل میں یکجا کیا۔

میری خواہش ہوئی کہ یہ مجموعہ ہمارے ادارے سے شائع ہو کیونکہ اس طرح کی علمی کتب شائع کرنا میرا ذوق رہا ہے، شاید اسی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل علم اور اہل اللہ کے ساتھ آخرت میں شمار کرلیں۔

چنانچہ نتیجتاً کتاب زیورطبع سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں کی شان بنی، اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ یہ کتاب اپنے قارئین، مرتب اور ناشر کے علاوہ ان تمام احباب کی نجات کا بھی سبب بنے جو دامے درمے سخنے قدمے اس میں معاون رہے۔ آمین

محمد عیاض قاسمی
اسلامک اکیڈمی دیوبند

پیش لفظ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد!

اللہ رب العزت کا بے پایاں کرم و احسان ہے کہ راقم آثم کو تحصیل علوم دینیہ سے رسمی فراغت عطا فرمائی، اور مزید کرم یہ ہوا کہ فراغت کے ایک سال بعد مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے قائم کردہ ادارہ جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر میں خدمت دین کا موقع مرحمت فرمایا، جامعہ مفتاح العلوم میں اگر چہ راقم کا تقرر بحیثیت مبلغ ہوا تھا لیکن چند ہی سال بعد کچھ درسی کتابوں کی تدریس کی خدمت بھی عنایت فرمادی گئی اور اسی کے ساتھ جامعہ کا ترجمان مجلہ مفتاح الخیر کی ادارت کی بھی ذمہ داری سونپ دی گئی۔

بحمد اللہ احقر کا قیام جب تک جلال آباد میں رہا مجلہ مفتاح الخیر جاری رہا، اور متوسلین حضرت مسیح الامتؒ استفادہ فرماتے رہے، مفتاح الخیر کے جملہ مضامین کی تہذیب و ترتیب کے علاوہ ہر شمارہ کے لئے اداریہ لکھنے کی بھی ذمہ داری راقم آثم ہی پر تھی، انہی اداراتی مضامین اور دیگر مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین کا مجموعہ "متاع قلم" کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر چہ بہت سے مضامین کتاب کی ضخامت کے پیش نظر اس مجموعہ میں شامل نہیں کئے جارہے ہیں، بالخصوص "احادیث ضعیفہ اور ان کے احکامات" اس مضمون کی کتابت بھی مکمل ہوگئی تھی مگر طوالت کی وجہ سے شامل نہیں کیا گیا، ان شاء اللہ کسی دوسرے موقع پر شائع کئے جائیں گے۔

میں کیا ہوں اور میرے تحریر کردہ مضامین کی حیثیت کیا ہے؟ اسے میں خوب جانتا ہوں، لیکن عربی کا مشہور مثل ہے لکل ساقطة لاقطة کہ ہر بات کا کوئی نہ کوئی سننے والا ہوتا ہے۔ ممکن ہے کسی بندہ خدا کو ان مضامین میں کوئی ایسی بات مل جائے کہ اس کے لئے نفع دینی کا سبب اور ان حروف کے لکھنے والے کے لئے نجات کا ذریعہ بن جائے، اس لئے ان مضامین کو شائع کرانے کا داعیہ پیدا ہوا، اگر چہ اس کی اشاعت کوئی آسان کام نہ تھا اگر دو مخلص دوستوں کی کرم فرمائی اور ذرہ نوازی نہ ہوتی تو شاید یہ مجموعہ کبھی زیور طبع سے آراستہ

نہ ہوتا، ان میں اولاً جناب حضرت مولانا قاری محمد سعید صاحب چرخا (اسٹیشن روڈ گودھرا) مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ رحمانیہ دارالعلوم وناکپور گودھرا گجرات، کہ اس کتاب کی طباعت کا سارا سہرا موصوف ہی کے سر ہے اور دوسرے جناب مولانا محمد عیاض صاحب قاسمی مالک اسلامک اکیڈمی دیوبند کہ اگر آنمحترم کی خصوصی دلچسپی و دستگیری نہ ہوتی تو شاید متاعِ قلم اپنی متاع کو بھی گم کردیتا چہ جائیکہ زیور سے طبع سے آراستہ و پیراستہ ہوتی۔

اسی طرح اپنے محسن و کرم فرما جناب محمد طارق صاحب (پتھر گلی الہ آباد) کا بھی میں بیحد ممنون و شاکر ہوں کہ انہوں نے تکالیف برداشت کرکے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ گئے اور وہاں سے جناب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور جناب حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی عمت فیوضہم کے مقدمات لکھوا کر لائے جس سے کتاب کی قدر وقیمت میں چار چاند لگ گئے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ہم اپنے ان بزرگوں کا شکریہ نہ ادا کریں جنہوں نے اپنے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خورد نوازی کی انتہا کردی، بالخصوص حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم (صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) وحضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم (مہتمم دارالعلوم دیوبند) اور حضرت مولانا سید سلمان صاحب دامت برکاتہم (ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور) کہ ان بزرگوں نے ناچیز کی کتاب پر تقاریظ تحریر فرما کر سند اعتبار کی مہر لگا کر ذرہ کو آفتاب بنادیا، دعا ہے کہ باری تعالیٰ ان اکابر کو اپنے شایانِ شان اجر عطا فرمائے اور ان کے سایۂ عاطفت کو ہمارے سروں پر تادیر قائم و دائم رکھے، آمین ثم آمین

اس مجموعہ میں اگر کوئی کام کی بات نظر آئے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور راقم کے اساتذہ کا فیضانِ نظر ہے اور جو خامیاں اور علمی کوتاہیاں دکھائی دیں وہ ناچیز کی نااہلی اور کوتاہ فہمی کے سبب ہیں، ہمیں اپنی علمی خامیوں کا بھرپور اعتراف اور مثبت تنقید کا کھلے سے خیر مقدم ہے؛ لیکن

بہ پوش گر بہ خطائے رسی وطعنہ مزن   کہ ہیچ نقش بشر خالی از خطا نبود

دعاؤں کا طالب

محمد نعیم مظاہری الہ آبادی

چندوہاں، سہسوں، ضلع الہ آباد

۱۲/ رمضان المبارک ۳۷ھ (یوم معرکہ بدر)

Author: Mufti Mohd. Naeem Mazahiri
Vill. Chandauhan, Po. Umari, Sahson
Allahabad PIN 221507 U.P.
Contact: 0091-9598925006

باب اول

دفاعِ شریعت

- آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کا ایک تاریخی کارنامہ ماڈل نکاح نامہ
- تحریک ضبط ولادت پر ایک تحقیقی نظر
- شب برأت احادیث شریفہ کی روشنی میں
- مسلک دہ دردہ

ماڈل نکاح نامہ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

گذشتہ ماہ یکم مئی کو مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے اٹھارہویں اجلاس میں عرصہ سے پڑے التوا اور زیر بحث ماڈل نکاح نامہ کو منظوری دے دی، ماڈل نکاح نامہ منظر عام پر آتے ہی میڈیا میں ایک کھلبلی سی مچ گئی اور ہر طرف سے تنقید و تبصروں کا اک تانتا بندھ گیا، تنقید کرنے والوں نے بھی عجیب عجیب تنقیدیں کیں، مثلاً ''ماڈل نکاح نامہ بدعت ہے''۔ ''یہ نام ہی غیر اسلامی ہے''۔ اور یہ کہ ''نکاح نامہ خواتین کے مسائل کا حل نہیں ہے۔'' وغیرہ۔

دوسری طرف بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ نکاح نامہ میں لڑکیوں کی میراث، کم سنی کی شادی، کثرتِ ازدواج، ضبط ولادت، تفوضِ طلاق اور خلع جیسے اہم مسائل پر خاموشی کیوں رہی؟ اور ان باتوں کو نکاح نامہ میں کیوں نہیں شامل کیا گیا۔

اس کے علاوہ کچھ سر پھرے دینی دشمنوں نے تو یہاں تک کہا کہ ''سیکولر ہندوستان میں دارالقضاء کا نظام ایک متوازی عدالت قائم کرنا ہے۔''

اس کے برعکس ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اس نکاح نامے کو سراہ رہی ہے اور اسے مسلم پرسنل لا بورڈ کا برمحل اقدام اور ایک اہم تاریخی کارنامہ کہہ رہی ہے، مگر حامدین کم اور ناقدین زیادہ ہیں۔

خیر یہ ہندوستان ہے، یہاں ہر شخص کو اظہار رائے کی پوری آزادی ہے، ہمیں اس سے انکار نہیں، شکایت تو ان لوگوں سے ہے، جو سب کچھ جانتے بوجھتے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً ایک مجلس کی تین طلاق، طلاق مغلظہ نافذ ہو جاتی ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں عوام و خواص سب جانتے ہیں، پھر بھی اس کے متعلق حقیقت سے اغماض برتتے ہوئے ایک صاحب نے لکھا:

''آج بھی طلاق ثلاثہ کے نتائج سے پریشان بہت سے حنفی شادی شدہ جوڑے رشتۂ ازدواج کی بحالی کے لئے اس بنیاد پر فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ شوہر نے تین طلاقیں بلا سوچے سمجھے اور محض غصے میں کہہ دی تھیں۔ حال ہی میں سپریم کورٹ بھی قرآن پاک کے مطابق نہ دیئے گئے طلاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکا ہے۔ یہ عجیب تضاد ہے کہ ایک سیکولر ریاست کی عدالت عظمیٰ اس معاملے میں قرآن کی پابندی کر رہی ہے اور مذہبی طبقہ اس کے خلاف عمل کی اجازت دے رہا ہے۔''

''قرآن پاک کے مطابق'' کے جملے پر غور کریں کہ مضمون نگار جانتے بوجھتے عوام کو کس قدر دھوکہ دینے کی کوشش کر رہا ہے، طلاق وعتاق کا مسئلہ کوئی میرے اور آپ کے گھر کا مسئلہ تو ہے نہیں کہ اسے بیٹھ کر حل کرلیا جائے اور جب جی میں آئے نافذ کریں اور جب جی چاہے نہ نافذ کریں۔ جب حضرات فقہاء کرامؒ نے اس مسئلہ کو طے فرمادیا ہے کہ یہ نافذ ہو جاتی ہے تو پھر کیوں اس مسئلہ کو اٹھایا جا رہا ہے؟ جسے دیکھئے وہی دین کا ٹھیکے دار بنا پھر رہا ہے، خواہ کوئی مسئلہ چل رہا ہو ٹیپ کے بند کی طرح یہ مسئلہ بھی دہرادیا جاتا ہے کہ'' آئندہ ایک مجلس کی تین طلاق کے بارے میں بھی غور کیا جائے گا'' واہ رے واہ! دانشورانِ قوم وملت! خوب رہی، یہ طلاق ثلاثہ، شریعت کا مسئلہ نہیں بچوں کا کھیل بن گیا ہے۔

نکاح نامے میں مختلف فیہ مسائل شامل نہیں

بورڈ اس لحاظ سے قابل مبارکباد ہے کہ کسی ایسے مسئلے کو جو مختلف فیہ ہو نکاح نامہ میں شامل نہیں کیا۔ ماڈل نکاح نامے کا اجرائ، بورڈ کا ایک ایسا قدم ہے جسے بجا طور پر ایک تاریخی کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ رہی خامیاں تو خامیاں کہاں نہیں ہیں؟ کس شعبے اور کس ادارے میں نہیں ہیں؟ صرف خامیوں ہی خامیوں کی طرف نگاہ کرنا اور خوبیوں سے صرف نظر کرنا یہ کوئی عدل وانصاف کی بات نہیں۔ اس پر فتن اور پر خطر دور میں ۳۳ رسال تک مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر فرقے کے لوگوں کو ایک اسٹیج پر جمع رکھنا کیا یہ کم غیر معمولی بات ہے، اللہ تعالیٰ ہمت دے ہمارے ان اکابر کو جو سب کو جوڑ بٹور کر ایک ساتھ لے کر چل رہے ہیں اور بھوپال کے ۱۸ ویں اجلاس تک مسلم پرسنل لا بورڈ کا کوئی بھی رکن اپنی جگہ سے ہٹا

نہیں ہے۔ جبکہ دوسرے پرسنل لا بورڈ بننے کی نت نئی خبریں سامنے آرہی ہیں، رہا یہ سوال کہ ماڈل نکاح نامہ کو لازمی کیوں قرار نہیں دیا گیا؟

میرے خیال میں اس کی اصل وجہ یہ رہی ہوگی کہ ہمارے ملک میں دوسرے نکاح نامے بھی رائج ہیں اور وہ بھی اپنی اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں-- پھر بورڈ کے اندر لازم کرنے کی سوائے ترغیبی و اخلاقی طاقت کی اور کیا ہے۔ اب اسے لازمی بنانا تو ہمارا فریضہ ہے، اگر ہم ہی نہ چاہیں تو دنیا کی کون سی ایسی طاقت ہے جو نافذ کرا سکتی ہے، اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ معاشرے کا ہر ہر فرد اپنے اوپر اس کو لازم وضروری قرار دے۔

تفویض طلاق

ایک بنیادی سوال یہ رہ جاتا ہے کہ تفویض طلاق کے مسئلہ کو بورڈ نے کیوں نکاح نامہ میں شامل نہیں کیا؟ جب کہ ابھی ماضی قریب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس پر سیر حاصل بحث کر کے اسے جائز بھی قرار دیا ہے۔ اس بابت ان حروف کے لکھنے والے کا خیال یہ ہے کہ ایسا نہیں کہ ہمارے اکابر وارکانِ بورڈ کی نگاہ ادھر نہ گئی ہو، گئی ہوگی اور یقیناً ضرور گئی ہوگی، اس مسئلے کو نکاح نامے میں شامل نہ کرنے کے کچھ عوارض وجوہات اور کچھ مجبوریاں تھیں جیسا کہ بورڈ کے کل ہند نائب صدر حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نے فرمایا کہ:

> ''اس نکاح نامہ میں تفویض طلاق کے مسئلہ کو اس سے علیحدہ رکھا گیا اور اس سے اختلاف کیا گیا ہے، چونکہ تجربات اور مشاہدہ کے لحاظ سے تفویض طلاق کے رائج ہونے کے صورت میں نقصانات کا احتمال زیادہ ہے اور خاندان کے تباہ و برباد ہونے کا خدشہ قوی ہے۔ اس لئے بورڈ نے اس مسئلہ سے قطعی طور پر اختلاف کیا اور نکاح نامہ میں اس کو شامل نہیں رکھا۔''

ماڈل نکاح نامہ کی فوٹو کاپی اس وقت میرے سامنے ہے نکاح نامہ کے تین اجزاء ہیں۔

نکاح نامہ کے تین اہم نکات

(۱) نکاح نامہ (۲) ہدایت نامہ (۳) اقرار نامہ، جس کا خاکہ بطور اختصار یوں بیان کیا

جا سکتا ہے۔شادی سے پہلے ضروری تنقیحات-- شادی کے طریق کار میں یکسانیت لانا اور خواتین کے حقوق کو اجاگر کرنے کے لئے زوجین کو ایک دوسرے سے متعلق ان کے حقوق وذمہ داریوں کے بارے میں ہدایات وتذکیر-- شادی کے موقع پر والدین یا سرپرستوں کی موجودگی ضروری-- مہر سونے یا چاندی کی صورت میں ادا کیا جائے اور جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کی جائے-- ازدواجی زندگی میں اختلاف کی صورت میں خاندان کے بزرگوں یا دارالقضاء یا مستند علماء دین سے حل کرایا جائے۔نکاح کو آسان بنایا جائے،فضول خرچی اور شان وشوکت کے مظاہروں سے اجتناب کیا جائے-- بیک وقت تین طلاق دینے سے احتراز واجتناب کیا جائے اور اگر خدانخواستہ طلاق مجبوری ہی بن جائے کہ کسی طرح نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو شریعت کی تعلیم کے مطابق علیحدگی اختیار کی جائے،جس کے لئے دارالقضاء یا مستند علماء سے رجوع کیا جائے۔

اقرارنامہ اور اس کی افادیت

ان نکات وامور کے علاوہ ماڈل نکاح نامہ کا اقرار نامہ سب سے زیادہ افادیت واہمیت کا حامل ہے۔دراصل یہ اقرارنامہ نکاح نامے کی اصل روح اور جان ہے جو ملک میں رائج دیگر نکاح ناموں سے ممتاز کرتا ہے۔جس میں دونوں فریق اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے۔اقرارنامہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

"الحمدللہ! ہم دونوں مسلمان ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم ازدواجی زندگی میں احکام شریعت کے پابند رہیں گے۔

ہم ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے اور اپنے تعلقات کو آپس میں خوش گوار رکھنے کی پوری کوشش کریں گے،لیکن اگر خدانخوستہ کسی وجہ سے ہمارے درمیان کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو دارالقضاء/شرعی پنچایت/مستند عالم دین ہمارے درمیان ثالث ہوگا اور وہ جو بھی فیصلہ کرے گا ہم دونوں اس کے پابند رہیں گے۔ فقط

دستخط ....زوج ....زوجہ ....

گواہ اول ....گواہ دوم ....نکاح خواں ...."

اقرارنامہ کو بار بار پڑھئے اور بتائیے کہ اس میں کون سی ایسی بات ہے جو خلاف شرع

یا غیر اسلامی ہے۔اس کے علاوہ جبکہ بورڈ ہر مسلک و مشرب کے لوگوں کو پوری پوری آزادی بھی دے رہا ہے، پھر بھی اس پر خواہ مخواہ کا اعتراض کرنا اور یہ کہنا کہ" اگر اقرار نامہ پر عمل ہوتا ہے تو اس سے ازدواجی تعلقات مستحکم ہونے کے بجائے اس میں بگاڑ پیدا ہوگا اور یہ کہ مقدمہ بازی اور دیگر قانونی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑیگا اور یہ کہ اقرار نامہ قرآن کی اسپرٹ اور اس کی تعلیمات کے منافی ہے۔"

اعتراض کرنے والے تو اعتراض کرینگے ہی ان معترض کے اعتراض سے نکاح نامہ کی اہمیت و افادیت پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں اور نہ اس پر شور و غوغا سے کچھ حاصل ہوگا۔ ع عرفی نہ می اندیش زغوغائے رقیباں

نکاح نامہ کی خصوصیات

سچ تو یہ ہے کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کا مرتب کردہ یہ نکاح نامہ بہت ساری خصوصیات کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ کا ایک بہترین ذریعہ اور مظلوم عورتوں کی مشکلات اور ان کے حقوق کے آسانی سے حاصل ہونے کا اچھا طریقہ ہے۔ یہ نکاح نامہ تمام تر قرآن و حدیث کی آیات و روایات کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ اسلامی سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

ہم دل کی گہرائیوں سے اہل بورڈ کو اس مبارک اقدام کی مبارک باد دیتے ہیں اور پوری طرح اس کی تائید و توفیق کرتے ہیں اور آئندہ بورڈ کی جملہ مساعئ جمیلہ بحسن و خوبی پایہ تکمیل تک پہنچیں، ہم اس کی بھی دعا کرتے ہیں۔

نفاذ کیسے ہو؟

یہاں پہنچ کر اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ معاشرے میں نکاح نامے کا نفاذ کیسے ہو، حکومت تو ہمارے عائلی مسائل میں دخل دینے سے رہی -- اس کے نفاذ کی واحد شکل صرف یہ ہے کہ ہم خود اپنے اوپر اس کا نفاذ کریں ہمارے معاشرے کا ہر فرد اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اسے آگے بڑھائے، اس کی اہمیت کو واضح کرے، نکاح سے قبل قاضی

صاحبان محفل نکاح میں اسے پڑھ کر سنائیں، لوگوں کو ان ہدایات پر پابندی سے عمل کرنے کی ترغیب دلائیں اور سماج کو ان حقوق وذمہ داریوں کا پابند بنائیں جو اس میں درج ہیں، گاؤں گاؤں میں اس کے نفاذ کی تنظیمیں بنائی جائیں اور جو شخص اس کے خلاف کرے اس کا معاشرے سے مقاطعہ کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو بظاہر اس کے نفاذ کی کوئی دوسری صورت نظر نہیں آتی، اسلام کے تمام تر احکامات وہدایات کے ہوتے ہوئے اللہ اور رسول ﷺ سے نہ ڈرنے والے ظلم و بربیت پر آمادہ ہونے والے ظالم صفت انسان بھلا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس نکاح نامہ کو کیونکر خاطر شاطر میں لائیں گے۔

مسلمانو! مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس نکاح نامے پر لبیک کہو، اسے اپنی شادیوں میں نافذ کرو اور حسب فرمان نبوی ﷺ مساجد میں نکاح کرو، اخراجات کم کر کے اپنی شادیوں کو سادی بناؤ، خلاف شرع امور سے اجتناب کرو، اپنی لڑکیوں کو میراث دو اور مروجہ جہیز بند کرو، معاشرے کا جو بھی فرد اسلامی قوانین پر کاربند نہ ہو اور منکرات پر مصر ہو اسے آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق اگر طاقت وقوت ہو تو ہاتھ سے روکو، ہاتھ کی طاقت نہ ہو تو زبان سے کہو، اور اگر زبان کی بھی طاقت نہ ہو دل سے برا سمجھو، اور ایسی شادیوں میں شرکت کرنے سے اجتناب کرو، اس کے خلاف دارالقضاء یا اپنی تنظیموں اور برادری کے دین دار لوگوں میں مقدمہ دائر کرو، دارالقضاء کو اہمیت دو اور اپنے ہر چھوٹے بڑے معاملات اس میں حل کراؤ، اپنی طبیعتوں میں شریعت کو رچاؤ، بساؤ اور ہر معاملے میں شریعت کا حکم مقدم رکھو، اس لئے کہ جب تک ہم دینی حالات درست نہ کرینگے، اس وقت تک کامیابی وکامرانی سے ہم کنار ہونا ناممکن ہے۔ خواہ تدابیر کیسی ہی کرلیں، نتیجہ کار ذلیل وخوار ہی ہونگے، صرف قوم قوم کی رٹ لگانے سے قوم کی ترقی نہیں ہوگی، قوم کو بھی اپنی اصلاح کی فکر کرنی ہوگی، اپنی حالت بدلنی ہوگی، بغیر عمل کے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کامیابی کی امید میں رکھنا سراب کی طرح دھوکہ ہے۔ کسی بھی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتی جب تک وہ قوم اپنی حالت بدلنے کی طرف خود نہ توجہ کرے۔

اللہ تبارک وتعالی کا واضح ارشاد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

(اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدل لیں۔
جو ان کے اندر ہے۔(مفہوم)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو احساس جس کو اپنی حالت خود بدلنے کا

وما علینا الا البلاغ

آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

(مفتاح الخیر جلد ۳ شمارہ نمبر ۲۳ جون ۲۰۰۵ء)

□□□

تحریک ضبط ولادت پر ایک تحقیقی نظر

مال و اولاد دنیا میں ایک ایسی عظیم نعمت ہے جس کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں، اور نہ کسی نے انکار کیا۔ عقل بھی یہی کہتی ہے اور مشاہدہ اور تجربہ بھی بتاتا ہے، کہ یہ دونوں نعمتیں اپنے ساتھ بے شمار منافع رکھتی ہیں، مال میں تو کسی کا اختلاف ہے ہی نہیں، بلکہ اس کے حصول کے لئے تمام ترقوتیں صرف کی جارہی ہیں اور اس باب میں سب متفق ہیں۔ رہی اولاد تو اس میں کچھ سرپھروں کو کلام ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ اولاد زیادہ نہ پیدا کی جائے، حالانکہ پیدا کرنا یا نہ کرنا ان کے قبضہ قدرت یا دائرہ اختیار میں نہیں پھر بھی وہ قدرت کے اس نظام میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کرتے ہیں، اور ضبط ولادت جیسی ناپاک امر کی اشاعت کے لئے طرح طرح کے ترغیباتی مضامین و اشتہارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کے ذریعہ نشر کرتے رہتے ہیں۔

ان دنوں اخبارات میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے، بعض اخبارات نے آبادی گھٹاؤ مہم چلا رکھی ہے اور حکومت سے کسی سخت قانون کا مطالبہ کر رہے ہیں، مسلمانوں نے کبھی بھی اسے لائق اعتناء و قابل توجہ نہ سمجھا اور نہ سمجھیں گے، حکومت اس سے پہلے بھی سخت قانون کا نتیجہ دیکھ چکی ہے اور بہر صورت اسے ناکامی و نامرادی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مسلمان تو اس حقیقت کو ایک عقیدہ کے طور پر مانتے ہیں کہ جو اولاد کا خالق ہے وہی رزق کا بھی مالک ہے، اس کی صفت اگر خلاق ہے تو ساتھ ہی ساتھ رزاق بھی ہے، اس نے رزق کی تمام تر ذمہ داریاں اپنے اوپر لے رکھی ہیں، دنیا اسی طرح ہمیشہ سے آباد ہے اور تا قیامت آباد رہے گی۔

بڑھتی ہوئی دھماکہ خیز آبادی کا یہ شوشہ جو ان دنوں پھر چھوڑا جا رہا ہے، اس پر کچھ لکھنے لکھانے سے قبل یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کا محرک اور داعیہ کیا ہے، مذہب اسلام میں اس نظریہ کی حیثیت کیا ہے؟ آیا مذہب اس فعل شنیع کی اجازت دیتا ہے یا نہیں، پھر اسے عقل کی کسوٹی پر بھی پرکھنا چاہئے کہ عقل سلیم اور فہم مستقیم اس سلسلے میں کیا کہتی ہے، پھر تجربات کی

روشنی میں بھی اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہئے کہ آخر اس پر کسی ملک میں عمل کیا گیا یا نہیں اگر جواب اثبات میں ہے تو اس سے کیا نتائج نکلے؟ انہیں کچھ کامیابی ہوئی یا ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، اور پھر اس کا حل کیا ہے اور کیا کرنا چاہئے۔

ہونا ہے مقدر میں جو وہ ہو کے رہے گا

سب سے پہلے جب ہم اس نظریہ کا حل قرآن وحدیث میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ صاف صاف نظر آتا ہے کہ شریعت میں اصولی وقانونی طور پر ضبط ولادت کی اجازت نہیں ملتی، چاہے وہ چیزیں ہوں جس سے کہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو جائے یا وہ طریق ہوں کہ صلاحیت تو باقی رہے مگر اولاد پیدا نہ ہوں، پہلی صورت کہ جس سے قوت توالد وتناسل ہی ختم ہو جائے، اس کی تو کسی بھی صورت میں اجازت نہیں یہ بالاتفاق ناجائز وحرام ہے، جیسا کہ بہت سی روایات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت کہ جس کا مقصد افزائش نسل کو روکنا ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ آخر اس کا محرک اور داعیہ کیا ہے، اگر وہی ہے جسے بہت ہی قوت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے یعنی معاش کا بحران اور وسائل کا فقدان، تو اس خوف سے شریعت ضبط ولادت کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتی، حضرات صحابہؓ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عمل (عزل) کے بارے میں اجازت طلب کرنا منقول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور اس فعل شنیع کو اپنی اولاد کو زندہ درگور کرنے کے مترادف قرار دیتے ہوئے مزید یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم کچھ بھی کوشش کر لو مگر جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا، جو بچہ پیدا ہونا تقدیر الٰہی میں لکھا جا چکا ہے کہ کسی تجربہ ومشاہدہ کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا، لیکن ایمان ویقین کی دولت سے محروم وہ مدعیان عقل ونظر جو ہر چیز کو اپنے تجربات ومشاہدات ہی پر پرکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور اسی کو کمال تحقیق باور کرتے ہیں، انہوں نے بھی مشاہدہ کرنے کے بعد دل کھول کر اس حقیقت کا برملا اعتراف واقرار کیا کہ تقدیر الٰہی کو کوئی انسانی تدبیر کاٹ نہیں سکتی اور وہ ہو کر رہتا ہے جو فیصلہ خداوندی ہوتا ہے، چنانچہ کمیشن آن اسٹیریلائزیشن نے تو ان الفاظ میں اس کا اعتراف کیا کہ "مانع حمل ذرائع پریشان کن حد تک غیر یقینی ہیں" اور سویڈن میں ڈاکٹر ایکبالڈ کے تجربات سے یہ معلوم ہوا کہ "۴۷۹

خواتین میں سے ۳۸ فی صدی مانع حمل ذرائع استعمال کرنے کے باوجود حمل ٹھہر گیا۔"
ڈاکٹر کلیر فولسم تو اپنی ناکامی کو یوں لکھتا ہے کہ:

"ہمارے پاس آج بھی کوئی ایسا معلوم، آسان، کم خرچ اور غیر مضرت رساں طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ ضبط تولید پر عمل کیا جاسکے"

اہل مغرب کے یہ چند تجربات "مشتے نمونہ از خروارے" نقل کر دیئے گئے ورنہ اس باب میں دفتر کا دفتر بھرا پڑا ہے جو آپ ﷺ کے فرمان کی نہ صرف تائید کرتا ہے بلکہ اس کے مضرات ونقصانات کو بھی عیاں کر رہا ہے۔

ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے

رہا معاش کی تنگی اور وسائل کا فقدان، تو اس سلسلہ میں خود رب کائنات ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ومامن دابة فی الارض الا علی الله رزقها ویعلم مستقرها ومستودعها.الایة

(زمین پر چلنے والی کوئی ایسی مخلوق نہیں ہے جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو وہ ان سب کے ٹھکانے کو بھی جانتا ہے)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے "وکاین من دابة لاتحمل رزقها الله یرزقها وایاکم" (اور کتنے ہی جاندار ہیں کہ اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی دیگا)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے "وجعلنا لکم فیها معایش ومن لستم له برازقین" (اور ہم نے زمین میں تمہارے لئے بھی معیشت کا سامان فراہم کیا ہے اور ان دوسروں کے لئے بھی جن کے رزاق تم نہیں ہو)

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ بنی نوع انسان کو تعلیم دی ہے کہ رزاق میں ہوں، ہر ایک جاندار کو حسب ضرورت رزق پہنچاتا ہوں-- دن رات کے تجربات ومشاہدات بھی یہی بتاتے ہیں کہ رب العزت اپنی مخلوق کو عجیب عجیب طریقہ سے

رزق پہنچاتا ہے، مثلاً کوے کا بچہ جب انڈے سے باہر آتا ہے تو سفید ہوتا ہے، نر اور مادہ دونوں یہ سوچتے ہیں کہ اگر میرا بچہ ہوتا تو ہماری طرح کالا ہوتا بالآخر دونوں اسے کھلانا پلانا چھوڑ دیتے ہیں، دیکھئے! خدا کی قدرت کہ اس کو کس طرح رزق پہنچاتا ہے، وہ منھ کھولتا ہے تو حشرات الارض اس کے منہ میں خود داخل ہو جاتے ہیں، جسے وہ بآسانی اپنا رزق بنالیتا ہے، جب قدرت کا ایک پرند کے بچے کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو کیا وہ انسان کے بچے کو یوں ہی چھوڑ دے گا؟ نہیں ہرگز نہیں! ابھی بچہ ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے مگر اس کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی انتظام کر دیتا ہے۔ ماں کے سینے میں دودھ اتار دیتا ہے جسے بچہ بآسانی اپنی خوراک بنالیتا ہے، یہ معاش کی تنگی کا رونا رونے والے پیٹ کا ذکر تو کرتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ پیدا ہونے والا صرف ایک پیٹ ہی نہیں بلکہ دو ہاتھ دو پیر اور ایک دماغ بھی ساتھ لیکر آ رہا ہے جب پیٹ ضرورت ظاہر کرے گا تو دماغ اس کی راہیں تلاش کرے گا پیر اس کے حصول کے لئے آگے بڑھیں گے اور ہاتھوں کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوگی، مگر افسوس کہ انسان اتنی موٹی اور بدیہی حقیقت کو بھی نہیں محسوس کر پاتا۔

ضرورت ایجاد کی ماں ہے

مذہب اسلام ایک ایسا عالم گیر و ہمہ گیر مذہب ہے کہ اس کا کوئی بھی حکم خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ادنیٰ ہو یا اعلیٰ فطرت سلیمہ اور عقل مستقیم کے خلاف نہیں ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے ذہن کی رسائی وہاں تک ہو یا نہ ہو ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، مگر شریعت کا کوئی بھی حکم عقل سے متصادم نہ ہوگا، جب تحدید نسل از روئے شرع باطل ہونا ثابت ہو چکا تو عقل بھی یہی کہتی ہے کہ معاش کی تنگی کے خوف سے ضبط ولادت کی تحریک نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ قدرت کے کام میں ایک طرح کی ''دخل اندازی'' کے مترادف ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا جب سے قائم ہے ہر زمانے میں وقت اور حالات کے مطابق ضرورت کی تکمیل ہوتی رہی اور حسب ضرورت وسائل پیدا ہوتے رہے، ذرا ماضی کے جھروکے میں جھانک کر تو دیکھئے، معلوم ہوگا کہ ایک وہ زمانہ تھا جب آبادی کم تھی تو وسائل بھی کم تھے جب آبادی بڑھی تو ساتھ ساتھ وسائل بھی بڑھ گئے، نا معلوم کتنی چیزیں ایسی تھیں کہ معلوم ہونے کے باوجود بھی

اس سے نفع نہیں اٹھایا جاتا تھا، مثلاً ہزاروں سال سے لوگ اپنی دیگچیوں پر اڑتی ہوئی بھاپ کو دیکھتے چلے آرہے تھے مگر کسی کا بھی ذہن وہاں تک نہیں پہنچا جہاں تک اس زمانے میں ذہن کی رسائی ہوئی، یہی بھاپ جس کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس زمانے میں کیسے کیسے عظیم الشان کام اس سے لئے جارہے ہیں۔ پیٹرول کا خزانہ موجود تھا مگر اس کی دریافت نہ ہوسکی تھی۔ پہلے زمانے میں لوگوں کو دو وقت کی روٹیاں ملنی مشکل ہوا کرتی تھیں مگر آج شاید ہی ہزاروں میں کوئی ایسا ہوتا ہو جو بن کھائے سوجاتا ہو، عادۃ اللہ کچھ اسی طرح واقع ہے کہ جس چیز کی مانگ بڑھ جاتی ہے تو اس کی پیداوار اسی مقدار بڑھادی جاتی ہے، حلال چیزیں کتنی کثیر مقدار میں خرچ ہوتی ہیں مگر پھر بھی نہایت سہولت اور آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر حلال جانوروں ہی کو دیکھ لیجیے کہ دنیا میں حلال جانور (بکرا بکری وغیرہ) روزانہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ذبح ہوتے ہیں مگر پھر بھی اسی مقدار دستیاب ہوجاتے ہیں، اس کے برخلاف حرام جانور (کتا وغیرہ) اگر ابھی آپ ایک معتد بہ تعداد تلاش کریں (جس کی پیدائش بھی حلال جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے) تو ملنا مشکل ہو جائے گا-- دراصل بات یہ ہے کہ پیدا کرنے والا جانتا ہے کہ ہمیں کتنا، کہاں اور کب پیدا کرنا ہے، وہ بغیر سوچے سمجھے پیدا نہیں کررہا ہے، اگر ایسا ہوتا تو بہت ساری مخلوقات روئے زمین پر ایسی ہیں کہ اگر حقیقتاً صرف اسی نسل کو پیدا کردیا جاتا تو فقط ایک ہی نسل سے ساری دنیا بھر جاتی-- اسٹار مچھلی کا نام سنا ہوگا یہ مچھلی بیس ۲۰ کروڑ انڈے دیتی ہے، ذرا سوچئے کہ اگر صرف اسی مچھلی کی نسل سب کی سب باقی رہ جاتی تو سارا کا سارا سمندر صرف اسی ایک قسم کی مچھلی سے بھر جاتا، دوسری دریائی مخلوقات کو رہنے کی جگہ ہی نہ ملتی مگر وہ جانتا ہے کہ مجھے کتنا پیدا کرنا ہے کتنا باقی رکھنا ہے، کسے کہاں سے رزق دینا ہے اور کسے محروم رکھنا ہے اس کے قبضۂ قدرت میں اگر پیدا کرنا ہے تو مارنا بھی اسی کے اختیار میں ہے-- ضبط ولادت کے ذریعہ بالفرض افزائش نسل کو تو روک لوگے ادھر وہ مارنے والا حوادثات وآفات کے ذریعہ اموات کا سلسلہ جاری رکھے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کی مثال تو ایسی ہی ہوگی کہ آمدنی بند ہو جائے اور خرچ بدستور جاری رہے نتیجہ کیا نکلے گا کہ پونجی بھی ختم ہو جائے گی، اس لئے کہ قدرت سے یہ معاہدہ تو کرنے سے رہے کہ ہم ضبط ولادت کی تحریک شروع کررہے ہیں آپ بھی مارنے کا

سلسلہ موقوف رکھئے۔

ضبط ولادت کے دینی و دنیوی نقصانات

جس چیز کی نہ تو شریعت اجازت دے رہی ہو اور نہ عقل اسے تسلیم کر رہی ہو اس میں خرابیوں کا ہونا اظہر من الشمس ہے، اس میں اول سے آخر تک نقصان ہی نقصان اور خسارہ ہی خسارہ ہوگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھًا بغیر علمٍ و حرموا ما رزقھم اللہ افتراءً علی اللہ. (وہ لوگ ٹوٹے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے بوجھے قتل کیا اور اس نعمت کو جو اللہ نے عطاء کی تھی اللہ پر افتراء باندھ کر اپنے اوپر حرام کرلیا) عقل بھی یہی کہتی ہے اور اہل مغرب کے تجربات بھی یہی بتلا رہے ہیں کہ سب سے بڑا نقصان تو معاشی ہی نقصان ہوگا جس کے سدباب کے لئے یہ سب جھمیلا پھیلایا گیا۔ اور وہ اس طرح کہ اس کے نتیجہ میں نسل انسانی کا توازن ہی بگڑ کر رہ جائے گا کہ بچے کم اور بوڑھے افراد زیادہ ہوں گے اور جب یہ ہوگا تو قدرتی طریقہ سے معاش کی پیداوار متاثر ہوگی اسی بات کو پروفیسر تھامپسن یوں لکھتا ہے کہ:

> "یہ حقیقت (یعنی بوڑھوں کی تعداد کا بڑھنا) بہت معنی خیز اور موثر ہے کیونکہ پیرانہ سال افراد کی زیادتی کے معنی یہ ہیں کہ شرح اموات بڑھے گی اور شرح پیدائش میں کمی ہوگی، نیز بوڑھے لوگ نوجوانوں کے مقابلہ میں معاشی حیثیت سے کم مفید اور پیداآور ہوتے ہیں۔"

اس طرح کے نقصانات کی ایک طویل فہرست ہے مگر ہم یہاں ان سے صرف نظر کر کے صرف چند نقصانات کا سرسری ذکر کرتے ہیں ماننے والوں کے لئے یہی کافی ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے دفتر کا دفتر بے کار ہے۔

مندرجہ بالا معاشی نقصان کے علاوہ جسمانی نقصانات بھی بے شمار ہیں جس سے انسان کے جسم پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے، بالخصوص مزاج میں چڑچڑاپن، بوجھل طبیعت، بے خوابی اور پریشان خیالی، حافظہ کی کمزوری وغیرہ اور کبھی کبھی اس کا نقصان اس خوف ناک حد پہنچ جاتا ہے کہ مراق اور جنون کے خطرات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

خانگی نقصانات سے بھی مفر نہیں اس لئے کہ اولاد ہونے سے والدین میں بہت سے مسائل کے سلجھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بچے کی ضد پوری کرنی پڑتی ہے جسے صبر وتحمل جیسی صفات محمودہ انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں، اولاد نہ ہونے کی صورت میں آدمی کے اندر خود غرضانہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اس کے اندر بس اپنے کام سے کام کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، جو انسان کے لئے سم قاتل سے کم نہیں، اور سب سے بڑی بات یہ کہ کثیر العیال حضرات بے اولاد لوگوں سے زیادہ خوش وخرم زندگی بسر کرتے ہیں اور انہیں اس نعمت سے مستقل محرومی رہتی ہے۔

ان کے علاوہ نسلی نقصان میں اضافہ اس قدر ہوگا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اچھے لوگ کم اور پسماندہ لوگوں کی کثرت ہو جائیگی اس لئے کہ ضبط ولادت پر عمل کرنے والے اکثر و بیشتر اعلیٰ واوسط طبقے کے لوگ ہوتے ہیں جنہیں اپنی زندگی "معیاری" بنانے کا بہت شوق دامن گیر ہوتا ہے، یہ حضرات تو "ہم دو ہمارے دو" میں رہ جائیں گے اور ادھر یہ ہوگا کہ "ہونے دو" یہ صرف ذاتی ہی نہیں بلکہ پوری قوم کو اعلیٰ انسانوں سے محرومی ہوگی جس کا خمیازہ "قحط الرجال" کی شکل میں سبھی کو بھگتنا پڑے گا۔

بس بس ساقی......

برتھ کنٹرول کی پالیسی پر تجربہ کرنے والوں نے تجربہ کر کے دیکھ لیا بالآخر انہیں اس نقطۂ نظر کو تسلیم کرنا پڑا جسے شریعت اسلامی نے آج سے چودہ سو سال قبل بتا دیا تھا۔ معاملہ بالکل برعکس ہو گیا، ٹھوکریں کھانے کے بعد پھر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ بچے پیدا کرنے کی تحریکیں چلائیں، ترغیباتی مضامین واشتہارات کی نشر واشاعت کا سلسلہ جاری کیا، کثیر العیال لوگوں کو زیادہ سے مراعات دینی شروع کیں، ٹیکس معاف اور دوائیں وغذائیں مفت کر دیں، کرایے میں تخفیف اور دیگر وسائل میں مراعات دیں، اٹلی، جرمنی اور دیگر مغربی ممالک کی تازہ مثالیں ہمارے سامنے ہیں، جب انہوں نے ضبط ولادت کے بھیانک نتائج کا بچشم خود مشاہدہ کیا تو وہ تصویر حیرت بن کر رہ گئے اور ان کے دن کا سکون اور رات کی نیندیں حرام ہو گئیں، اور وہ بے ساختہ چیخ پڑے کہ

ع بس بس ساقی اب مت بھرنا لگ گئے ہوش ٹھکانے

حل وتدابیر

مذکورہ بالا سطور سے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ضبط ولادت کی کسی بھی طرح اجازت نہیں تو فطری طور پر یہ سوال بار بار سر ابھارتا ہے کہ پھر آخر "بڑھتی آبادی اور گھٹتے وسائل" کا حل کیا ہے اور کیا کرنا چاہئے! اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو ہم یہ کہیں گے کہ ملک کی پیداوار میں اضافہ کیا جائے، ایسا نہیں کہ ہمارے پاس وسائل نہیں، وسائل موجود ہیں اس میں محنت کی جائے اور بہترین کاشتکاری کی جائے، آج ترقی پذیر ممالک میں محنت کا جذبہ ہے، وہ موجودہ وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں، ہم یہاں "ہفتہ وار ٹائم" میں شائع شدہ ایک مضمون کا اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے پاس وسائل ہیں بس محنت کی ضرورت ہے، مضمون نگار لکھتا ہے:

> "انڈیا اور جاپان کی زرعی پیداوار کی شرح میں جو تفاوت ہے وہ صرف اس لئے کہ جاپان کا کسان کرم خوردوا، بہترین بیج اور زیادہ کیمیائی کھاد استعمال کرتا ہے اور اگر انڈیا بھی انہی جیسے محتاط طریقوں پر عمل کرے تو کوئی وجہ نہیں کی اس کی پیداوار جاپان کی نسبت سے کم رہے۔"

دوسرے یہ کہ حاصل شدہ وسائل کی حفاظت کی جائے، اسراف اور فضول خرچی سے بچا جائے، آج جس طرف نظر اٹھا کر دیکھئے عجب بے راہ روی نظر آئے گی کہ حاصل شدہ وسائل کو کس بے دردی سے خرچ کیا جارہا ہے، فضول اور بے کار کاموں کے علاوہ بے احتیاطی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ "الامان والحفیظ" مثلاً بجلی ہی کو لے لیجیے، کتنی ایسی جگہیں ہیں جہاں اس کی ضرورت نہیں مگر بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے، جہاں ایک بلب کی ضرورت ہے اور ایک بلب سے کام چل سکتا ہے وہاں کئی کئی بلب اور ٹیوب لائٹیں روشن کی جارہی ہیں، کھیلوں کے میدان کو تو بقعہ نور ہی بنایا جاتا ہے، سرکاری دفتروں میں دیکھئے تو حیرت کی انتہاء نہیں رہتی کہ دن میں جب کہ روشنی کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی وہاں دن ہی میں کئی کئی ٹیوب لائٹیں جلتی رہتی ہیں اور خدا کی دی ہوئی اس نعمت کو کس بے دردی سے خرچ کیا جاتا ہے، پھر اس پر یہ رونا رونا اور خدشہ ظاہر کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ:

"مرکزی بجلی اتھارٹی کے اندازہ کے مطابق ۲۰۱۲ تک کام کاج کے اوقات میں بجلی کی مانگ ۱؍لاکھ ۷ ہزار ۷ ۶۴ میگاواٹ تک پہنچ جائے گی جبکہ آج اس کی سپلائی ۹۵ میگاواٹ ہے ۲۰۱۵ تک دہلی میں حالت یہ ہوجائے گی کہ شہر کے ہر حصہ میں روزانہ ۱۰؍ ۱۰ گھنٹے بجلی گل رہا کرے گی۔"

بجلی کا تو مثال کے طور پر ذکر آگیا ورنہ ہماری ناقدری قدرت کے ہر عطیہ کے ساتھ ایسی ہی بے دردی اور فضول خرچی کی ہے، جو ناگفتہ بہ ہے۔ حاصل شدہ وسائل کی حفاظت اگر ہر ہندوستانی اپنا فریضہ سمجھتا تو شاید یہ صورت حال نہ ہوتی۔ اسی کے ساتھ ساتھ وسائل معاش کی صحیح تقسیم کی جائے، یہ لوٹ کھسوٹ جو ہندوستان میں آئے دن مچی ہوئی ہے اس پر قابو پایا جائے۔

منشیات جس کے مضر ہونے میں شاید ہی کسی کا اختلاف ہو خواہ وہ چھوٹے درجے کے ہوں یا بڑے درجے کے، سبھی کے نقصانات ظاہر ہیں آج جس ہندوستان میں بھکمری کا رونا رویا جارہا ہے وہیں منشیات بالخصوص شراب کس فراوانی سے فروخت ہورہی ہے، جو خود پینے والوں ہی کے لئے مہلک نہیں بلکہ سماج پر بھی اس کا برا اثر پڑ رہا ہے، حکومت کو اس پر سخت پابندی لگانا چاہئے مگر تعجب ہے کہ خود حکومت ہی اس کا لائسنس فراہم کرتی ہے اور یہ سرکاری طور پر خوب ٹھاٹ سے فروخت ہورہی ہے، کیا یہ مال کا زیاں نہیں؟ کیا اس کے ذریعہ قوم کو نقصان نہیں؟ کیا یہی رقم جو ان حرام اور لغو چیزوں پر صرف ہورہی ہے اس سے قوم کی تعلیمی حالت درست نہیں کی جاسکتی؟ آخر کب حکومت اس لعنت سے ہندوستان کو نجات دلائے گی؟ کہاں گئے وہ ملک وملت کے ہمدرد جو ملک کے تئیں خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہیں، کیا منشیات کے بارے میں حکومت سے کسی سخت قانون کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا؟

گھٹالوں کی سرزمین

ان کے علاوہ ملک میں رشوت ستانی اور لوٹ کھسوٹ کی جو کیفیت ان دنوں جاری ہے، اس کو لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، اور اب تو لوٹ کھسوٹ کی بات یہاں تک جا پہنچی کہ

ہندوستان ”گھوٹالوں کا ملک“ کے نام سے تعارف کرایا جا رہا ہے۔ ایک روز بی بی سی (لندن) کے اردو نشریات میں کہا جا رہا تھا کہ:

”اب چلتے ہیں گھٹالوں کی سرزمین بھارت کی طرف......“

ملک کے ایک بڑے حلقہ کے بعض افراد نے گھوٹالوں کے ذریعہ ہندوستان کو (جسے کبھی سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا) گھن کی طرح کھوکھلا کر دیا اور مزید دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ سوال ہے ملک کے ان ہی خواہوں سے جو ضبط ولادت کے خلاف سخت قانون کا مطالبہ کر رہے ہیں کیا ان گھوٹالوں کی رقمیں بیرون ہند رکھ کر دوسرے ممالک کے وسائل کو مضبوط نہیں کیا جا رہا ہے؟ کیا ملک کی زبوں حالی کا بس آخری یہی علاج رہ گیا ہے کہ آبادی گھٹاؤ مہم چلا کر ملک میں اک طوفان برپا کر دیا جائے؟ کیا ملک کی سالمیت بس اسی میں مضمر رہ گئی ہے کہ بچوں کو دنیا میں جنم لینے سے روک دیا جائے؟

(مفتاح الخیر جلد ۱/ شمارہ ۳/ ۲۰۰۲ء)

□□□

شب ِبرأت احادیث شریفہ کی روشنی میں

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم. امابعد!

شب ِبرأت کی فضیلت وعظمت احادیث نبویہ علی صاحب الف الف تحیہ سے ثابت ہے۔ پھر بھی بعض لوگ اس کی فضیلت سے یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ جن احادیث شریفہ سے شب ِبرأت کی فضیلت ثابت کی جاتی ہے وہ حدیثیں یا تو ضعیف ہیں یا موضوع، اس لئے ان حدیثوں سے شب ِبرأت کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، اولاً تو یہی محل غور ہے کہ باب شب ِبرأت کی فضیلت میں وارد ہونے والی ساری کی ساری حدیثیں ضعیف ہیں، لیکن، اگر یہ قضیہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی اس کی فضیلت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ احکام (حلال و حرام) کے علاوہ فضائل وغیرہ میں کچھ شرائط کے ساتھ ضعیف حدیثوں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ نیز حضرات محدثین کا اصول ہے کہ اگر ضعیف روایات مختلف سندوں سے مروی ہوں تو حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ کر قابل استدلال ہوجاتی ہیں(۱) (اعلاء السنن، ص ۳۵، ج ۱۹) اور جب کسی ضعیف حدیث پر امت کا تعامل ہوجائے تو صحیح قول کے مطابق اس ضعیف پر عمل کیا جائے گا، یہاں تک کہ متواتر کے درجے میں ہوجاتی ہے، اس سے حکم قطعی کا منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ (فتح المغیث للسخاوی، ص ۱۴۰)

شب ِبرأت کی فضیلت کے ثبوت میں متعدد رسالے اور درجنوں مستقل کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، ان کے علاوہ تحقیقی مقالات ومضامین کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ مثلاً مضمون ''شب ِبرأت'' مولانا نعیم الدین صاحب، ''شب ِبرأت کی حقیقت'' مولانا دلاور حسین کملائی، ''شب ِبرأت اور اس کی حقیقت'' مولانا محمد عبدالحق صاحب مبارکپوری، ''شب ِبرأت کی فضیلت اور اس کا تحقیقی جائزہ'' مولانا محمد اسعد قاسمی اعظمی وغیرہ یہ تحقیقی مضامین طبع ہوچکے ہیں اور مزید ہو رہے ہیں۔

(۱) جبکہ ضعف راوی کے سوئے حفظ کی وجہ سے ہو دیکھئے مقدمہ اعلاء السنن ص ۳۵ و تدریب الراوی ۱/ ۹۰۔

آج کی مجلس میں ہم انہی مذکورہ بالا مضامین کو سامنے رکھ کر ماہِ شعبان المعظم کے مناسبت سے شب براءت کے متعلق چند حدیثیں اور ان کا ترجمہ مع مختصراً تخریج نقل کرتے ہیں، یہاں شب براءت سے متعلق ساری حدیثوں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف دس حدیثیں جو جلیل القدر صحابہؓ سے منقول ہیں نقل کی جاتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شب براءت میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور چند افراد کے سواسب کی مغفرت فرمادیتے ہیں

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ ن الصِّدِّیْقِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ یَنْزِلُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیُغْفَرُ لِکُلِّ شَیْءٍ اِلَّا رَجُلٌ مُّشْرِكٌ اَوْرَجُلٌ فِیْ قَلْبِہٖ شَحْنَآءٌ (۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب آسمانِ دنیا کی طرف نزولِ اجلال فرماتے ہیں اور اس شب میں ہر کسی کی مغفرت کردی جاتی ہے سوائے مشرک کے یا ایسے شخص کے جس کے دل میں بغض ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَیْلَةً فَخَرَجْتُ فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِیْعِ فَقَالَ اَکُنْتِ تَخَافِیْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْكِ وَرَسُوْلُهٗ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَیْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی یَنْزِلُ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ

---

(۱) اخرجه البیهقی فی شعب الایمان رقم ۳۸۲۷، ج۳، ص۳۸۰، شرح السنة للبغوی ج۴، ص۱۲۶۔ قال الهیثمی رواه البزار وفیه عبدالملك بن عبدالملك ذکره ابن ابی حاتم فی الجرح والتعدیل ولم یضعفه وبقیة رجاله ثقات۔ مجمع الزوائد ج۸، ص۶۵۔ وقال المنذری فی ترغیبه رواه البزار والبیهقی من حدیث ابی بکر ن الصدیق رضی الله عنه بنحوه باسناد لا باس به۔ الترغیب والترهیب، ج۳، ص۴۵۹، وقال الالبانی لاباس باسناده سلسلة الاحادیث الصحیحه ج۳، ص۱۳۷۔

شَعْبَانَ اِلٰی سَمَآءِ الدُّنْیَا فَیَغْفِرُ لِاَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ کُلْبٍ۔ (۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس نہ پایا تو میں آپ کی جستجو میں نکلی، کیا دیکھتی ہوں کہ آپ جنت البقیع میں تشریف فرما ہیں۔ آپ نے فرمایا (اے عائشہؓ) کیا تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ خدا اور رسول تم پر زیادتی کر سکتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ کسی دوسری اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں، آپ نے فرمایا بلا شبہ اللہ تبارک وتعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب آسمانِ دنیا کی طرف نزولِ اجلال فرماتے ہیں اور بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کے برابر لوگوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

شب برات میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف نظرِ رحمت فرماتے ہیں جس کی برکت سے سوائے چند افراد کے سب کی مغفرت ہو جاتی ہے

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِہٖ اِلَّا لِمُشْرِکٍ اَوْ مُشَاحِنٍ۔ (۲)

---

(۱) رواہ الترمذی وقال حدیث عائشۃ لانعرفہ الا من ھذا الوجہ من حدیث الحجاج وسمعت محمداً یضعف ھذا الحدیث وقال یحیی بن ابن ابی کثیر لم یسمع من عروۃ وقال محمد والحجاج لم یسمع من یحیی بن کثیر. ترمذی ج۱، ص۱۵۶، وابن ماجہ ص۱۰۰، مسند احمد ج۶، ص۲۳۸، شعب الایمان للبیہقی ج۳، ص۳۷۹، فضائل الاوقات ص۱۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج۲، ص۳۳۷، شرح السنۃ للبغوی ج۴، ص۱۲۶، منتخب مسند عبد بن حمید ص۲۲۴، مشکوۃ ص۱۱۴، قال الالبانی وجملۃ القول ان الحدیث بمجموع ھذہ الطرق صحیح بلا ریب والصحۃ تثبت باقل منھا عدداً مادامت سالمۃ من الضعف الشدید کما ھو الشان فی ھذا الحدیث الخ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج۳، ص۱۳۸، البانی کہتے ہیں: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث ان تمام طُرُق کے سبب بلا شک وشبہ صحیح ہے اور صحت حدیث تو ان طُرُق سے بھی کم سے ثابت ہو جاتی ہے جب تک کہ وہ ضعف شدید سے سلامت رہے جیسا کہ اس حدیث کا معاملہ ہے (کہ اس کا ضعف شدید نہیں ہے لہٰذا یہ تعدد طُرُق کی وجہ سے صحیح ہے)

(۲) ابن ماجہ ص۱۰۱، شعب الایمان للبیہقی ج۳، ص۳۸۲، فضائل الاوقات للبیہقی ص۱۳۲، مشکوۃ ص۱۱۵، قال الالبانی فی تحقیقہ للمشکوۃ باسناد ضعیف فیہ ابن لھیعۃ وھو ضعیف وقد اضطرب فی اسنادہ وفیہ انقطاع ایضاً لما نص علیہ المنذری لکن الحدیث قوی عندی لشواھدہ وقد ذکرتھا فی تعلیقی علی رسالۃ الاخ محمد نسیب الرفاعی فی ھذہ اللیلۃ، مشکوۃ محقق ج۱، ص۲۰۹۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات نظر رحمت فرما کر تمام مخلوق کی مغفرت فرما دیتے ہیں سوائے مشرک اور کینہ ور کے۔

عَنْ مُّعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَطَّلِعُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ إِلَىٰ خَلْقِهٖ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ۔(۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب اپنی مخلوق کی طرف نظر رحمت فرما کر تمام مخلوق کی مغفرت فرما دیتے ہیں سوائے مشرک اور کینہ ور کے۔

عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ "إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اطَّلَعَ اللهُ إِلَىٰ خَلْقِهٖ فَيَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَيُمْلِيْ لِلْكَافِرِيْنَ وَيَدَعُ أَهْلَ الْحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حَتّٰى يَدَعُوْهُ۔(۲)

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب شعبان کی پندرہویں شب ہوتی ہے تو خداوند عالم اپنی مخلوق پر نظر رحمت ڈال کر مسلمانوں کی مغفرت مادیتے ہیں، کافروں کو مہلت دیتے ہیں اور کینہ وروں کو ان کے کینہ کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں تاوقتیکہ وہ کینہ وری چھوڑ دیں۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ "يَطَّلِعُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ

(۱) رواہ البیہقی فی فضائل الاوقات ص۱۱۹. وقال محققہ عدنان عبدالرحمن اسنادہ حسن و رواہ البیہقی فی شعب الایمان ج۳، ص۳۸۲. وقال وقد روینا هذا من اوجه وفی ذالك دلالة على ان للحديث اصلاً من حديث مكحول و رواه ابن حبان فی صحيحه (ج۱۲، ص۴۸۱) وقال محققه شعيب الارنؤوط حديث صحيح بشواهده رجاله ثقات الا ان فيه انقطاعا مكحول لم يلق مالك بن يخامر ورواه الطبرانی فی معجمه الكبير. ج۲۰، ص۱۰۹. وقال محققه حمدی عبدالمجيد السلفی قال شيخنا فی تعليقه على رسالة ليلة النصف من شعبان ص۲. وهو حديث صحيح لشواهده الكثيرة... فهذه الطرق الكثيرة لا يشك من وقف عليها ان الحديث صحيح لاسيما و بعض طرقه حسن لذاته. كحديث معاذ وابی بكر رضی الله عنهما الخ قال الهيثمی رواه الطبرانی فی الكبير والاوسط ورجالهما ثقات. مجمع الزوائد. ج۸، ص۶۵)

(۲) رواہ البیہقی فی فضائل الاوقات ص۱۲۱. وفی شعب الایمان ج۳، ص۳۸۱. وقال وهو ايضا بين مكحول وابی ثعلبة مرسل جيد ورواه الطبرانی فی معجمه الكبير (ج۲۲، ص۲۲۴) وقال محققه قال شيخنا فی ظلال الجنة (۱/۲۲۳) حديث صحيح ورجاله ثقات غير الاحوص بن حكيم فانه ضعيف الحفظ كما فی التقريب فلعله يستشهد به فيتقوى بحديث معاذ و تقدم (۲۰/۲۵۱) وبشواهد المتقدمة وغيرها مما سبقت الاشارة اليه قلت ذكر تلك الشواهد شيخنا فی سلسلة الاحاديث صحيحة. (رقم ۱۱۴۴)

اِلٰی خَلْقِهٖ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهٖ اِلَّا لِاثْنَيْنِ مُشَاحِنٍ وَّقَاتِلِ نَفْسٍ۔"(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شعبان کی پندرھویں شب اللہ عزوجل اپنی مخلوق کی طرف نظر رحمت فرماتے ہوئے سوائے دو شخصوں کے باقی سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں (۱) کینہ ور۔ (۲) کسی کو ناحق قتل کرنے والا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِعِبَادِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ۔"(۲)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سوائے مشرک اور کینہ ور کے باقی سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "يَطَّلِعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی عَلٰی خَلْقِهٖ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ كُلَّهُمْ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ۔"(۳)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شعبان کی پندرھویں شب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مخلوق پر نظر رحمت فرماتے ہوئے سوائے مشرک اور کینہ ور کے باقی سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

---

(۱) مسند احمد، ج۲، ص۱۷۶ وذکره الهيثمي وقال فيه ابن لهيعة وهو لين وبقية رجاله وثقوا۔ مجمع الزوائد ج۸، ص۶۵ وذکر المنذري في ترغيبه (ج۳، ص۳۶۰) وقال رواه احمد باسناد لين۔ قال الباني وهذا اسنادٌ لا بأس به في المتبعات والشواهد۔ قال الهيثمي وابن لهيعة لين الحديث وبقية رجاله وثقوا وقال الحافظ المنذري واسناده لين۔ ولكن تابعه رشدين بن سعد بن حيي به۔ اخرجه ابن حيوة في حديثه فالحديث حسنٌ- سلسلة الاحاديث الصحيحه، ج۳، ص۱۳۶۔

(۲) رواه البزار وقال الهيثمي فيه هشام بن عبدالرحمن ولم اعرفه وبقية رجاله ثقات مجمع الزوائد ج۸، ص۶۵۔

(۳) رواه البزار۔ وقال الهيثمي فيه عبدالرحمن بن زياد بن انعم وثقه احمد بن صالح وضعفه جمهور الائمه۔ وابن لهيعة لين وبقية رجاله ثقات۔ مجمع الزوائد ج۸، ص۶۵۔

شب برأت میں ایک منادی کی نداء

عن عثمان بن ابی العاص عن النبی ﷺ قالِ "اذا کان لیلة النصف من شعبان، نادیٰ مناد، هل من مستغفر فاغفر له؟ هل من سائل فاعطیه؟ فلا یسال احد الا اعطی زانیة بفرجها او مشرك" (۱)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شعبان کی پندرھویں شب میں آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ ہے کوئی معافی مانگنے والا؟ جس کو میں معاف کر دوں، ہے کوئی سوال کرنے والا؟ میں جس کی مرادیں پوری کروں پس اس شب میں ہر مانگنے والے کی (جائز) مرادیں پوری کی جاتی ہیں، مگر زانیہ عورت اور مشرک کی دعا نہیں سنی جاتی۔

شب برأت میں آپ ﷺ قبرستان تشریف لے گئے اور شب بیداری کی

عن عائشه رضی الله تعالی عنها فی حدیث طویل قال رسول الله ﷺ: اتانی جبرئیل علیه السلام فقال: هذه اللیلة لیلة النصف من شعبان ولله فیها عتقاء من النار بقدر شعور غنم کلب، لا ینظر الله فیها الی مشرك ولا الی مشاحن، ولا الی قاطع رحم ولا الی مسبل، ولا الی عاق الوالدین، ولا الی مدمن خمر ثم قال: "وسمعته یقول فی سجوده: اعوذ بعفوك من عقابك، واعوذ برضاك من منك جل و جهك لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك"

فلما اصبح ذکر تهن له فقال: یا عائشة! تعلمتهن: فقلت نعم، فقال: "تعلمیهن علمیهن فان جبرئیل علیه السلام علمنیهن وامرنی ان اردد هن فی السجود. (۲)

---

(۱) هذا حدیث حسن مقبول، اخرجه البیهقی فی شعب الایمان، ج۳، ص۳۸۳، رقم ۳۸۳۶، والسیوطی فی الدر المنثور، ج۶، ص۲۶، وعلی المتقی فی الکنز، ج۱۲، ص۳۱۴، رقم ۳۵۱۷۸، وابن رجب فی الطائف، ص۱۶۱.
(۲) اخرجه البیهقی فی شعب الایمان، ج۳، ص۳۸۳ - ۳۸۵، رقم ۳۸۳۷ وقال "هذا اسناد ضعیف وروی عن وجه آخر" فیقوی به، واورده المنذری فی الترغیب والترهیب فی لیلة النصف من شعبان، ج۲، ص۷۴ وفی صلة الرحم ۱۲۲۳، ۱۲۲، ۲۲۳، ۲۳۹، والسیوطی فی الدر المنثور، ج۶، ص۲۷.

ایک لمبی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ آج شعبان کی پندرھویں شب ہے جس میں اللہ تعالیٰ قبیلہ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے برابر اپنے بندوں کو آگ (یعنی عذاب جہنم) سے نجات فرمادیتے ہیں اور مشرک، کینہ ور، قطع رحم کرنے والے، بدسلوک، غرور سے زمین پر ازار گھسیٹ کر چلنے والے، والدین کے نافرمان، اور ہمیشہ شراب پینے والے کی طرف نظر کرم نہیں فرمائیں گے۔“

اس کے بعد فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو سجدہ میں یہ فرماتے سنا: ”اے اللہ! میں تیرے عفو و کرم کی طلب کے لئے تیرے مواخذہ کرنے سے پناہ مانگتا ہوں، میں تیری رضامندی کے لئے تیری ناخوشی سے پناہ مانگتا ہوں اے اللہ! تیرے جلال و جمال کی قسم میں تیرے ہی پناہ دہی کا خواستگار ہوں اور مجھ سے ویسی حمد و ثنا ناممکن ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔“

صبح کو میں نے آپ سے ان دعاؤں کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”یہ دعائیں یاد کر لیں؟ میں نے کہا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: خود بھی یاد کرلو اور دوسروں کو بھی ان کی تعلیم دو کیونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے ان دعاؤں کی تعلیم دی اور انہیں سجدے میں بار بار پڑھنے کو فرمایا۔“

عن علی بن ابی طالب، قال: قال رسول اللہ ﷺ: "اذا کانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها وصوموا نهارها فان الله ینزل فیها لغروب الشمس الی سماء الدنیا. فیقول: "الا من مستغفر فاغفرله. الا مسترزق فارزقه. الا مبتلی فاعافیه. الا کذا الا کذا. حتی یطلع الفجر." [1]

---

(۱) أخرجه ابن ماجه فی اقامة الصلاة، باب ما جاء لیلة النصف من شعبان رقم ۱۳۸۸، والبیهقی فی شعب الایمان بطریقین یقوی باحدهما الآخر (۳:۳۷۸، ۳۷۹، رقم ۳۸۲۲، ۳۸۲۳) غیر ان فی طریق قال بدل "المبتلی" "الا من سائل فاعطیه الا کذا، حتی یطلع الفجر" وفی طریق آخر قال: "عن محمد بن عبداللہ بنُ جعفر عن ابیه" ولم یذکر علیه واورده الخطیب ایضا فی مشکوة المصابیح ۱:۳۰۹، ۳۱۰، رقم ۱۳۰۸، والمنذری فی

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شعبان کی پندرھویں شب ہو تو رات کو نماز میں کھڑے ہو اور اگلے دن کا روزہ رکھو، اس لئے اس میں اللہ جل شانہ سورج غروب ہو جانے کے بعد آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ ہے کوئی معافی مانگنے والا؟ جس کو میں معاف کردوں، ہے کوئی رزق مانگنے والا؟ جس کو میں رزق عطا کروں، ہے کوئی مصیبت زدہ؟ جسے میں عافیت دوں، اسی طرح طلوع فجر تک فرماتے رہتے ہیں کہ کیا کوئی فلاں چیز مانگتا ہے، کیا کوئی فلاں چیز مانگتا ہے (تاکہ میں اس کی مرادیں پوری کروں)

اللہ رب العزت ہمیں ان حدیثوں کو سمجھنے اور شب برأت کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

(مفتاح الخیر جلد۔ ۳/شمارہ ۲۶/ ۲۰۰۵ء)

□□□

الترغیب الترھیب ۲۴۲:۲، ۲۴۳، والدیلمی فی الفردوس ۲۰۹:۱، رقم ۱۰۰، والقرطبی فی تفسیرہ ۱۲۸:۱۶ عن الثعلبی والالوسی فی روح المعانی ۱۱۱:۲۰، والمتقی فی الکنز ۲۱۳:۱۲، رقم ۲۰۱۸۰ والسیوطی فی الدر المنثور ۲۶:۶، والشرنبلالی فی المراقی ص۲۱۹ وابن رجب فی اللطائف ص۱۹۰۔

مسلک ِ دہ دردہ

معاف کیجئے گا، مسلک ِ دہ دردہ کہہ کر میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ کوئی ایسا محدود مسلک ہے، جس کے حدود اربع صرف دس بائی دس ہی ہوں، یہ تو ایک تعبیر ہے، جس سے یہ سمجھانا ہے کہ اس مسلک میں جو بھی گر پڑے یا کسی اور مسلک کا آدمی اس مسلک میں لڑھک آئے، تو گرنے والا بھی اور جو اس میں گرے وہ بھی، دونوں پاک! اس لئے میں نے دہ در دہ کا جملہ استعمال کیا، خیر! اگر یہ عنوان آپ پر گراں بار ہو تو آپ ایک سادہ سا نام اس کا "گلابی مسلک" رکھ لیجیے، مجھے تو اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے کہ یہ مسلک بڑا سدا بہار مسلک ہے، اس پر کبھی خزاں آتا ہی نہیں یا یوں کہیئے کہ یہ موسم ِ "خزاں" میں جاتا ہی نہیں، اس مسلک کا باغ ہمیشہ سرسبز شاداب ہی رہتا ہے۔

گاؤں میں جمعہ مذہب اسلام کے خلاف نہیں!!!

ایک روز اسی مسلک کے ایک صاحب ملے، باتوں باتوں میں گاؤں میں جمعہ کی بات نکل آئی انہوں نے راقم سے مسئلہ معلوم کیا راقم نے گاؤں میں جمعہ کے عدم جواز کا مسئلہ بتایا، تو کہنے لگے واہ صاحب واہ! اگر گاؤں میں جمعہ پڑھنا اتنا ہی ناجائز ہے، تو امام شافعیؒ نے جنگل میں جمعہ پڑھنے کی اجازت کیوں دی؟ احقر نے عرض کیا وہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے، حنفیہ کے یہاں اجازت نہیں۔

راقم کے فتوے کے بعد موصوف نے بڑے معقولانہ انداز میں ایک تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "گاؤں میں جمعہ پڑھنا مسلک حنفی کے خلاف ہو، تو ہو، مگر مذہب اسلام کے خلاف نہیں، اس لئے کہ اگر مذہب اسلام کے خلاف ہوتا تو امام شافعیؒ گاؤں میں جمعہ پڑھنے کی اجازت ہرگز ہرگز نہ دیتے اور آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت پوری دنیا کی نگاہ بد مذہب اسلام کو تہو تاز کرنے پر لگی ہوئی ہے، اور آپ ہیں کہ مسلک حنفی کو لئے پھر رہے ہیں، اس لئے وقت کا تقاضہ ہے کہ اس وقت گاؤں میں جمعہ پڑھا جائے۔"

ان باتوں کے علاوہ گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے اور بہت سے منافع شمار کرائے،

بظاہر ان کی تقریر دل پذیر نہایت معقولانہ تھی میں نے کہا مولانا! بس کیجیے۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا

کار طفلاں تمام خواہد شد

اگر آپ کی یہی دلیل ادلہ اربعہ کے قائم مقام ہے تو پھر مسالک کا جھگڑا آج ہی سے ختم، اور صرف ایک جمعہ ہی کیا سارے مسائل مختلف فیہا میں اسی طرح کرلیا جائے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ کوئی حنفی، حنفی رہ جائے گا، اور نہ شافعی، شافعی اسی کو احقر مسلک دہ دردہ کہا کرتا ہے۔

باغباں بھی خوش رہے......

بعض حضرات جو اپنے کو مسلکی اعتبار سے حنفی یا شافعی ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں وہ بھی مسلک دہ دردہ کے کسی نہ کسی طرح شکار ہیں، ان حضرات کی ایک معقولی دلیل یہ ہے کہ جو بات نص صریح سے ثابت ہو اس میں تو متصلب رہنا چاہیے، اور اس کے برعکس میں متساہل ہونا چاہیے، ایک دن اسی مسلک کے ایک مولانا صاحب کا بیان ایک صاحب نے سنایا، مسئلہ گستاخ رسول کی سزائے قتل کا تھا، انہوں نے نہایت معقولی انداز میں فرمایا کہ قتل جیسی عقوبت کے لئے نص صریح کی ضرورت ہے، اس لئے کہ عقوبات میں نص صریح لازمی ہے، تو عقوبت جتنی بڑی ہوگی دلیل بھی اتنی ہی قوی ہونی چاہیے، گستاخ رسول یا شاتم رسول کے لئے کہیں بھی قرآن مجید میں نہیں آیا ہے "من شتم رسولکم فاقتلوہ" کہ جو شخص تمہارے رسول کو گالی دے تو تم اس کو قتل کردو، بات بظاہر بہت معقول تھی بعض پڑھے لکھے حضرات بھی اس سے متاثر ہوئے، میں نے عرض کیا کہ اگر یہی بات ہے اور ادلہ اربعہ میں صرف قرآن ہی نص ہے، تو ماتم ہے ایسی عقل پر اور افسوس ہے ایسے لوگوں پر، جو یہ چاہتے ہیں کہ ع

باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

چوں چوں کا مربہ

ان کے علاوہ ایک گروہ ان لوگوں کا بھی ہے۔ جو یقیناً ہر اعتبار سے اپنے مسلک میں متصلب ہوتے ہیں، مگر ہوتے ذرا "گلابی مسلک" کے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ جو چیز قرآن و حدیث، قیاس اور اجماع امت سے ثابت ہے ان میں تو کسی طرح کی لچک یا مداہنت جائز

نہیں، اور جو غیر منصوص ہیں ان میں تسہیل رکھنی چاہئے، جیسے اجرت تراویح، شادی بیاہ میں جہیز و بارات، یا فوٹو گرافی وغیرہ وغیرہ۔

اس ذہنیت کے لوگ اس چور دروازے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دوسرے میں ایسا گڈمڈ ہو جاتے ہیں کہ جہاں پہنچ کر دیوبندیت، بریلویت میں اور سنیت، شیعیت میں ضم ہو کر رہ جاتی ہے، پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ کس مسلک کے ہیں، اس طرح کے لوگ ایسا چوں چوں کا مربہ بن جاتے ہیں کہ ان کی شناخت و تعیین ہی مشکل ہو جاتی ہے -- ان حضرات کا اصل نعرہ بزبان حالی یہ ہوتا ہے کہ ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

یعنی اقبال کے نظریہ کے بالکل برعکس کہ ع

زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

مگر ڈر لگتا ہے......

صحیح بات تو یہ ہے کہ مسلک دہ دردہ میں مزا بھی ہے اور غذا بھی، جی تو چاہتا ہے کہ میں بھی اپنا نام اسی مسلک کے اسکول میں لکھوالوں مگر ڈر لگتا ہے کہ کہیں آخرت میں یہ نہ کہہ دیا جاؤں کہ "اذھبتم طیبتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا. فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق و بما کنتم تفسقون" (الاحقاف/ ۲۰) یعنی تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے ہو، اور ان سے متمتع ہو چکے ہو، سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے، یہ اس کی سزا ہے کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے، اور اس کی حکم عدولی کیا کرتے تھے۔

بہر حال! عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ مسلک (یعنی دس بائی دس والا) کہ جس کی وسعت کنار ناپید سمندر کی طرح ہے، بہت مزے دار مسلک ہے، اس میں لوگ دھڑا دھڑ داخل ہو رہے ہیں، بعض حضرات جو روشن خیال ہیں اس دہ دردگی کو سیکولرزم کا خوشنما عنوان دیتے ہیں، اور وقت و حالات کو بہانہ بنا کر اس کو بہت ضروری گردانتے ہیں، مگر ہمارے کچھ شریعت پسند علماء نہ جانے کیوں اس سے چڑھن کرتے ہیں اور بہت باوثوق ذرائع سے یہ خبر ملی ہے کہ حضرت اکبر بھی انہیں دقیانوسی علماء کے ساتھ ہیں۔

ع مگر وہ کب تک اور ان کی رباعیاں کب تک

باب دوم

ندائے اسلام

- مدیران دینی جرائد سے چند ضروری باتیں
- مفتاح الخیر کے تین سال!
- چمن بچاؤ غم آشیاں کا وقت نہیں
- پھونکو سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
- کیا اب بھی نہ جاگو گے؟

مدیران دینی جرائد سے چند ضروری باتیں

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

خالقِ کائنات، مالکِ موجودات اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

(تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو) (بیان القرآن)

تحریر کے ذریعہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

حق تعالیٰ نے اس آیت میں امت محمدیہ کی بعثت کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ اس مضمون کی اور بھی دوسری آیتیں ہیں جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دی گئی ہے اور اس کے کرنے والوں کو سراہا گیا ہے۔

اللہ رب العزت کے اس فرمان کے پیش نظر حق تعالیٰ کے ترجمان جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اسی امر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: "من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہٖ فان لم یستطع فبلسانہٖ فان لم یستطع فبقلبہٖ وذالك اضعف الایمان" (مسلم شریف، ص ۵۱، ج ۱)

یعنی تم میں جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اپنے ہاتھ سے اس کو بدل دے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے کہے اور اگر اسکی بھی قدرت نہ رکھتا ہو، تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے آخری درجہ ہے۔

آقائے مدنی ﷺ کے اس فرمان عالی شان سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر حسب استطاعت امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے۔ اس لئے بہر صورت ہاتھ، زبان اور قلب

سے اس کی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔
قوت تحریر بھی ایک طاقت ہے، بقول حضرت حکیم الامتؒ:

قلم زبان کے حکم میں ہے

''کسی بات کا قلم سے لکھنا بعینہ وہی حکم رکھتا ہے جو زبان سے کہنے کا ہے، جس بات کا زبان سے ادا کرنا ثواب ہے اس کا قلم سے لکھنا بھی ثواب ہے۔ اور جس کا بولنا گناہ ہے، اس کا قلم سے لکھنا بھی گناہ ہے بلکہ لکھنے کی صورت میں ثواب یا گناہ میں ایک زیادتی ہو جاتی ہے، کیوں کہ تحریر ایک قائم رہنے والی چیز ہے۔ مدتوں تک لوگوں کی نظر سے گذرتی رہتی ہے، اس لئے جب تک وہ دنیا میں موجود رہے گی اور لوگ اس کے اچھے یا برے اثر سے متاثر ہوتے رہیں گے، اس وقت کاتب کے لئے اس کا ثواب یا عذاب جاری رہے گا۔'' (بیاض اشرفی ص ۱۰۲)

بہر حال اگر قوت تحریر کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے استعمال کیا جائے اور اسے اس مقصد کے لئے کام میں لایا جائے، تو معاشرے میں اس کے ذریعہ بہت کچھ سدھار و نکھار پیدا کیا جا سکتا ہے اور اس کے توسط سے امت کا بہت کچھ بھلا ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاک طینت بندوں نے ہر دور اور ہر زمانے میں اس کا اہتمام کیا کہ ہر ممکن اسباب و ذرائع سے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا جائے، چنانچہ جس دور میں جو بھی ذرائع ابلاغ رائج تھے، اس کے استعمال کرنے میں جبہ برابر دریغ نہ فرمایا۔ خود نبی پاک ﷺ کے زمانے میں جو ذرائع ابلاغ رائج تھے، آپ نے بھی وہی طریقہ اپنایا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا ذرائع ابلاغ

آپ ﷺ کے زمانے میں یہ رواج تھا کہ کسی کو جب اپنا پیغام پہنچانا ہوتا یا کسی خطرے سے آگاہ کرنا ہوتا تو برہنہ ہو کر پہاڑ پر جاتا اور وہاں سے آواز لگا کر سب کو جمع کرتا جب سب جمع ہو جاتے تو وہ اپنا پیغام پہنچاتا، آپ ﷺ نے بھی یہی طریقہ اپنایا مگر ان کی طرح

برہنہ نہیں ہوئے، بلکہ کپڑے پہن کر فطرت کے تقاضے کو باقی رکھتے ہوئے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور پکارا:

"یا معشر القریش!... لو اخبریکم ان العدو یصبحکم او یمسیکم اما کنتم تصدقونی، قالوا بلی قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید." (بخاری شریف، ج ۲،ص ۷۰۸)

(اگر میں تمہیں خبردار کروں کہ دشمن تم پر صبح و شام میں حملہ کرنے والا ہے، تو کیا تم مجھے سچ مان لو گے؟ لوگوں نے کہا ہاں! (بے شک ہم آپ ﷺ کو سچ مان لیں گے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) تو میں تم لوگوں کو سامنے آنے والے شدید عذاب سے ڈراتا ہوں)

ہر زمانے کے رائج میڈیا کا استعمال کرنا چاہئے

معلوم ہوا کہ ہر زمانے کے ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنا کوئی معیوب بات نہیں، مگر ان میں سے وہی چیزیں لی جائیں گی، جو جائز ہوں گی، ان جائز چیزوں کا استعمال نہ صرف عین ثواب بلکہ "-- الحکمة ضالة المومن، فحیث وجدھا فھو احق بھا" (ترمذی شریف، ص ۹۳، کتاب العلم باب ۱۹) کے تحت ایک مومن کا حق ہے، مگر ان میں جو چیزیں شریعت سے متصادم ہوں گی ان کے استعمال سے نہ صرف گریز بلکہ بچنا واجب ہوگا-- بالکل اسی طرح آج کے ذرائع ابلاغ کا بھی حکم ہے، اس میں جو چیزیں اچھی ہیں ان کو اپنانا نہ صرف محمود بلکہ ضروری ہے اور جو چیزیں خلاف شرع ہیں ان سے بچنا از حد ضروری۔

ذرائع ابلاغ غیروں کے نرغے میں

آج صحافت اور ذرائع ابلاغ کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جن کو نہ صرف اسلام اور مسلمانوں سے سخت نفرت و بیر ہے بلکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی فکر میں ایک دقیقہ بھی فروگزاشت نہیں کرتے، وہ مسلمانوں کے خلاف ہر وقت کچھ نہ کچھ سازشیں رچتے رہتے ہیں، زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح انھوں نے ذرائع ابلاغ میں بھی اپنی تخریب کاری جاری رکھی اور باقاعدہ پروپیگنڈہ کے تحت کچھ نام نہاد مسلمانوں کی ایک کھیپ تیار کر دی۔ جنھیں دین و ایمان سے برگشتہ کر کے روشن خیالی کے تمغہ سے سرفراز

کیا گیا جو مسلمان ٹھیٹھ دین واسلام پر عمل کرنے والے ہیں۔ اپنے تشخص وامتیاز کو باقی رکھنا چاہتے ہیں، ان پر "بنیاد پرستی" اور "دقیانوسیت" کا لیبل لگا کر ہر طرح سے بے حیثیت کرنے کے لئے قسم قسم کی سازشیں کی گئیں اور کی جارہی ہیں۔ ان کے خلاف لفظ "بنیاد پرست" اس قوت کے ساتھ استعمال کیا گیا کہ یہ لفظ پوری دنیا میں تنزلی کی علامت اور ترقی کی راہ میں روڑا سمجھا جانے لگا۔ تعجب تو اس پر ہے کہ دنیا کی ساری قومیں، سارے مذاہب کے لوگ، اپنے اپنے مذہب پر شدت کے ساتھ عمل پیرا ہیں، مگر ان کے لئے نہ تو بنیاد پرستی کا لیبل، نہ دقیانوسیت کا تمغہ، لیکن اگر ایک مسلمان اپنے دین ومذہب میں پختہ بن جائے، شریعت کے ہر حکم پر عمل پیرا ہو جائے، تو "بنیاد پرست"، "دقیانوس" اور اس طرح کے نہ معلوم کیسے کیسے نازیبا القاب لگا کر ان کو مطعون کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر دین وشریعت پر عمل پیرا ہونا ہی "بنیاد پرستی" ہے تو ہم کو نہایت فخر ومسرت سے یہ کہنا چاہئے کہ ہاں! "ہم بنیاد پرست ہیں اور تازندگی بنیاد پرست رہیں گے۔"

ہمارے قلم کار احساس کمتری کے شکار

لیکن نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ کچھ نام نہاد مسلمانوں نے یہ لعن وطعن سنتے سنتے بالآخر اس کا اثر قبول ہی کرلیا اور انھیں بھی مغربی طرز کا روشن خیال بننے کا شوق چرایا، ان کو اپنی ترقی اہل مغرب کی تقلید میں نظر آنے لگی اور وہ بھی عیش وعشرت، دنیا کی محبت اور فلاح آخرت سے غفلت کی وجہ سے اپنے آپ کو انھیں میں سمونا شروع کردیا، ان کی نقل کو اپنے لئے باعث فخر سمجھنے لگے، اور اس کے جواز میں وہی حالات زمانہ، وہی مال ودولت کی طلب، وہی زمانے کا رنگ ڈھنگ، چلتی ہوا کے رخ پر بہنا اور یہ کہنا کہ دنیا میں ایسا ہی ہو رہا ہے تو ہم اس کی مخالفت کیونکر کرسکتے ہیں، پھر اس کی مخالفت کرکے ہم زندہ بھی رہ پائیں گے یا نہیں؟ اس خیال اس سوچ نے انھیں بھی اسی رخ پر بہا دیا جدھر دنیا بہہ رہی تھی، انھوں نے اپنی سلامتی اسی میں سمجھی کہ

ع چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

سوال یہ ہے کہ کیا یہ اعتراف شکست نہیں؟ کیا یہ احساس کمتری نہیں؟ اور پھر یہ ایک

صاحب ایمان کے لئے درست بھی ہے یا نہیں؟

ہم کو تو حالات کے طوفان بلاخیز کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے تھا، چلتی ہوا کا مردانہ وار مقابلہ کرتے، رہا یہ خیال کہ ہم اس وقت ہوا کے رخ کو کیونکر موڑ سکتے ہیں؟ یہ محض خام خیالی ہے، مسلمانوں کی تاریخ شاہد اور واقعات گواہ ہیں کہ انھوں نے بگڑے ہوئے سماج کا مزاج بدل دیا، دریاؤں کا رخ موڑ دیا، انسانیت کو سیدھی راہ دکھائی، زمانے کی صحیح رہنمائی فرمائی، بگڑے ہوئے معاشرے اور ماحول کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے، بلکہ اسے خود رام کرلیا اور خود معاشرے نے مجبور ہو کر ان جیالوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، ہمارے اسلاف و اکابر نے ہر طرح حالات کا مقابلہ کیا گو اس مقابلہ میں انھیں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، مگر انھوں نے ہر محاذ پر سینہ سپر ہو کر حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انجام کار وقت کے مزاج کو بدلا اور زمانے کو چیلنج دے کر یہ ثابت کر دیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وقت کا تقاضہ ہے، حالات کی مجبوری ہے، اس لئے زمانے کے ساتھ مل کر چلو، وقت کی آواز میں آواز ملاؤ۔ یہ نہایت کم ہمتی اور کم حوصلگی کی ہے بات ہے، اسی نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال صاحب کہتے ہیں ۔

حدیث کم نظراں ہے "تو با زمانہ بساز"
زمانہ با تو نہ سازد، تو با زمانہ ستیز(۱)

ذرائع ابلاغ کی اس گھنگھور گھٹا صحافت کی زہریلی فضا اور میڈیا کے پرفریب ماحول میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت کی کچھ امیدیں دینی جرائد ورسائل کی شکل میں نظر آتی ہیں، مگر یہ اس وقت، جب ہمارے مضمون نگار حضرات اور مدیران تحریر یہ تہیہ کرلیں کہ ہمیں اپنی تحریر کے ذریعہ امت کو صحیح راستے پر لانا ہے، ملت کو بدکرداری سے بچانا ہے، شرک و بدعت کی دلدل میں پھنسے انسانوں کو صحیح راہ دکھانا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا ہے۔ تو بہت کچھ اس ستم رسیدہ قوم کے درد کا درماں اس تحریر کے ذریعہ ہو سکتا ہے اور نونہالان امت صحیح راستے پر آسکتے ہیں۔

(۱) اقبال کا یہ شعر "نقوش اقبال" صفحہ ۱۰۴ سے لیا گیا ہے۔ کلیات اقبال میں کم نظراں کی جگہ بے خبراں ہے۔

آج کی مجلس میں ہم اسی پیغام کو لے کر اصحاب قلم اور مدیران تحریر کی خدمت میں حاضر ہیں، اس امید کے ساتھ کہ میری اس گزارش کو صدا بصحرا سمجھ کر نا قابل التفات نہ سمجھا جائے گا، بلکہ گوش حق نیوش سے سن کر روبعمل لایا جائے گا۔

مسلمانوں کی صحافت خالص دینی ہونا چاہئے

ہمارا یہ صحافتی نظام خالص دینی، اسلامی، ایمانی اور احسانی ہونا چاہئے۔ جس سے فقط خدمت دین مقصود ہو نہ کہ محض مضمون نگاری اور انشاء پردازی۔ غالباً ہمارے اس مقصد سے ذہول ہی نے ہمیں مغربی مفکرین اور مضمون نگاروں کے طرز عمل کو اپنانے پر مجبور کر دیا، ان کی نقالی ہی نہیں بلکہ ان کی نقل پر ہم اس قدر فریفتہ ہوئے کہ اپنی اسلامی اقدار بھول کر اپنے مقالات و مضامین میں بسم اللہ یا حمد وصلوٰۃ لکھنا چھوڑ دیا، مسلمانوں کی اس غفلت اور اہل مغرب کی تقلید کو دیکھتے ہوئے نہایت درد وتڑپ کے ساتھ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ لکھتے ہیں:

> ''دنیا نے نیا رنگ وروپ بدلا، نئی تعلیم آئی، نئی تہذیب چلی، مگر وہ ایسے لوگوں کی طرف سے آئی جن کے یہاں خدا ہی کا کوئی تصور نہیں، ان کے کسی کام کی ابتداء بسم اللہ سے کیوں ہوتی؟ ان کی تقریر، تحریر بھی اس نور و برکت سے محروم ہیں، افسوس کی چیز ہے کہ مسلمانوں نے اور چیزوں میں تو ان کی نقل اتاری ہی تھی، اس غفلت مجرمانہ میں بھی انہیں کی تقلید کرنے لگے، تقریر، تحریر کو بسم اللہ اور خطبہ مسنونہ سے شروع کرنا دقیانوسیت اور ملائیت کی علامت قرار دے دیا، جو ان کے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے۔'' (جواہر الفقہ، ص ۱۲، ج ۵)

ہر مسلمان کا یہ دینی و اسلامی فریضہ ہے کہ وہ اپنے ہر چھوٹے بڑے عمل میں آپ ﷺ کے اسوہ کو دیکھے اور اسے حرز جان بنائے۔ جب ہم نے اس باب میں آپ ﷺ کا طریق تلاش کیا تو ہمیں آپ ﷺ کی کوئی تقریر وتحریر ایسی نہیں ملتی جس میں آپ نے حمد و صلوٰۃ یا بسم اللہ نہ پڑھا، یا نہ لکھا ہو، آپ ﷺ نے اپنی ہر بات کی ابتداء خداوند قدوس کے نام سے فرمائی۔ ایک حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا "کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم اللہ فھو اقطع" (یعنی جو معتد بہ کام بسم اللہ سے شروع نہ کی جائے وہ بے برکت ہے)

چنانچہ آج کل اکثر دینی رسالوں میں دیکھا جاتا ہے کہ مضمون شروع کرنے سے پہلے نہ حمد وصلوٰۃ لکھا جاتا ہے اور نہ بسم اللہ ہی تحریر کیا جاتا ہے۔ البتہ بعض رسالوں میں دیکھا گیا کہ بجائے عربی میں بسم اللہ یا حمد وصلوٰۃ لکھنے کے اردو میں اس کا ترجمہ یا اس کے مناسب کوئی شعر لکھا جاتا ہے۔ خیر یہ بھی غنیمت ہے نہ لکھنے سے بہتر ہے مگر زیادہ بہتر تو اپنی اصلی زبان عربی ہی میں حمد وصلوٰۃ یا بسم اللہ لکھنا ہے۔

بعض حضرات حمد وصلوٰۃ یا بسم اللہ مرقوم نہ کرنے کی یہ تاویل کرتے نظر آتے ہیں کہ ہم لکھتے وقت پڑھ لیتے ہیں گو یہ بھی جائز و درست ہے، مگر تحریر میں تحریر کرنا ہی اولیٰ و افضل ہے-- اور اسی طرح حتی الامکان اپنے مضمون کی شروعات کسی آیت مبارکہ یا احادیث نبویہ سے کرنا چاہیے۔

انگریزی الفاظ شوق سے لکھیے مگر......

بعض مضمون نگار حضرات اپنے مضمون اور مقالے میں انگریزی الفاظ اس قدر بے تحاشہ استعمال کرتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا گمان ہوتا کہ جیسے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر الفاظ لائے گئے ہوں اور جو کچھ دو چار الفاظ حافظہ میں موجود تھے سارے کے سارے اسی مضمون میں انڈیل دیئے گئے ہیں، الفاظ کی آمد نہیں بلکہ آورد معلوم ہوتی ہے جو اکثر قارئین کے سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اولاً تو اردو مضمون میں اس طرح انگریزی الفاظ استعمال کرنا ہی صحیح نہیں۔ گو بعض حضرات کو یہ کہتے سنا گیا کہ یہ اردو زبان ہے، اس میں ہر زبان کی آمیزش ہے، اس لئے انگریزی الفاظ کا استعمال اردو زبان میں نہ صرف اردو کی ترقی بلکہ اردو ادب کو آراستہ و پیراستہ کرتا ہے۔ تو ہر خادم اردو کا اولین فریضہ ہے۔

اولاً تو یہ قضیہ ہی تسلیم نہیں، اس لئے کہ خود اردو کے ادباء و فصحاء ہی اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اردو ادب میں مرزا ہادی رسوا کا نام کون نہیں جانتا، ان کا مقام ادیبوں میں کیا ہے یہ اہل ادب سے پوچھیے! مختلف ادیبوں کے باضابطہ استاذ اور نامعلوم کتنے ادیبوں نے ان سے ادب کا گُر سیکھا، بڑے بڑے ادیبوں نے ان کے ادب کا لوہا مانا اور ان کے ادب کو سراہا ہے۔ وہ اپنے ایک افسانے میں ادیبوں کے لئے زبان و ادب سے متعلق کچھ ہدایتیں لکھتے ہیں، خود انھیں کی زبان سے سنئے! وہ کہتے ہیں:

"لکھئے تو اس طرح لکھئے کہ جس طرح ہم آپ باتیں کرتے ہیں، نہ کہ اس عبارت میں، جو کسی انگریزی کتاب کا لفظی ترجمہ معلوم ہو اور وہ بھی ایسا کہ مطلب دل میں اور لفظیں کتاب میں، میں انگریزی لفظوں سے چڑھتا نہیں ہوں، شوق سے استعمال کیجیے۔ مگر وہی لفظیں جو اردو زبان میں ایسی کھپ گئی ہیں کہ اب ان کو سب سمجھنے لگے ہیں۔ خیر "ناول" بھی چنداں ثقیل نہیں ہے، قیامت خیز تو یہ لفظیں ہیں ڈیڈی کیشن، انٹروڈکشن، ایسوسی ایشن، سوسائٹی سوشل ریفارم، پولیٹیکل پارٹی، اسٹڈی، ڈیوٹی، بیوٹی، یہ لفظیں ابھی اور لوگوں کو بولنے دیجئے اور آپ اتنے عرصے تک توقف کیجیے کہ مثل بوتل، کاگ، گلاس، لمپ، پادری، گرجا، اسٹیشن، ریل وغیرہ کے عام فہم ہو جائیں۔" (انشاء ماجد، ص ۱۸۲)

چونکہ ادب اور اہل ادب سے متعلق بات چل پڑی اس لئے ایک ادیب کا قول بطور تمثیل پیش کر دیا، ورنہ ہمیں اس کی چنداں ضرورت نہیں، ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اور اب بھی کہہ رہے ہیں کہ ہمارا یہ صحافتی نظام برائے خدمت دین ہے، نہ کہ خدمت ادب، برائے ادب، ہمیں اپنا پیغام پہنچانا ہے، اپنے تشخص کو برقرار رکھنا ہے، ہمارے روزمرہ کی بول چال تقریر و تحریر میں کیسے الفاظ ہونے چاہئیں سنئے! حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں:

"لوگ الفاظ کو معمولی چیز سمجھتے ہیں، حالانکہ الفاظ بڑی چیز ہیں۔ انہی سے نکاح ہوتا ہے اور انہیں سے ٹوٹ جاتا ہے۔ الفاظ ہی سے آدمی مسلمان سمجھا جاتا ہے اور الفاظ ہی سے کافر ہو جاتا ہے۔ شریعت میں الفاظ کا اس درجہ اہتمام ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لایقولن احدکم خبثت نفسی ولیقل لقست نفسی" یعنی اگر کسی کو متلی ہو تو یوں نہ کہے کہ میری طبیعت بری ہے، بلکہ یوں کہے کہ میری طبیعت مالش کرتی ہے یا مجھے متلی ہو رہی ہے، کیونکہ مسلمان کی طبیعت بری نہیں ہو سکتی، جس کے پاس ایمان کی دولت ہے وہ کسی حال میں برا نہیں، تو دیکھئے حضور ﷺ نے معمولی معمولی باتوں میں بھی رعایت الفاظ کی تاکید فرمائی ہے تو الفاظ بہت بڑی چیز ہیں۔ حضور ﷺ کی حسن تعلیم کو ملاحظہ فرمائیے کہ آپ فرماتے ہیں: "لایغلبنکم الاعراب علی اسم العشاء الآخرۃ وکانوا یسمونها العتمۃ (او کما قال)" مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عشاء کے وقت

کو عتمہ کہا کرتے تھے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جہلائے عرب اس لفظ میں تم پر غلبہ نہ کرنے پائیں کہ تم بھی ان کی طرح عشاء کو عتمہ کہنے لگو۔"

(العلم والعلماء، ص ۱۳۰)

ہمارے اکابر کی زندگیوں میں ان باتوں کا کتنا پاس ولحاظ تھا اس کا اندازہ حضرت شیخ الہند ؒ کے ایک واقعہ سے لگائیے، جسے حضرت حکیم الامت ؒ نے نقل فرمایا ہے کہ "جب حضرت مولانا محمود حسن ؒ مالٹا سے تشریف لائے تو بمبئی بندرگاہ پر استقبال کرنے والوں کا ایک گروہ موجود تھا، حضرت کے ساتھ دیگر لیڈران بھی موجود تھے، جس وقت موڑ چلا تو ایک دم اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔ اس کے بعد گاندھی جی کی جے، محمد علی اور شوکت کی جے اور مولانا محمود حسن کی جے کے نعرے بلند ہوئے۔ حضرت نے شوکت علی کا دامن پکڑ کر کہا۔ یہ کیا؟ اس پر شوکت علی نے کچھ خیال نہ کیا، حضرت نے دوبارہ سختی سے فرمایا کہ اس کو بند کرو، اس پر شوکت علی نے کہا کہ حضرت جے کے معنیٰ فتح کے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو (اللہ اللہ کی جگہ) رام رام کہا کرو اور جو کچھ بھی ہو یہ شعائرِ کفر ہے۔"

(مستفاد از الافاضات الیومیہ، ص ۲۵۵، ج ۶)

دیکھئے صرف جے کے لفظ ہی کا تو تلفظ کیا جا رہا تھا، مگر حضرت شیخ الہند کی ایمانی غیرت نے اس کو سننا گوارا نہ کیا اور کس سختی سے منع فرمایا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ ہمارے اکابر و بزرگان دین محض الفاظ کے استعمال کا کس درجہ خیال رکھتے تھے اور اپنے تشخص کی صیانت کا کس قدر اہتمام فرماتے کہ ہندی یا انگریزی الفاظ کے تلفظ سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ذی روح کی تصویر کشی اسلامی صحافت کے منافی ہے

ذی روح کی تصویر کشی اور اس کی اشاعت مطلق حرام ہے، گو دور حاضر کی صحافت کا یہ جزو لازم بن چکا ہے اور اس کی بڑی اہمیت بیان کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک مفتی صاحب صحافت سے متعلق اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"کیمرہ کی زبان کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ تصویر پر ایک نظر ڈالنے کے

بعد واقعہ کی حقانیت پر جتنا جلد یقین ہو جاتا ہے، اگر پچاس آدمی بھی بیک زبان کوئی اطلاع دیں تو واقعہ کی صداقت پر اتنا زیادہ اطمینان نہیں ہوسکتا۔"

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"بیٹے کی ہلاکت پر ایک غمزدہ ماں کی جو صورت حال ہوتی ہے اس کی صحیح عکاسی اور اس کے جذبات و احساسات کا اظہار ایک ہزار الفاظ کے ذریعہ بھی اتنا نہیں ہوسکتا جتنا ایک تصویر کے ذریعہ ممکن ہے۔"

ان باتوں سے ہماری صحافت کا کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، ہاں! غیر ذی روح کی تصویر کشی اور اس کی اشاعت جائز ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر ذی روح کی تصویر کشی اور اس کی اشاعت بالکل حرام ہے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل اس باب میں اتنا توسع ہو گیا ہے کہ اس کی شناعت وقباحت ہی لوگوں کے دلوں سے نکلتی جارہی ہے۔ میں نے خود دیکھا کہ اصلاح معاشرہ کا جلسہ ہو رہا ہے اور اس میں باقاعدہ تصویر کشی ہو رہی ہے، بڑے بڑے ثقہ حضرات تشریف فرما ہیں اور باقاعدہ ویڈیو کیمرہ چل رہا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر رہبران قوم وملت کو کیا ہو گیا ہے، اور اس گناہ پر اتنے دلیر کیوں ہوتے جارہے ہیں؟

چند سال قبل ایک ماہنامہ دیکھا، ماہنامہ دہلی سے شائع ہوتا ہے۔ علماء کی ایک تنظیم کا ترجمان ہے، اس رسالے کو دیکھ کر حیرت واستعجاب کی انتہا نہ رہی سرورق ہی پر بڑے بڑے علماء کی تصویریں ہیں۔ خود ماہنامہ کے نگراں صاحب اور ایک بڑے ادارے کے شیخ الحدیث صاحب کو بھی تقریر کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

حیرت تو اس پر ہے کہ نہ معلوم یہ نازیبا حرکت، دیدہ ودانستہ کی گئی یا غیر دانستہ طور پر از خود ٹائٹل پر طبع ہو گئیں، بہر حال جیسے بھی ہوا، غلط ہوا-- ذی روح کی تصویر کشی سے متعلق ایک نہیں درجنوں کتابیں اس موضوع پر لکھی جاچکی ہیں۔ طرح طرح کے اشکالات بھی کئے گئے ،اس کے جوابات بھی دیئے جاچکے ہیں، ان کو پڑھئے، سمجھئے اور لوگوں کو سمجھائیے۔

مومن صحافیو! تمہاری صحافت کی ترقی کا زینہ وہ نہیں جس پر غیر چڑھ کر بظاہر کامیاب ہوتے نظر آرہے ہیں، تمہاری ترقی تو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو بجالانے میں ہے گو بظاہر تنزلی نظر آئے مگر حقیقتاً ترقی وہی ہے۔

تعبیر کی غلطی

اسی طرح آج کل صحافی لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب کسی معروف آدمی کی موت پر اداریہ لکھتے ہیں، تو یوں کہتے ہیں کہ موت نے ہم سے ایک ایسی شخصیت کو جدا کر دیا جس کی اس وقت ہمیں زیادہ ضرورت تھی، اس طرح کے الفاظ لکھنا شرعاً صحیح نہیں، بہت سے آزاد قلم تو یہاں تک لکھ جاتے ہیں کہ قدرت کے سفاک ہاتھ نے ہم سے فلاں شخص کو چھین لیا یہ تو کلمۂ کفر ہے، مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاو قدر پر راضی رہے اور تعلیمات اسلامیہ کی حدود سے باہر نہ نکلے، فرحت و مسرت رنج و الم ہر حالت میں، بندہ احکام خداوندی کا پابند ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوگئی، تو آپ نے فرمایا: "ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون" (بیشک آنکھ اشکبار اور دل رنجیدہ ہے اور ہم بس وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اور اے ابراہیم! بلاشبہ ہم تمہاری جدائی سے غمگین ہیں) معلوم ہوا کہ طبعی رنج ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر دل سے راضی رہے، کوئی کلمہ ایسا نہ کہے جو خداوند قدوس کی ناراضگی کا سبب بنے۔ (ماخوذ از مضمون مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ)

صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ رمز کا استعمال صحیح نہیں ہے

ایک مرض یہ بھی عام ہوتا جا رہا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ ۷۸۶ اور حضور اقدس ﷺ کے اسم گرامی پر صلوٰۃ وسلام کے بجائے صرف (ؐ) کا نشان بنانے پر اکتفا کیا جاتا ہے، جو شرعاً اور اخلاقاً بالکل غلط ہے۔ جہاں صفحات کے صفحات اور پوری کتاب لکھ رہے ہیں، وہاں صیغۂ صلوٰۃ وسلام لکھنے میں کتنی جگہ اور کتنا وقت صرف ہو جائے گا، دراصل یہ سرکار دو عالم ﷺ سے محبت کی کمی کی بات ہے، جو مکروہ اور سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔

معارف السنن میں ہے:

اور جو لوگ لفظ "صلعم"، صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لکھتے ہیں یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔

التدریب ص ۱۵۴ میں ہے-- لکھتے وقت ان دونوں میں (صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ "

اور تعالیٰ کی جگہ تعہ) کا رمز استعمال کرنا مکروہ ہے، خواہ ایک حرف سے ہو یا دو حرفوں کیساتھ جیسا کہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ) صلعم لکھتے ہیں، بلکہ ان دونوں (صلوٰۃ وسلام اور کلمہ تقدیس واجلال) کو پورا پورا لکھنا چاہیے۔

کہا گیا ہے کہ جس شخص نے اس رمز کو ایجاد کیا تھا اس کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔

علامہ عراقی الفیہ میں لکھتے ہیں۔

واجتنب الزمز لها والحذفا　　　منها صلاة اوسلاما تكفى

''یعنی رمز اور حذف سے اجتناب کرو خواہ مختصر ہی لفظوں سے ہو صلوٰۃ وسلام پورے واضح طور پر بھیجو۔''

حضرت علامہ سخاویؒ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جیسا کہ کسائی اور اکثر جہلاء وابناء عجم اور عام طلبہ کرتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے ''ص'' یا ''صم'' یا ''صلم'' یا ''صلعم'' لکھتے ہیں، اس میں نقص کتابت کی وجہ سے نقص اجر ہو جاتا ہے، اس لئے خلاف اولیٰ ہے۔''

حضرت علامہ کشمیریؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے بھی اس پر تشنیع نقل فرمائی ہے۔'' (دیکھئے معارف السنن، ص ۲۹۳، ج ۴، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

درود شریف لکھنے کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی کتاب پر میرا نام لکھے فرشتے اس وقت تک لکھنے والے پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر کسی کتاب میں درود لکھے اس وقت تک اس کو ثواب ملتا رہے گا جب تک میرا نام اس کتاب میں رہیگا۔

بہر حال حضور اقدس ﷺ کے نام نامی اسم گرام کے ساتھ واضح طور پر پورا پورا درود و سلام لکھنا اور پڑھنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ امت پر رسول اللہ ﷺ کا حق ہے، نہ پڑھنے کی

صورت میں دین رہے گا، جس کی قضاء ضروری ہوگی۔ مزید تفصیل کے لئے حضرت مولانا عبدالغفور اثری صاحب کی تصنیف احسن الکلام فی الصلوٰۃ والسلام علی النبی خیر الانام کے صفحہ ۱۳۴ تا ۱۴۰ پر ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے

یہ چند باتیں عرض کر دیں، طوالت کا خوف دامن گیر ہے، ورنہ اور بھی کچھ عرض کرتا، انشاء اللہ پھر کسی مجلس میں عرض کروں گا۔ اگرچہ آج کی مسموم فضاء میں اس کی پذیرائی کی امید بہت کم ہے اور عجب نہیں کہ ان باتوں کو معمولی سمجھ کر درخور اعتنا ہی نہ سمجھا جائے، اور اس موضوع پر قلم اٹھانے کو بیکار وعبث سمجھا جائے، مگر سچ یہ ہے کہ دینی غیرت رکھنے والوں کو غور و فکر کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ باتیں کتنی اہم اور غیر معمولی ہیں۔ آج گناہوں کی کثرت نے ہمارے دلوں سے گناہ کی قباحت وشناعت کو ہی نکال دیا ہے اور گناہ کا احساس نکل جانا ایک بدترین گناہ ہے۔ اس دور میں دنیا کا پیام تو کچھ اور ہی ہے، اہل صحافت کچھ اور ہی سبق پڑھا رہے ہیں، مگر جن کے اندر امت کا درد، دین کی تڑپ اور اسلامی غیرت ہے، وہ وہی چودہ سو سال پرانی تعلیمات پر زور دے رہے ہیں، اسی زمانے کے طریق کار لانے کی فکر میں ہیں، وہ امت کی کامیابی اسی پرانی تعلیمات میں سمجھتے ہیں، ان کی دنیا الگ، ان کا انداز نرالا، ان کے پیغامات جدا اور ان کے خیالات الگ۔ بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم۔

اوروں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(مفتاح الخیر جلد ۲ شمارہ ۱۱۔۱۲ سنہ ۲۰۰۴ء)

اندیشہ: اس وقت ایک خوفناک منظر دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں کی تحریریں تو کفر آمیز شائع ہو رہی ہیں اور کافروں کی تحریریں اسلام کی مدح میں شائع ہو رہی ہیں، گویا بعضے مسلمان تو کفر کی طرف بڑھ رہے ہیں اور کفار اسلام کی طرف، اس حالت کو دیکھ کر سخت اندیشہ ہے کہ جب یہ دونوں جماعتیں اپنی اپنی سرحد پر پہنچ چکیں تو ایسا نہ ہو کہ وہ تو کفر سے نکل کر مسلمان ہو جائیں۔ اور یہ اسلام سے نکل کر کافر ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ)

(حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

مفتاحُ الخیر کے تین سال

یہ اداریہ اگرچہ مفتاح الخیر سے متعلق شکایتی خطوط کے جواب میں لکھا گیا تھا، لیکن چونکہ اس مضمون میں بعض باتیں ایسی بھی آگئی ہیں جن پر بھی دینی رسالوں کو عمل پیرا ہونا چاہئے اس لئے افادۂ عام کے پیش نظر اس مضمون کو شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (نعیم)

''مفتاح الخیر'' اس شمارے کے ساتھ اپنی زندگی کے تین سال پورے کر کے چوتھے سال میں قدم رکھ رہا ہے، گذشتہ تین سال کی مدت اور اپنی ناقص کارکردگی کو دیکھتا ہوں تو سر ندامت سے جھک جاتا ہے، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی ستاری کو دیکھتا ہوں تو سر نیاز شکر سے خم ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ''مفتاح الخیر'' کا اشاعتی سفر جس بے سروسامانی کی حالت میں شروع کیا تھا، اس حالت کو اور اس کی اشاعت کے تین سال کی مدت کو دیکھتا ہوں تو بے ساختہ زبان پر شکر کے کلمات جاری ہو جاتے ہیں، ان تین سالوں میں یقیناً ہم سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہوئی ہیں، جنھیں قارئین مفتاح الخیر نے برضاء وخوشی برداشت کرلیا، گو بعض حضرات نے شکایتیں بھی کیں مگر وہ لوگ بہت ہی قلیل ہیں، البتہ ان شکایت کرنے والوں میں بعض کی شکایتیں ایسی تھیں جس سے ''مفتاح الخیر'' کے اغراض و مقاصد پر ضرب پڑتی ہے۔

بعض قارئین کو یہ شکایت ہے کہ ''مفتاح الخیر میں حالات حاضرہ سے متعلق علمی و تحقیقی مقالات و مضامین شائع نہیں کیے جاتے'' اس شکایت سے قبل سب سے پہلے وہ حضرات یہ سمجھ لیں کہ ''مفتاح الخیر'' کا بنیادی و کلیدی مقصد اسلام کی تعلیمات کو عام کرنا اور دین بالخصوص تصوف پر ہونے والے حملوں کا علمی طور پر دفاع کر کے اسلامی تعلیمات و احکامات کی صحیح

تصویر پیش کرنا ہے، ''مفتاح الخیر'' ہی کیا بلکہ ہر دینی رسالے کا یہی رخ اور مزاج ہونا چاہئے۔ بالخصوص مدارس اسلامیہ سے نکلنے والے جرائد و رسائل کیسے ہونے چاہئیں اس کی کچھ جھلکیاں دیکھنے کے لئے دیکھئے ''مفتاح الخیر'' جمادی الاولیٰ و جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ کا اداریہ ''مدیران دینی جرائد سے چند ضروری باتیں'' اس میں کچھ شبہ نہیں کہ خود ہمارے ملک سے بے شمار دینی رسائل نکل رہے ہیں اور ان رسالوں میں بھی ہر رسالے کا رنگ جدا اور مزاج الگ ہے۔ چنانچہ ع ''ہر گلے را رنگ بوئے دیگر است'' کے تحت ''مفتاح الخیر'' کا بھی اپنا ایک الگ رنگ اور جدا مزاج و مذاق ہے۔ اسی لئے اس کے اداریہ میں ہمیشہ اس بات کا خیال و لحاظ رکھا جاتا ہے کہ خالص دینی ضروریات پر مبنی اداریہ لکھا جائے۔ گو بعض احباب کو اس پر بھی اشکال ہے کہ ''مفتاح الخیر'' کا اداریہ خشک اور ''چبایا'' ہوا ہوتا ہے، لہٰذا مدیر تحریر کو اداریہ لکھنے کے فلاں فلاں رسالے کو آئیڈیل بنانا چاہیے'' مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دین کے خلاف یا شریعت حقہ سے ہٹ کر تو کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں! اگر ہم دینی ضروریات پوری کرنے میں ناکام ہیں تو خوب شوق سے ہمیں مشورہ دیا جائے اور اس کی طرف متوجہ کرایا جائے۔ اس صورت میں ہم نہ صرف یہ کہ آپ سے اتفاق کریں گے بلکہ ہم آپ کے تہہ دل سے شکر گزار بھی ہوں گے۔ اور رہی بات حالات حاضرہ کی، ایوان حکومت تک بات پہنچانے کی یا ارباب سیاست کو کچھ سمجھانے یا اصلاح و مشورہ دینے کی تو ازراہِ کرم ہمیں کو ہی اس کا مکلف نہ بنایا جائے، بلکہ ہمیں تو بس اپنے دینی بھائیوں کی خدمت کرنے دیا جائے اور اپنا پیغام انہیں تک پہنچانے دیا جائے، رہا یہ کہ یہ ضرورت کیسے پوری ہو؟ اولاً تو ہر قسم کی ساری ذمہ داریاں ''مفتاح الخیر'' ہی پر عائد نہیں ہوتیں اور پھر بہت سارے رسالے اس ضرورت کو پورا بھی کر رہے ہیں اگر ان رسالوں سے بھی پوری طرح مقصد حاصل نہ ہو پا رہا ہو تو ہر شخص اپنی ذاتی طور پر خود مختار ہے، کم از کم ہمیں تو چوں چوں کا مربہ نہ بننے دیا جائے۔

مضامین کا چبایا ہوا، ہونے کا اشکال اور اسکا جواب

بعض کرم فرماؤں نے یہ بھی شکایت لکھی ہے کہ ''مفتاح الخیر'' میں حضرت حکیم الامت ؒ اور مسیح الامت ؒ کے مطبوعہ مضامین کی کثرت ہوتی ہے، اس طرح مفتاح الخیر اپنے

دامن میں خشک اور شائع شدہ مضامین لیئے ہوئے ہوتا ہے۔ نیز اکثر مضامین پرانے اور گھسے پٹے ہوتے ہیں۔۔۔اس قسم کی شکایات کے جواب میں ان حضرات سے میری مؤدبانہ درخواست ہے کہ اگر آپ کی طرف سے حضرت حکیم الامت ؒ یا حضرت مسیح الامت ؒ کے غیر مطبوعہ مضامین دفتر مفتاح الخیر کو موصول ہوں اور ہم نہ شائع کریں تو یقیناً ہم خطاوار ہیں اور رہی بات مضامین کا گھسا پٹا اور پرانا ہونا، تو مضامین سب قرآن وحدیث ہی کے ہوتے ہیں اور چودہ سو سال سے اسی کو مسلسل چھاپا جا رہا ہے، اب ہم کہاں سے غیر چھاپا ہوا، نئے اور انوکھے مضامین لا سکتے ہیں، اسی بات کی اصلاح فرماتے ہوئے حضرت حکیم الامت ؒ نے فرمایا:

> ’’غرض تیرہ سو برس پہلے سب احکام نازل ہو چکے ہیں، تو اب کوئی مضمون فی نفسہٖ نیا نہیں، البتہ غفلت اور عدم استحضار کی وجہ سے ان میں بعض نئے اور انوکھے معلوم ہوتے ہیں اور سلامتی کی بات بھی یہی ہے کہ نیا مضمون بیان نہ کیا جائے، کیوں کہ اب نیا وہ ہوگا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہ ہوا ہو، نہ حقیقتاً نہ حکماً، بلکہ محض رائے سے گڑھا گیا ہو اور یہی تو بدعت ہے، جو قابل ترک ہے۔‘‘
>
> یہ میں نے اس لئے کہا، کہ بعض لوگ نئے مضامین کے مشتاق ہوا کرتے ہیں، سو خوب سمجھ لیجیے کہ جو مضمون وجود اور وقوع کے اعتبار سے نیا ہو وہ قابل ترک ہے اور جو استحضار کے اعتبار سے نیا ہو کہ اب تک اس کی طرف سے غفلت تھی، وہ البتہ قابل اشتیاق ہے۔‘‘ (دعوت وتبلیغ ص ۱۴۴)

بہر حال ہم ایسی شکایتوں پر کان نہیں دھرتے اس لئے کہ ہمارے اغراض ومقاصد ہی میں ان دونوں اکابر کے مضامین کو شائع کرنا ہے۔

تسہیل کی بھی ایک حد ہوتی ہے

بعض دوستوں نے از راہِ محبت یہ بھی شکایت لکھی ہے کہ حضرت حکیم الامت ؒ کے مواعظ کی تسہیل کر دیا جایا کرے تو کیا مضائقہ ہے اس کے جواب میں اولاً تو ہم حضرت حکیم الامت ؒ ہی کا وہ ملفوظ جسے حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی ؒ نے نقل فرمایا ہے، سنائے دیتے ہیں وہ یہ کہ:

فرمایا کہ لوگ مواعظ کی تسہیل کی کوشش کر رہے ہیں، مگر تم سے کہتا ہوں کہ میرے جو الفاظ ہیں وہ منجانب اللہ القاء ہوتے ہیں تو جو اثر ان الفاظ میں ہے، وہ ان کی تسہیل میں نہ ہوگا۔ (روایت مفتی محمد ارشد صاحب مدظلہ استاذ جامعہ ہذا)

اس کے علاوہ ہم وہ الفاظ یا اصطلاحات جو بہت ہی زیادہ ادق ہیں اس کی تسہیل حاشیہ یا قوسین میں کر بھی دیتے ہیں اب ہم ان کی بھی ہندی کی چندی تو کرنے سے رہے، پھر بعض الفاظ خاص اصطلاحی ہوتے ہیں ان اصطلاحات کو تو بہر حال اسی طرح سمجھنا ہوگا۔ کیا نہیں دیکھتے کہ دنیاوی قوانین میں بھی اپنے اصطلاحات ہی کو استعمال کیا جاتا ہے نافہم اور جاہل کے واسطے ان اصطلاحات کی تسہیل نہیں کی جاتی بلکہ اس کا مکلف کیا جاتا ہے کہ وہ ان کے جاننے والوں یعنی وکلاء سے معلوم کریں مثلاً کورٹ کچہری ہی کے اصطلاحات اور قانونی الفاظ کو دیکھ لئے جائیں۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا

تحریر اور مضمون نگاری سے متعلق آج کل یہ مرض عام ہوتا جارہا ہے کہ مضمون پر جوش الفاظ، بلیغ تعبیرات، دلکش تشبیہات اور رنگین عبارات کے ساتھ لکھے جائیں۔ جس میں اکثر مضمون نگار حضرات الفاظ ہی میں کھو کر رہ جاتے ہیں اور مزا کام و دھن تک ہی محدود ہو کر رہ جاتا ہے، مفتاح الخیر کا مقصد صرف کام و دھن ہی کو سرشار کرنا نہیں بلکہ اندر تک غذا فراہم کرنا ہے۔ دل کے دریچے کھولنا اور شریعت کی باتوں کو قارئین کے دلوں میں بٹھانا ہے۔ اس لئے مفتاح الخیر کے مضامین لفظی کھلواڑ اور انشائی ہفوات سے منزہ اور پاک ہوتے ہیں۔ ہاں! یہ بات الگ ہے کہ مضمون لکھتے وقت اگر بلا کوشش و کاوش الفاظ کی آمد ہو جائے کہ جس سے اپنی بات خوبصورت انداز اور اچھے اسلوب میں کہی جاسکے کہ جس سے شریعت مطہرہ کی تعلیمات کا حسن دو آتشہ ہو جائے تو یہ مثل سونے پر سہاگہ کے ہے، مگر اسی کو مقصود بنا کر الفاظ ہی میں الجھے رہنا کم از کم مفتاح الخیر کے بس سے تو باہر ہے، ہمارے پیش نظر عملی ضروریات کو معیار بنانا ہے اور الحمد اللہ مفتاح الخیر کا کوئی بھی مضمون اس سے فروتر نہ ملے گا۔ خدام مفتاح الخیر اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ کسی بندۂ خدا کو مفتاح الخیر کو عمل

پہنچا یا نہیں، خوفِ آخرت اور جذبہ ایمانی میں کچھ حرارت پیدا ہوئی یا نہیں!

بفضلہ تعالیٰ دفتر مفتاح الخیر کو ایسے خطوط و تاثرات بھی ملتے ہیں جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ فلاں فلاں کو مفتاح الخیر کے فلاں مضمون سے یہ عملی فائدہ پہنچا۔ فللّٰہ الحمد والشکر۔

اس لئے اگر کسی صاحب کو مفتاح الخیر کے مضامین روکھے پھیکے معلوم ہوں اور ان کے ذوق کے مطابق اس میں ادبی چاشنی نہ ملے، تو برائے کرم وہ ہمیں معاف رکھیں، مفتاح الخیر اپنے اندر کتنی ادبیت رکھتا ہے اس سے سروکار نہیں، ہم ادب اور اہل ادب سے صرف اتنا تعلق رکھتے ہیں کہ ہماری بات آپ سمجھ لیتے ہیں یا نہیں اگر ہم اپنے مافی الضمیر کے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو خوب شوق سے ہمیں مشورہ دیجیے۔آپ کا مشورہ تہہ دل سے قبول ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں صدق واخلاص، للہیت اور استقامت کے ساتھ ''مفتاح الخیر'' کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے ذریعہ امت مسلمہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔آمین ثم آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(مفتاح الخیر جلد ۳ رشمارہ ۱۹/۲۰ ؍سنہ ۲۰۰۵ء)

□□□

''چمن'' بچاؤ، غم آشیاں کا وقت نہیں!

آقا مدنی ﷺ نے صحابہؓ کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ:

''میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری امتیں اس پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دسترخوان پر ٹوٹتے ہیں، تو (حاضرین صحابہؓ میں سے) کسی نے عرض کیا کہ جس زمانے کا آپ ﷺ حال بیان فرمارہے ہیں، اس زمانہ میں کیا ہم مسلمان اتنی کم تعداد میں ہوں گے کہ ہم کو نگل لینے کے لئے قومیں متحد ہو کر ٹوٹ پڑیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! اس زمانہ میں تمہاری تعداد کم نہ ہوگی بلکہ تم بہت بڑی تعداد میں ہو گے، لیکن تم سیلاب کی جھاگ کی طرح ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمن کے سینہ سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں پست ہمتی گھر کر لے گی، تو ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ پست ہمتی کس وجہ سے آجائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ تم (آخرت سے محبت کرنے کے بجائے) دنیا سے محبت کرنے لگو گے اور (خدا کی راہ میں جان دینے کے آرزو کے بجائے) موت سے بھاگنے لگو گے۔''

امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

آج ہماری نگاہیں، اس نبوی ﷺ پیشین گوئی کو حرف بحرف پورا ہوتے دیکھ رہی ہیں۔ اس وقت مسلمان ہر طرف سے حیران و پریشان ہیں اگر سیاسی طور پر کافر طاقتیں اسے نیست و نابود کرنے کی فکر میں ہیں، تو معاشی طور پر یہ امت تمام وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود آج دوسروں کی دست نگر بنی ہوئی ہے، اگر اخلاقی اعتبار سے اس نے اپنے سارے اوصاف گم کر دیئے ہیں، تو علمی طور پر اس پر پے بہ پے گوناگوں حملے ہو رہے ہیں،

جس کے دفاع کی سکت اپنے اندر نہ پا کر بوکھلاہٹ کا شکار ہیں اور ذہنی طور پر یہ کسی دوسرے راستے کی تلاش میں سرگرداں ہیں، ان سارے فتنوں میں پھنسا ہوا مسلمان آج بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح اپنی منزل کی تلاش میں ہے، جس کا کبھی ایک شاندار مستقر اور پائیدار پناہ گاہ ہوا کرتی تھی۔

اس وقت لوگوں کی زبانوں پر یہ الفاظ بار بار آرہے ہیں کہ آخر ہماری دعائیں کیوں نہیں سنی جارہی ہیں؟ کیا مسلمانوں کی سننے والا کوئی نہیں؟ کیا مسلمانوں کا یارومددگار کوئی نہیں؟ کیا مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا جائے گا؟ یہ اور اس طرح کی دوسرے بے تکی باتیں غایت پریشانی وحیرانی کی وجہ سے لوگوں کی زبانوں پر آرہی ہیں۔ اضطراب و بے چینی کی یہ کیفیت ہے کہ جدھر جائیے جنگی ہولناکی کی داستان سننے کے ساتھ لوگ یہ کہتے بھی نظر آرہے ہیں کہ آخر اب ہم کیا کریں؟ اور کس طرف جائیں؟ کسے دیکھیں؟ کسے آواز دیں؟

صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرو

مسلمانو! تمہارے ان سارے مسائل کا حل آج سے چودہ سو سال قبل بتایا جاچکا ہے، اسی نسخہ کو اب تک استعمال کیا جاتا رہا، حضرات صحابہؓ نے اسی نسخہ سے استفادہ کرکے دنیا و آخرت میں سرخ روئی حاصل کی تھی اور وہ ہے "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" (مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ) اور یہ اب تک کا تجربہ ہے کہ مصیبت کی گھڑی میں صبر اور نماز ہی دو ایسے طریقے ہیں، جن کو اختیار کرکے ہم اللہ کی مدد و نصرت کے حقدار بن سکتے ہیں، مسلمانو! اس قرآنی نسخہ کو مذاق نہ سمجھو! کرکے تو دیکھو! فائدہ نہ ہو، تب کہنا! اور دوسرا نسخہ ہے: "استعینوا باللہ واصبرو" (باری تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور صبر و استقامت سے جم کر حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرو) ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین" (یقیناً ساری زمین اللہ کی ہے، وہ جس کو چاہے اس کو اس زمین کا وارث و مالک بنائے گا اور یہ بات متعین ہے کہ انجام کار، کامیابی پرہیزگاروں کو ہی حاصل ہوتی ہے)

اللہ رب العزت کے اس فرمان کی روشنی میں آج ہم اپنا محاسبہ کریں کہ ہماری پرہیزگاری کا کیا حال ہے؟ دین سے دوری اور دنیا سے رغبت کا تو اب بھی یہ حال ہے کہ اس

وقت جب کہ ہم اسلام کے خلاف حملوں کی زبانی مذمت کر رہے ہیں اور اس صورت حال سے بظاہر پریشان بھی ہیں، مگر ہم اب بھی رجوع الی اللہ نہیں کرنا چاہتے، چاہیے! تو یہ تھا کہ اس وقت ہماری مسجدیں بھر جاتیں، توبہ واستغفار کی کثرت ہوتی، مگر ہم ہوٹلوں میں بیٹھ کر خبروں پر تبصرے تو کر رہے ہیں؛ لیکن مسجد تک جانے کی ہمت نہیں کرتے ہیں، جو پہلے نمازی تھے وہی اب بھی ہیں اور وہ بھی صرف مسجد اور نماز تک ہی محدود ہیں، معاملات ان کے ٹھیک نہیں، کاروباران کے پاک وصاف نہیں، زبان سے اسلام کے نام لیوا ہیں، مگر دل میں اسلام کا نام ونشان تک نہیں!!! فیاللعجب

مسلمانو! یہ حالات آج کوئی نئے نہیں، ملت اسلامیہ پر ماضی میں اس سے بھی سخت ترین زمانے گذرے ہیں، خود انبیاء علیہم السلام اوران کے پیروں کو بھی ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا، بہت سے مقام پر ناکامی کا بھی منھ دیکھنا پڑا تھا، صرف ناکامی ہی نہیں، بلکہ اس قدر جھنجھوڑ دیئے گئے کہ وہ چیخ پڑے اور گھبرا کر کہنے لگے کہ: متی نصر اللہ آخر اللہ کی مدد کب آئے گی؟ مگر انجام کار کیا ہوا؟ کیا اسلام مٹ گیا؟ کیا اللہ کا نام ختم ہوگیا؟ نہیں! ہاں! اتنا ضرور ہوا کہ خواب خرگوش میں مبتلا حکمراں مٹے، ممالک اسلامیہ مٹ گئے، سلطنتیں نیست و نابود ہوگئیں، مگر اسلام باقی رہا، اسے جتنا تراشہ گیا یہ اتنا ہی ہرا ہوتا گیا۔ ایام گذشتہ کی طرح آج بھی ایک وقت آیا ہے انشاء اللہ یہ بھی رفع ہوجائے گا۔ حالات سے گھبرا کر ہتھیار ڈالنا، تنگ دل اور مایوس ہونا، صبر وسکون کا دامن چھوڑنا، شوروغوغہ مچانا، جواں مردوں کا کام نہیں، یہ حالات تو تمہارے درجات بلند کرنے اور تمہیں اونچا اڑانے ہی کے لئے ہی تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا کرتے ہیں۔

بقول علامہ اقبال: ؎

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا، اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے

ایسے حالات میں زیادہ حیران و پریشان نہیں ہونا چاہیے، دین خدا کا ہے اس نے

اپنے دین کی ذمہ داری خود لے رکھی ہے، وہ حافظِ حقیقی ہے، اس نے پہلے بھی حفاظت کی اب بھی کرے گا اور آئندہ بھی کرتا رہے گا ہمیں تو بس اپنے اعمال کی طرف متوجہ ہونا چاہیے توبہ واستغفار کرنا چاہیے، اور قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ دربارِ الٰہی میں گڑگڑا کر دعائیں مانگنا چاہیے۔

مگر افسوس! اس وقت جب کہ ہم اپنے کو ہر گام پر ناکام ہوتا پا رہے ہیں، اب بھی ہماری آنکھیں نہیں کھل رہی ہیں، دین سے دوری وبے اعتنائی جیسے پہلے تھی ویسے ہی اب بھی ہے، کیا ہم میں کوئی ایسی مثال پیش کر سکتا ہے کہ ایسے حالات میں بھی کوئی بے نمازی، نمازی بنا ہو کسی ڈاڑھی منڈانے والے نے ڈاڑھی منڈانے سے توبہ کی ہو؟ یقیناً ہمیں اسکا جواب نفی ہی میں ملے گا، جب اب بھی ہماری یہی حالت ہے، تو چیخ و پکار، آہ و بکاء سے کیا فائدہ؟ یارو! کیا اب بھی خواب گراں سے بیدار نہ ہو گے، اب بھی رجوع الی اللہ نہ کرو گے، یہ آلام ومصائب جو درحقیقت تمہارے لئے الارم ہیں کیا اب بھی نہ جاگو گے؟ اگر نہیں! تو پھر یقین کر لیجیے اور اس سے بدترین دن دیکھنے کے لئے تیار ہو جائیے -- بے شک دین تو اللہ کا ہے اسلام تو مٹے گا نہیں، وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا، پر یہ عین ممکن ہے کہ کہیں تم نہ مٹ جاؤ اور یاد رکھو! کہ اگر اب مٹے تو پھر مٹنے کی بھی حد ہو جائے گی، مٹو گے بھی تو پھر اس طرح مٹو گے کہ: ع

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

مسلمانوں اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

مسلمانو! خدا کے واسطے، خبروں پر تبصرے کرنا بند کرو، اپنی اور اپنی اولادوں کو دیکھو اور انکے شب و روز کے معاملات کا جائزہ لو، کام میں لگو اور عمل کے واسطے تیار ہو جاؤ، دین محمدی ﷺ کی پاسبانی کے لئے متحد ہو جاؤ، صرف زبانی جمع خرچ چھوڑ دو، عمل کر کے دکھاؤ اور نبیِ پاک ﷺ کے لگائے ہوئے اس چمن کو بچاؤ، بین الاقوامی معاملات پر غور وفکر کرنے کے بجائے خود اپنی نجی و ذاتی زندگی پر غور کرو، مسلم ممالک متحد ہو رہے ہیں یا نہیں، اس کی فکر چھوڑ دو، تم خود اپنی انفرادی زندگی کے معاملات میں متحد ہو کر دکھاؤ، اگر تم نے ایسا کر لیا تو قابلِ مبارکباد ہو، نصرت الٰہی کے منتظر رہو، اور اگر نہ کر سکے تو پھر اس سے بھی بھیانک

عذاب سہنے کے لئے تیار رہو، صرف زبان سے کہہ دینے سے کہ ہمارا ''چمن'' بہت خوبصورت ہے، اس میں فلاں فلاں پھول کی یہ خاصیت ہے، فلاں فلاں بوٹوں کی یہ خوبیاں اور فلاں فلاں پتیاں اس مرض کی دوا ہیں، محض اس کہنے سے کام چلنے والا نہیں، اس وقت زمانے کا تقاضہ یہ ہے کہ ماضی کو بھول جاؤ اور مستقبل کی فکر میں متحد ہو کر لگ جاؤ، یہ وقت تم سے دست بستہ سوال کر رہا ہے اور تمہیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ: ع

''چمن'' بچاؤ، غم آشیاں کا وقت نہیں!

(مفتاح الخیر جلد ا شمارہ ۲، سنہ ۲۰۰۳ء)

□□□

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اسلام اور کفر کی جنگ کوئی نئی بات نہیں، روز ازل سے ہی شرار بولہبی، چراغ مصطفوی سے ستیزہ کار رہا ہے، اور ہر زمانے میں کفر کی اسلام سے ٹھنی رہی ہے۔ یہ قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ کفر، باوجود تمام تر ظاہری طاقت وقوت، جاہ وثروت کے اسلام کے مقابلہ میں ہمیشہ شکست ہی کھاتا رہا۔ اسلام کی فطرت میں خداوند قدوس نے وہ تاثیر رکھی ہے کہ اسے جتنا تراشہ گیا یہ اتنا ہی پنپتا رہا، اسے جتنا نیست ونابود کرنے کی کوشش کی گئی یہ اتنا ہی ابھرتا چلا گیا اور ابھرتا چلا جارہا ہے۔ کفر نے اسلام کو بدنام کرنے کی نہ معلوم کیسی کیسی تدبیریں کیں مگر انجام کار اسے ناکامی ونامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کفر کی نظر میں اسلام ہمیشہ خار مغیلاں بن کر چبھتا رہا اور اس کی تمام تر یہ کوشش رہی کہ اسلام کے چراغ کو اپنے پھونکوں سے گل کر دے، مگر تھک ہار کر اسے بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ: ع

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ایمان اور کفر کا تصادم

اس تصادم اور ایمان وکفر کے درمیان معاندت کی وجہ صرف یہ ہے کہ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ جس نے پیدا کیا ہے اس کی بندگی کرو، اپنے پالنہار کو ناراض نہ کرو، اس کے احسانات کو فراموش نہ کرو۔ اب اگر کوئی پالنہار کی عبادت نہ کرے یا کرے لیکن ساتھ ہی ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کرلے تو کیا پالنہار ناراض نہ ہوگا؟ کیا اسے غصہ نہ آئے گا؟ اسی احسان فراموشی کا نام اسلام نے کفر رکھا ہے۔ اب اسلام کی اس تعلیم کو عقل پر زور دے کر سوچئے کہ آخر کیا جرم کیا اسلام نے اگر اپنے محسن کے احسان کو ماننے کا حکم دے رہا ہے یا اپنے پالنہار کی پوجا کرنے کو کہہ رہا ہے، یہی بنیادی اختلاف رہا ہے کفر کا اسلام سے۔ اسلام کو پاکیزگی پسند ہے اور کفر غلاظت کے ڈھیر کو پسند کرتا ہے، اسلام نے جب اس سے روکا تو کفر

اس کا دشمن ہو کر مقابلے کے لئے سامنے آگیا -- قرآن پاک نے جب اس کفر جیسی گندی چیز سے دور رہنے کو کہا تو کفر چراغ پا ہو کر دشمنی پر اتر آیا، مگر اسلام نے اب بھی حلم و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ تم کافروں سے پرہیز کرو بلکہ اس کی تو ہمیشہ یہ تعلیم رہی ہے کہ تم اس گندگی سے بچتے ہوئے کافر کو اپنے گلے سے لگاؤ -- داعی اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں نے کتنی تکلیفیں پہنچائیں، پتھر برسائے، راستے میں کانٹے بچھائے، غرض جور و ستم کا کوئی حربہ نہ چھوڑا جو آپ پر نہ آزمایا ہو مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان پر پیار کی شبنم چھڑکی، پتھروں کا جواب پھولوں سے دیا، کبھی بھی حرف شکایت زبان حق ترجمان پر نہ لائے اور مزید ان کے لئے دعاء خیر ہی کرتے رہے۔ شر و فساد سے ہمیشہ بچتے رہے، اخلاق سے پیش آتے رہے مگر پھر بھی کفر نے یہ الزام لگایا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، کفر نے یہ پروپیگنڈہ بہت زور و شور سے کیا اور اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے نہ جانے کتنے جھوٹ بولے اور اب تک یہ حرکت جاری ہے، انہوں نے قرآن کا بغور مطالعہ نہیں کیا، جن لوگوں نے غیر جانبدار ہو کر بغور مطالعہ کیا انھیں تو اس کا اعتراف کرنا ہی پڑا اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ قرآن جنگ و جدال کا نہیں امن و شانتی اور صلح و آشتی کا درس دیتا ہے۔

جادو وہ جو سر چڑھ بولے

دور نہ جائیے گاندھی جی کا نام سنا ہوگا، انھیں تو سارے "برادران وطن" مانتے ہیں، وہ صاحب ایمان تو نہیں مگر صاحب عقل ضرور تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "سیرۃ النبی (مصنفہ علامہ شبلی مرحوم) کے مطالعہ سے میرے اس عقیدہ میں مزید پختگی اور استحکام آگیا کہ اسلام نے تلوار کے بل پر کائنات انسانی میں رسوخ حاصل نہیں کیا تھا بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی سادگی، انتہائی بے نفسی، عہود و مواثیق کا انتہائی احترام، اپنے رفقاء و متبعین کے ساتھ گہری وابستگی، جرأت، بے خوفی۔ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور اپنے مقصد و نصب العین کی حقانیت پر کامل اعتماد اسلام کی کامیابی کے حقیقی اسباب تھے، یہ خصائص تھے جو ہر مشکل اور ہر رکاوٹ کو اپنی ہمہ گیر زد میں بہا لے گئے تھے۔" (شھادۃ الاقوام علی صدق الاسلام، از حکیم الامت" ص ۷۴)

ایک جگہ اپنے موقر اخبار ینگ انڈیا میں قرآن کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کر لینے میں ذرہ برابر تامل نہیں۔''

(قرآنی جلوؤں کی ایک کرن، ص ۵۲)

اور ایک دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں:

''قرآن کریم میں اس بات کی کہیں سند نہیں ملتی کہ غیر مذہب والوں کو زبردستی مسلمان بنالیا جائے، قرآن پاک میں نہایت صاف الفاظ میں اس کا اعلان کر دیا گیا ہے ''لا اکراہ فی الدین'' یعنی مذہب میں کوئی جبر نہیں ہے۔'' (ایضاً)

ایک موقع پر ہندوؤں کو اسلام کی صداقت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

''اسلام مجنونہ مذہب نہیں ہے ہندوؤں کو کھلے دل سے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے پھر وہ میری ہی طرح اس سے محبت کرنے لگیں گے۔''

(شہادۃ الاقوام علی صدق الاسلام، از حکیم الامت، ص ۱۳۱)

یہ ہیں گاندھی جی کے وہ الفاظ جو اسلام و قرآن کی حقانیت کا بھرپور اعتراف کر رہے ہیں اور ہندوؤں کو کھلے دل سے اسلام اور قرآن کے مطالعہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ گاندھی جی کی یہ تحریریں بطور تمثیل پیش کر دیں ورنہ اس باب میں سیکڑوں ہزاروں ہندو مفکرین و مصنفین کی تحریریں موجود ہیں، یہ مختصر ادا ریہ اس کا متحمل نہیں ہے، ورنہ پیش کرتا۔

کاش! گاندھی جی ہی کے کہنے کے مطابق ہندو دھرم کے کچھ لیڈر قسم کے لوگ تعصب کی عینک اتار کر آج بھی قرآن کا دل کھول کر مطالعہ کرتے تو شاید انھیں قرآن کریم میں ترمیم و تنسیخ کا مطالبہ نہ کرنا پڑتا۔

چند ماہ قبل ایک سیاسی رہنما کی طرف سے جو خبر شائع ہوئی تھی اور انہوں نے قرآن کریم کی چند آیات کی ترمیم سے متعلق جو کچھ کہا وہ کہاں تک صحیح ہے یا غلط اس بحث میں نہیں پڑتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ آج یہ آپ کی پہلی کوشش نہیں ہے، تاریخ گواہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ رہے ہیں جو قرآن کی نہ صرف تبدیلی بلکہ اسے سرے سے مٹانے ہی کی انتھک کوشش کر چکے ہیں، مگر وہ اپنے مشن میں سو فی صد ناکام رہے ہیں۔ وہ قرآن پاک

یا اس کی آیات کو تو کیا مٹاتے بلکہ اس کے ایک شوشہ میں بھی تحریف نہ کر سکے، اس کی حفاظت کی ذمہ داری تو خود اس کے نازل کرنے والے پروردگار نے لے رکھی ہے، اور اس نے صاف صاف یہ اعلان فرمادیا:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون

ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

تاریخ شاہد اور واقعات گواہ ہیں کہ مخالفین قرآن اور معاندین اسلام کی انتھک کوشش اور بے حد جدو جہد کے باوجود آج تک اس کی ایک سطر تو بہت بڑی بات ہے زیروزبر میں بھی تبدیلی نہ کی جاسکی اور نہ قیامت تک کی جاسکے گی۔

سچ کہا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(یہ مضمون ماہنامہ ارمغان پھلت میں "اسلام اور کفر" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے لیکن ہم یہاں مفتاح الخیر جلد ۴، شمارہ ۱، ۳ سے نقل کر رہے ہیں)

□□□

کیا اب بھی نہ جاگو گے......؟

اس وقت پوری دنیا کے مسلمان بالخصوص گجراتی مسلمان جن مصائب وحوادث سے دو چار ہیں، وہ کسی پر مخفی نہیں، ان کے ساتھ ظلم وزیادتیوں کے جو پہاڑ توڑے جارہے ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں، فسادات پہلے بھی بہت ہوئے، لیکن ایسی درندگی وسفاکیت کبھی دیکھنے میں نہیں آئی جو ان دنوں دیکھنے میں آرہی ہے، مسلمانوں کی عزت وآبرو کے دشمن، ہوسناک بھیڑیئے، پاکباز عورتوں اور معصوم بچیوں کی عزت وآبرو کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں، وحشت و بربریت کے دہکتے شعلے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر رہے ہیں اور انہیں زندہ نذر آتش کیا جارہا ہے، مکانات ویران اور حویلیاں تباہ و برباد کی جارہی ہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ اتنے پر بھی شرپسندوں اور درندہ صفت انسانوں کی پیاس نہیں بجھی۔ حکمراں اپنی حکومت کے نشہ میں چور اور اپنی طاقت پر مغرور ہیں، انہیں یہ خبر نہیں کہ "ہر کمالے رازوالے" کا قاعدہ مسلم ہے، وہ اپنی حکومت اور حکمرانی کے نشہ میں یہ بھول گئے ہیں کہ جب ظلم حد سے گذرتا ہے تو منتقم حقیقی کو جلال آجاتا ہے، جب کوئی فرعون حد سے تجاوز کرتا ہے، تو اسے نیست ونابود کرنے کے لئے وہ کسی موسیٰ کو پیدا فرمادیتا ہے، انہیں یہ پتہ نہیں کہ ظلم کی ٹہنی صدا پھلتی نہیں اور مظلوم کے دل کا ہر نالہ تاثیر میں ڈوبا ہوتا ہے۔

یہ اعمالِ بد کے ہیں پاداش ورنہ

افسوس صد افسوس! کہ ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کی کوئی ہمدردی تو کیا کرتا ان کے زخم پر مرہم تو کیا رکھتا انہیں دلاسہ اور تسلی تو کیا دیتا، مزید انہیں کو دہشت گرد اور وطن دشمن ٹھہرایا جارہا ہے، ان کی مصیبت پر قہقہے لگ رہے ہیں، سیاسی پارٹیاں ہیں کہ وہ اپنی سیاست کی دوکان چمکانے میں لگی ہیں، انہیں تو ایسے سنہرے موقع کی تلاش ہی رہتی ہے۔۔

اس شور و شر کے عالم میں مسلم عوام متحیر و پریشان ہیں کہ کیا کریں؟ کس سے مدد طلب کریں؟ مایوسی و شکستگی کے بادل ہر مسلم فرد پر چھائے ہوئے ہیں، بددلی اور پژمردگی کی کیفیات نے ان پر کچھ بوکھلاہٹ سی طاری کر دی ہے، اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کون سی راہ چلیں، اپنے درد کا درماں اور زخم کا مرہم کہاں تلاش کریں-- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آلام و مصائب نئے ہیں یا پرانے؟ اسی مرتبہ واقع ہوئے یا اس سے پہلے بھی مسلمانوں پر اس طرح کی پریشانیاں آچکی ہیں، یہ بلانئی ہے، کہ اس کا کوئی نسخہ نہیں یا پرانی کہ نسخے تجویز کئے جا چکے ہیں، جب ہم اس سوال کو حل کرنے کے لئے قرآن و حدیث اور کتب تواریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں ملتا ہے کہ یہ نئی بات نہیں، ایام گذشتہ میں بھی ملت اسلامیہ اور مسلمانوں پر ایسی بہت سی سخت اور مشکل ترین گھڑیاں گذر چکی ہیں، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر نبی اکرم ﷺ تک اور اس کے بعد آپ ﷺ کی امت پر ہر دور میں اس طرح کے نازک حالات پیش آئے ہیں۔ اس وقت ان پاکیزہ نفوس اور قدسی صفات اللہ کے بندوں نے آخر اس کے تدارک کا کیا ذریعہ اختیار کیا، انہوں نے اس سے خلاصی کے لئے کیا لائحہ عمل تیار کیا، ہمیں اسے تلاش کرنا پڑے گا، اور ان کے اسباب بھی ڈھونڈنا پڑیں گے، جن کی پاداش میں یہ حالات و واقعات رونما ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دنیا کے حالات میں جو تغیرات اور تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں، خواہ وہ فسادات و حادثات ہوں، یا زمینی و آسمانی بلائے ناگہانی کے سانحات، قتل و غارتگری کے واقعات ہوں یا آلام و مصائب کے لمحات، بلاشبہ یہ باتیں اپنے ہی اعمال بد کے نتائج اور اپنے ہی کرتوت کی سزا ہوتے ہیں، جیسے کہ ارشاد ربانی ہے:

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون الآیة (خشکی اور تری میں لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے خرابی اور بگاڑ پھوٹ پڑا ہے، تاکہ ان کے کچھ اعمال کا مزہ اللہ تعالیٰ چکھادیں، شاید اس طرح وہ باز آجائیں)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم (جو کچھ مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کا ثمرہ ہے)

نیز ایسے ہی مواقع پر مخبر صادق جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ تم پر جو حکمراں مسلط ہوتے ہیں تو یہ سب تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: کما تکونون یومر علیکم (یعنی تم جیسے ہوگے ویسے ہی حکمراں تم پر مسلط کئے جائیں گے)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں: اعمالکم عمالکم (یعنی تمہارے اعمال ہی تمہارے عمال وحکام ہوتے ہیں۔

نہ جب تک مسلموں تم حالتِ دینی سنوارو گے

یہ دونوں آیتیں اور روایتیں اس بات پر شاہد ہیں کہ حکمراں کا ظالم و جابر ہونا خود اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے اضطراب و بے چینی اور انکے مسائل کا حل آخر کیا ہے؟ ان کے زخموں کا مرہم کہاں اور کون سا ہے؟ ان کے مستقبل کی سلامتی کن اعمال پر موقوف ہے؟ ان باتوں کا حل تلاش کرنے کے لئے ہمیں دور نہیں جانا چاہئے، ان کو ہمیں اپنے ہی ذاتی اعمال و کردار میں تلاش کرنا چاہئے -- حیف صد حیف! کہ اتنا ہونے کے باوجود کیا مسلمان جاگا؟ اپنے اعمال کا احتساب کیا؟ منتقم حقیقی کے دربار میں درخواست دی؟ اپنے کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھا؟ مسجد کے دروازے تک پہنچا؟ اعمال بد سے توبہ کی؟ اگر نہیں تو ہمیں اس سے بدترین اور مزید بھیانک منظر دیکھنے کے لئے تیار رہنا چاہئے، مسلمانو! اب تو خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ، اٹھو اور بہر عمل تیار ہو جاؤ! تمہارے ان مسائل کا حل اور اس کا علاج آج سے چودہ سو سال قبل بتایا جا چکا ہے، ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ "میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں، میں حکمرانوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہان عالم کے دل میرے ہاتھ میں ہیں (اور میرا قانون ہے کہ) جب میرے بندے میری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے دلوں کو رحمت و شفقت کے ساتھ ان بندوں پر متوجہ کر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے قلوب کو خفگی اور غضب کے ساتھ ان بندوں کی طرف موڑ دیتا ہوں پھر وہ

ان کو سخت تکلیفیں پہنچاتے ہیں، پس تم اپنے کو حکمرانوں کے لئے بد دعا میں مشغول نہ کرو بلکہ مشغول کرو اپنے کو میری یاد میں، اور میری بارگاہ میں، الحاح وزاری میں تاکہ تمہارے لئے کافی ہو جاؤں حکمرانوں کے عذاب سے نجات دینے کے لئے۔" (۱)

تم ہی سر بلند رہو گے اگر مومن رہے

کاش مسلمان! اپنے ہادی و رہبر کے دیئے ہوئے ان جواہر پاروں اور ارشادات پر عمل پیرا ہوتے، اپنے اعمال کا جائزہ لیتے، اپنے کو شریعت مطہرہ کے مطابق ڈھالتے، یاد رکھو احکام الٰہی میں کوتاہی اور اپنے نبی ﷺ کے فرمان سے غفلت و بیزاری اگر یونہی برقرار رہی تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ذلت و پستی سے نہیں نکال سکتی، بڑی سے بڑی حکومت و سلطنت تمہیں عزت کا تاج نہیں پہنا سکتی، تاریخ شاہد اور واقعات گواہ ہیں کہ مسلمانوں کو عزت و عظمت کا تاج نہ اندلس کے قصر وحمراء اور زہراء پہنا سکے، اور نہ ہی تاج محل کا حسن و رعنائی اور قطب مینار کی رفعت و بلندی انہیں ذلت و پستی اور غلامی سے رہائی دلا سکی۔ مسلمانو! جو ٹھوکریں لگ چکی ہیں انہیں یاد کرنا اور اس پر آنسو بہانا بیکار ہے، یہ فسادات تمہارے لئے خدا کی جانب سے الارم ہیں اس کی آواز کو سنو اور خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ کی رضاء اور اپنی دینی حالت سنوارے بغیر تمہاری ساری تگ و دو بیکار ہیں، تم منصوبے اور تدبیریں خواہ کیسی ہی بنا لو، پر جوش اور ولولہ انگیز تقریریں چاہے جتنی کر لو، فلک شگاف نعرے چاہے جتنے لگا لو، سڑکوں اور اپنی خصوصی محفلوں میں انتظامیہ کی غفلت اور حکومت کے ظلم و استبداد کا رونا چاہے جتنا رو لو، ظلم کی خونچکاں داستانیں چاہے جتنا سن سنا لو، مگر یہ سب باتیں بے سود و بیکار ہیں، جب تک کہ اصل روح نہ پیدا کی جائے، مالک حقیقی کی طرف رجوع نہ کیا جائے، شریعت مطہرہ پر کامل عمل اور قانون خداوندی کے جملہ اصول وفروع کو بدل و جان پورا نہ کیا جائے، صرف ظاہری اسباب پر بھروسہ، طاقت وثروت پر اعتماد تمہیں کچھ فائدہ نہ دیں گے۔

نہ جب تک مسلموں تم حالتِ دینی سنوارو گے
کرو گے لاکھ تدبیریں ہمیشہ سب سے ہارو گے

(المفتاح جلد ا، شمارہ ۲، سنہ ۲۰۰۲ء)

(۱) مشکوٰۃ شریف، ج ۲، ص ۳۲۳، ترجمہ از معارف الحدیث، ج ۷، ص ۲۴۶

باب سوم

اصلاح معاشرہ

- السلام علیکم
- النکاح من سنتی
- منافقانہ خوش خلقی اور اسکے مضر اثرات
- مہمانی و میزبانی کے آداب

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اظہارِ محبت انسانی فطرت

انسانی فطرت اور ایمانی خلقت کا تقاضا ہے کہ جب کسی سے ملاقات ہو تو قلبی بشاشت اور اظہارِ محبت ہو، تا کہ ایک دوسرے سے موانست بڑھے، یہ فطرت صرف انسانوں ہی کی نہیں، بلکہ حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ بار ہا دیکھتے ہیں کہ جب کسی کا کوئی پالتو جانور اپنے مالک سے ملتا ہے تو اظہارِ محبت کرتا ہے، کتے کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب وہ اپنے مالک سے ملتا ہے تو کبھی کوں کوں کر کے، کبھی دم ہلا کے محبت کا اظہار کرتا ہے، یہ فطری طریقہ ہر جانور میں کم وبیش پایا جاتا ہے۔ اسی فطری طریقہ کو باقی رکھتے ہوئے مذہب اسلام نے آپس میں ملنے کے وقت اظہارِ محبت کرنے والے جملے کا عمدہ سا نام سلام دیا ہے۔

سلام خواہ وہ کن ہی لفظوں میں ہو ہر قوم و ہر مذہب اور ہر زمانے میں ہمیشہ پایا گیا ہے۔ کوئی انگلیوں کے اشارے سے، کوئی منہ پر ہاتھ رکھ کر، کوئی زہ ہزار اسال کہہ کر، تو کوئی رام رام، نمستے، گڈ ڈے، گڈ نائٹ یا سری وائے گرو جی کا خالصہ یا جے ہند جیسے الفاظ کے ساتھ ادا کرتے رہے ہیں۔

سلام میں امن کا وعدہ ہے

مذہب اسلام نے اس فطری اظہارِ محبت کے لئے دنیا کو ایک ایسا جامع و مانع لفظ دیا جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی تہذیب و مذہب نہ کر سکا ہے اور نہ کر سکے گا۔ اس میں اگر ایک طرف اپنے مالک حقیقی کا ذکر و تذکرہ ہے، تو دوسری طرف اس میں ان کے لئے ایک بہترین دعا اور ان سے یہ معاہدہ ہے کہ میرے ہاتھ و زبان سے تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی، تم مجھ سے مامون رہو۔

نبی پاک ﷺ نے اس اظہارِ محبت کے جملے کو ایک مومن سے ملاقات کے وقت ادا کرنے کی تاکید اً ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

لاتدخلون الجنة حتی تومنوا ولا تومنوا حتی تحابوا الا ادلکم علی شیء اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السلام بینکم۔ (رواہ مسلم)

یعنی جب تک تم ایمان نہ لاؤ گے جنت میں داخل نہیں ہو سکتے اور اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو گے، میں تم کو ایک ایسی چیز نہ بتادوں کہ جب تم اس کو کرو گے تو تم میں آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی، سلام کو آپس میں پھیلاؤ یعنی خوب اس کی اشاعت کرو۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے سلام نہ کرنے والے کی مذمت ان لفظوں میں فرمائی

"ابخل الناس من بخل بالسلام"

یعنی "سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام میں بخل کرے" (طبرانی معجم کبیر عن ابی ہریرہ)

سلام کرنے کی فضیلت

سلام کی فضیلت اور اس پر بشارت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

من سلم عشرین رجلا من المسلمین فی یوم جماعة او فرادی ثم مات من یومہ ذالك وجبت لہ الجنة وفی لیة مثل ذالك۔

"جس شخص نے بیس مسلمانوں کو جماعت میں یا تنہا ایک روز میں سلام کیا اور اسی روز مرگیا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی ایسے ہی رات میں۔"

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

اذا لقی احدکم اخاہ فلیسلم علیه فان حالت بینهما شجرة او جدار او حجر ثم لقیه فلیسکم علیه۔ (ابوداؤد)

"جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی سے ملے تو اس کو سلام کرنا چاہئے اگر درمیان میں درخت یا دیوار یا کوئی (بڑا) پتھر آگیا اور پھر دوبارہ ملاقات ہوتی ہے تو دوبارہ سلام کرنا چاہئے۔"

سلام اور صحابہؓ

آپ ﷺ کے ان فرامین وتعلیمات کا اثر حضرات صحابہؓ پر یہ تھا کہ ساتھ چلے جا رہے ہیں، جاتے جاتے کوئی درخت یا بڑا پتھر بیچ میں حائل ہوگیا پھر ملے تو فوراً سلام کیا اس قدر کثرت تھی ان میں سلام کی، اگر حضرات صحابہ کا سا یہ عمل آج کوئی کرے تو عجب نہیں کہ لوگ اسے مجنوں و پاگل کہنے لگیں، ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ اگر آج صحابہ آئیں اور تم انہیں دیکھو تو یقیناً تم ان کو مجنون و پاگل سمجھو گے اور اگر صحابہ تمہیں دیکھیں تو مسلمان ہی نہ سمجھیں گے۔

سلام کے بارے میں حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ بازار میں صرف سلام کرنے کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اکثر بازار میں صرف اس لئے جایا کرتے تھے کہ جو مسلمان ملے گا اس کو سلام کر کے عبادت کا ثواب حاصل کریں گے۔ کچھ خریدنا یا فروخت کرنا مقصد نہ ہوتا تھا۔ (موطا امام مالک بحوالہ معارف القرآن)

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں سب سے افضل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

تطعم الطعام و تقرء السلام علی من عرفت و من لم تعرف

کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، اس کو بھی جسے تم جانتے ہو اور اس کو بھی جسے تم نہیں پہنچانتے ہو۔

مسلم معاشرہ اور سلام سے لاپرواہی

آج ہماری بداعمالی کا یہ عالم ہے کہ بغیر جان پہچان والے کو کھانا کھلانا تو کجا، سلام تک نہیں کر سکتے، ہماری زبوں حالی جہاں دین کے دیگر شعبہ جات میں بڑھتی جارہی ہے، وہیں سلام کی اشاعت اور اسے عام کرنے میں بھی حد سے گزری ہوئی ہے، اول تو سلام کا رواج ہی نہیں عوام سے کیا شکایت خود دینی مدارس میں رہنے والے طلباء و علماء کو بھی اس کی طرف توجہ نہیں اور اگر کچھ ہے بھی تو بس ان ہی لوگوں تک جس سے ہماری شناسائی ہے اور جسے ہم نہیں پہچانتے سلام تک نہیں کرتے۔

آداب سلام و جواب

مذہب اسلام نے جہاں سلام کے فضائل وترغیبات کو بیان فرمایا وہیں اس کے کچھ آداب وطریق بھی بتائے، کن الفاظ سے سلام کرنا چاہئے اور کن سے نہیں، کس وقت، کس سے، سلام کرنا چاہئے اور کس سے نہیں پھر اسی طرح اس کے جواب کے بھی آداب بتائے ہم یہاں ان میں سے چند باتیں عرض کرتے ہیں۔

(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے آداب السلام مصنفہ مفتی سعید احمد صاحب، مفتی اعظم مظاہر علوم، سہارنپور)

شریعت مطہرہ نے سلام کا طریقہ اور ان کے الفاظ یہ بتائے ہیں کہ سلام کا ادنیٰ درجہ السلام علیکم کہنا ہے اور اس کا اعلیٰ درجہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے، بعض لوگ السلام علیکم کے بجائے آداب، بندگی وغیرہ کے الفاظ کہتے ہیں جو سخت گناہ اور ناجائز و بدعت ہے۔

اسی طرح جواب کا ادنیٰ درجہ وعلیکم السلام کہنا اور اور اعلیٰ درجہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے۔ صرف سلام علیکم (میم کے سکون کے ساتھ) یا سلامُ علیکم (میم کے پیش کے ساتھ) کہنے سے سلام نہ ہوگا اور اس کا جواب دینا بھی واجب نہیں، نیز اسی طرح جواب میں صرف علیکم سے جواب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص السلام علیکم کے جواب میں وہ بھی السلام علیکم ہی کہہ دے تو جواب تو ہو جائے گا لیکن مسنون طریقہ یہ ہے کہ وعلیکم السلام کہے۔

(ہندیہ، ج ۵، ص ۳۲۵ مکتبہ زکریا دیوبند اور رد المحتار، ج ۵، ص ۲۹۳ مکتبہ فیض القرآن دیوبند)

سلام کے آداب میں خندہ پیشانی اور بشاشت کا اظہار کرنا بھی شامل ہے۔ ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "جب دو مومن ملاقات کریں اور ایک دوسرے پر سلام کریں اور دونوں مصافحہ کریں تو ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تر وہ ہے جس کے چہرے پر بشاشت زیادہ ہو۔"

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نیکی میں کسی چیز کو بھی حقیر اور معمولی نہ سمجھو اگرچہ یہی ہو کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرو۔" (مسلم)

سلام کا جواب دینا واجب ہے، حضرت حسن بصریؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ السلام تطوع والرد فریضۃٌ یعنی ابتداء سلام کرنے میں تو اختیار ہے لیکن سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۵۰۵)

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان سے سلام کیا جائے تو خندہ پیشانی اور بشاشت سے جواب نہیں دیتے عجیب سامنہ بنا کر چلے جاتے ہیں، بزرگوں نے سلام کا جواب نہ دینے والے کو متکبر کہا ہے۔

حضرت مولانا علامہ عبدالشکور صاحب دین پوریؒ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اب تو کسی بڑے آدمی کو السلام علیکم کہو تو وہ گھور کر دیکھتا ہے، ایسے ،جیسے بے چارے کو گرنیڈ لگا ہو یا کرنٹ لگا ہو میں خود کئی مرتبہ السلام علیکم کہتا ہوں تو جواب نہیں دیتے، اکڑ کر چلے جاتے ہیں، یہ تکبر ہے۔"

(خطبات دین پوری، ج ۴،ص ۱۱۱)

بہر حال ہر مؤمن کے سلام کا جواب دینا ضروری ہے، سلام کا جواب نہ دینے والے کی آپ ﷺ نے مذمت فرمائی ہے اور فرمایا:

جس نے سلام کا جواب دیا تو یہ اس کے لے باعثِ اجر ہے، اور جس نے جواب نہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (ابن السنی)

فقہاء کرامؒ نے ایک طویل فہرست ان لوگوں کی بھی بیان فرمائی ہے جن کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ مثلاً بھیک مانگنے والا، ایسے ہی حاکم جو عدالت میں بیٹھا ہو کہ اس پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے جو ذکر اذکار یا درس وتدریس وغیرہ میں مشغول ہوں ان کی مشغولیت کی بناء پر سلام کرنا مکروہ ہے نیز فاسق وفاجر پر ان کے فسق وفجور اور دین کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے ان کو سلام کرنا فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے آداب السلام، ص ۴۹۔ ۵۰)

نعت خوانی وغیرہ سے قبل سلام کرنا غلط ہے

یہ مسلم اصول اور قاعدہ ہے کہ کسی چیز میں نہ خیر محض ہے اور نہ شر محض، شریعت کا ہر حکم وہی معتبر ہے جو اپنے موقع اور شارع علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ہو۔ اسی طرح سلام کرنا بھی اگر شریعت کے مطابق ہے، تو ثواب ہی ثواب اور اگر اس کے خلاف ہے تو بجائے ثواب کے باعثِ عذاب ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلام کرنا بہت اچھی چیز ہے مگر ان ہی مواقع پر جہاں آپ ﷺ سے ثابت ہو اگر آپ ﷺ یا صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع

تابعین وغیرہ سے ثابت نہیں تو وہ ناجائز و بدعت اور ضلالت وگمراہی ہے۔ مثلاً آج کل جلسے وغیرہ میں عامۃ یہ دیکھا جاتا ہے کہ نعت خواں حضرات نعت سنانے سے قبل سلام کرتے ہیں۔ یہ محض رسم و بدعت ہے، اسی طرح حضرات مقررین، واعظین وغیرہ جب اسٹیج یا ممبر پر بیٹھیں گے تو سب سے پہلے سلام کرتے ہیں جس کا کہیں سے کوئی ثبوت نہیں۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب اجراڑوی "آداب السلام کے ص ۵۷ پر فرماتے ہیں:

"وعظ و تقریر اور کسی امر کی اشاعت اور اعلان سے قبل سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین و سلف صالحین" سے ثابت نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبات ماثورہ ہیں مگر ان سے قبل سلام کہیں منقول نہیں۔"

اسی طرح عوام چاند دیکھنے، ہدیہ لینے، یا نوشہ کا نکاح کے بعد سلام کرنا سراسر جہالت اور رسم و رواج پر مبنی ہے اس سے احتراز لازمی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں آپس میں سلام پھیلانے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیقات خاصہ سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

(مفتاح الخیر، ۳ رشمارہ ۲۵ر ۲۰۰۵ء)

□□□

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم ! امابعد!

نبی اکرم، شفیع اعظم ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ لَّمْ یَعْمَلْ بِسُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ الخ[1] یعنی نکاح میری سنت ہے جو شخص میری سنت پر عمل نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا من تبتل فلیس منا یعنی جو شخص (تقاضاء نفس اور قدرت کے باوجود) نکاح نہ کرے وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "النکاح نصف الایمان" نکاح آدھا ایمان ہے۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ نکاح صرف ایک بابرکت تقریب ہی نہیں، بلکہ ایک اہم عبادت اور جزء دین ہے-- اسی لئے تو مسجد میں نکاح کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ مستحب ہے کہ مساجد میں ہی نکاح کیے جائیں، جب کہ دوسرے معاملات مسجد میں جائز نہیں -- پھر جس طرح ہر عبادت کے کچھ اصول و احکام ہوتے ہیں بالکل اسی طرح نکاح کے بھی کچھ اصول اور احکام ہیں، جو ہر حالت اور ہر صورت میں نکاح کو مسنون نہیں رہنے دیتے، بلکہ کچھ صورتوں میں تو نکاح فرض اور واجب ہو جاتا ہے اور بعض صورتوں میں مکروہ اور حرام تک بھی ہو جاتا ہے-- چنانچہ علامہ نجیم مصری علیہ الرحمہ نے بحر الرائق جلد ۳/۷۹ پر لکھا ہے "وصفتہ فرض و واجب و سنۃ و حرام و مکروہ و مباح الخ" پھر ہر نوع کا محل بیان کیا ہے اور مختصر دلائل کے طرف بھی اشارہ کیا ہے، نیز رد المحتار کتاب النکاح جلد ۳/۷ اور بدائع جلد ۲/۲۲۸ پر بھی اس کی تشریح اور تمثیل موجود ہے، جس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے۔

نکاحِ فرض

نکاح کرنا اس صورت میں فرض ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان اس درجہ غالب ہو کہ

(۱) سنن ابن ماجہ ص: ۱۳۳، باب ما جاء فی فضل النکاح

نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو اور بیوی کے مہر پر اور اس کے نفقہ پر قدرت حاصل ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے بجائے اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کا برتاؤ ہوگا۔

نکاحِ واجب

نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ جنسی ہیجان کا غلبہ ہو مگر اس درجے کا غلبہ نہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو۔ نیز مہر اور نفقہ میں ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو اور بیوی پر ظلم کرنے کا خوف نہ ہو، اگر کسی شخص پر جنسی ہیجان کا غلبہ تو ہو، مگر وہ مہر اور بیوی کے اخرجات پر قادر نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر نکاح نہ کرے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا۔ جبکہ مہر اور نفقہ پر قادر ہونے کی وجہ سے وہ شخص جنسی ہیجان کی صورت میں نکاح نہ کرنے سے گنہگار ہوتا ہے۔

نکاحِ سنت

اعتدال کی حالت میں نکاح کرنا سنت موکدہ ہے۔ اعتدال کی حالت سے مراد یہ ہے کہ جنسی ہیجان کا غلبہ تو نہ ہو، لیکن بیوی کے ساتھ مباشرت اور مجامعت کی قدرت رکھتا ہو اور مہر اور نفقہ کی ادائیگی پر قادر ہو، لہٰذا اس صورت میں نکاح نہ کرنے والا گنہگار ہوتا ہے، جب کہ زنا سے بچنے اور افزائش نسل کی نیت کے ساتھ نکاح کرنے والا اجروثواب سے نوازا جاتا ہے۔

نکاحِ مباح

جس کا کرنا نہ باعث ثواب نہ ترک باعث گناہ، یہ اس وقت ہے جب کہ ادائے حقوق میں عاجز ہونے کا یقین نہ ہو، بلکہ اپنی طبیعت پر قابو یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے حقوق کے پورا نہ کرسکنے کا خوف واندیشہ ہو۔

نکاحِ مکروہ

نکاح کرنا اس صورت میں مکروہ ہے، جب کہ بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہو، یعنی اگر کسی شخص کو اس بات کا خوف ہو، کہ میرا مزاج بہت برا اور سخت ہے اس لئے میں بیوی پر ظلم

وزیادتی کرونگا تو ایسی صورت میں نکاح کرنا مکروہ ہے۔

نکاح حرام

نکاح کرنا اس صورت میں حرام ہے جب کہ بیوی پر ظلم کرنے کا یقین ہو، اگر کسی شخص کو یقین ہو کہ میں اپنے مزاج کی سختی اور تندی کی وجہ سے بیوی کے ساتھ اچھا سلوک قطعاً نہیں کرسکتا، بلکہ اس پر میری طرف سے ظلم ہونا بالکل یقینی چیز ہے، تو ایسی صورت میں نکاح کرنا اس کے لئے حرام ہوگا۔

نکاح کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں روزہ رکھے

ان تفصیلات کے علاوہ اگر کسی شخص کے اندر نفسانی ہیجان ہو اور وہ نان ونفقہ وغیرہ کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ایسے شخص کے لئے اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے: "ولیستعفف الذین لایجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ الخ" (سورۂ نور آیت ۳۲) اور ایسے لوگ جن کو نکاح کا مقدور (قدرت والا) نہیں ان کو چاہئے کہ اپنے نفس پر ضبط کرے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ان کو اپنے فضل سے غنی کردے۔ (پھر نکاح کرے)۔

مشفق اعظم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے یہ علاج تجویز فرمایا کہ کثرت سے روزہ رکھا کرے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

...ومن لم یستطع فعلیہ الصوم فانہ لہ وجاء یعنی جو شخص نکاح کی قدرت نہ رکھتا ہو اس پر روزہ لازم ہے کہ وہ شہوت کو ختم کرتا ہے۔

نکاح ایک عبادت ہے

مذکورہ بالا آیات وروایات سے معلوم ہوا کہ نکاح ایک عبادت ہے۔ اور ہر عبادت اسی وقت قابل قبول ہوتی ہے جب شریعت کے حدود وقیود میں رہ کر اس پر عمل کیا جائے، مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ لوگ نکاح کو عبادت نہیں، بلکہ دنیا کا ایک معاملہ سمجھتے ہیں اور اس میں ہر ان چیزوں کو جائز سمجھتے ہیں جو شرعاً بالکل ناجائز اور حرام ہیں، نیز اس کو خوشی کا موقع سمجھ کر شتر بے مہار کی طرح اپنے کو آزاد خیال کرتے ہیں اور شادی کا نام دے کر طرح طرح کی رنگ رلیاں مناتے ہیں اور ان ہی لغویات وخرافات کی وجہ سے لوگ بلاوجہ مقروض ہوتے

ہیں۔ سودی رقوم لیتے ہیں اور برادری کے خوف اور ناک کٹنے کی ڈر سے نہ جانے کیا کیا کرتے ہیں، حالانکہ اگر صرف اللہ کا خوف ہو -- مخلوق سے بے نیاز ہوں تو نکاح سے زیادہ سہل و آسان دنیا میں کوئی چیز نہیں -- جیسا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے آپ بیتی میں خود اپنا واقعہ بیان فرمایا:

> ''میں نے دو اپنی اور ہمشیرہ اور ہمشیرہ زادی اور بنات اور ولد و اسباط کی تقریباً سولہ سترہ شادیاں کیں اور ہر شادی میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا کہ کبھی یہ پتہ نہ چلا کہ نکاح کیا یا دو رکعت نفل پڑھی۔ نکاح ایک عبادت تھی جس کو لوگوں نے ایک مصیبت بنا لیا'' -- نیز فرمایا :-- ان ساری مصیبتوں کا عذر اور مجبوری یہ بتائی جاتی ہے کہ بغیر لغویات کے ناک کٹ جاتی ہے، میں نے تو سینکڑوں احباب کو ان خرافات کے بغیر نکاح کرتے دیکھا، مگر کسی کی بھی ناک کٹی ہوئی نہیں دیکھی۔''

ایک مرتبہ کسی شادی کے موقعہ پر کاندھلہ کے عزیزوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ صاحب سے شکایت کی:

> ''زکریا نے اپنی بھی ناک کاٹ دی اور ہم سب کی بھی، بھلا نکاح یوں ہوا کرتے ہیں۔ میں نے اس کا جواب اہتمام سے بھیجا کہ میری تو کٹی نہیں اور میں نے قاصد سے کہا کہ تو بھی ہاتھ لگا کر دیکھ لے اور کہہ دیجئے کہ میں دیکھ کر آیا ہوں، اس کی تو کٹی نہیں اور کسی کی مجھے خبر نہیں''
>
> (آپ بیتی جدید ایڈیشن، فصل ثانی ص ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۸)

الغرض نکاح سے آسان کوئی عمل نہیں، بشرطیکہ تھوڑی سی ہمت کی جائے اور برادریت کے لعن وطعن کا خیال دل سے نکال کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا خیال و دھیان دماغ پر بٹھایا جائے۔

نکاحِ صحابہؓ

ذرا غور تو کیجئے کہ حضرات صحابہؓ کا نکاح کس طرح سادہ اور خرافات سے پاک ہوا کرتا تھا۔ مشہور صحابیٔ رسول عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنا نکاح ایک انصاری صحابیہؓ سے فرما لیا، صبح یا دوسرے دن حضور اکرم ﷺ نے ان کے کپڑوں پر زعفران کے نشانات دیکھ

کرارشاد فرمایا: یہ نشانات کیسے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے نکاح کرلیا، اللہ اکبر! کیا سادگی تھی، حضور اکرم ﷺ مدینہ میں موجود ہیں اور جاں نثار صحابہؓ کا نکاح مدینہ میں ہو رہا ہے، مگر حضور ﷺ کو بھی اطلاع نہ کی گئی، یہ تھی سادگی اور حقیقی عقد مسنون۔ رہا یہ کہ وہ نشانات جو حضور ﷺ نے دیکھے کس چیز کے تھے اور کیسے تھے؟ دراصل اس زمانے میں دلہن زعفران سے رنگ کر کپڑا پہنتی تھی (یا ایک قسم کی خوشبو تھی جو اس زمانے میں شادیوں کے موقع پر استعمال کی جاتی تھی) پھر گرمی کی وجہ سے وہ شوہر کے کپڑوں میں منتقل ہو جایا کرتے تھے۔ یہ زعفرانی نشانات تھے جو ان کے کپڑے میں لگ گئے تھے۔

راقم الحروف نے ایک صاحب سے حضرات صحابہؓ کے نکاح کی سادگی بیان کی تو انہوں نے فوراً کہا کہ صحابہ کے پاس پیسہ ہی نہیں تھا، تو کہاں سے کرتے، میں نے کہا جناب توبہ کیجیے، ایمان درست فرمائیے، حضرات صحابہؓ میں ایک سے ایک پیسے والے موجود تھے، خود حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جن کا واقعہ ابھی گذرا وہ پنیر اور گھی کی تجارت کرتے ہوئے کروڑ پتی ہو گئے تھے، چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی چار بیویاں تھیں اور کل بیویوں کو متوفیٰ کی اولاد ہونے کی صورت میں مال و جائداد کا ثمن (آٹھواں حصہ) ملتا ہے، تو ایک بیوی کو آٹھویں کا چوتھائی حصہ صرف جائداد صحرائی سے ملا تھا، جس کی قیمت ستر ہزار درہم تھی، نقدی مال اس کے علاوہ تھا۔

نکاح راقم کی مختصر روداد

اس گھنگھور گھٹا اور مہیب دور میں صحابہؓ کے زمانے کی سادگی کی بات کرنا ایک عجیب و غریب چیز محسوس ہوتی ہے، جسے اردو محاورے میں بے وقت کی راگنی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ سچ فرمایا تھا آپ ﷺ نے کہ "بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ فطوبیٰ للغرباء" کہ اسلام اجنبی ظاہر ہوا اور پھر ویسے ہی ہو جائے گا، جیسا کہ ظاہر ہوا تھا پس خوشخبری ہے ان لوگوں کے واسطے جو ایسے نازک وقت میں شریعت مطہرہ پر عمل کریں۔

ہے تو بڑی بے تکی اور بے جوڑ سی بات۔ ریشم میں ٹاٹ کا پیوند لگانے کے مترادف، مگر بطور تحدیث نعمت اور محض اس غرض سے اپنی شادی کی مختصر روداد عرض کرتا ہوں کہ ہمارے وہ نوجوان جن پر معاشرے کی بنیاد ہے جو یقیناً اگر میدان عمل میں اتر آئیں تو

معاشرے کے مزاج کو یک لخت بدل سکتے ہیں اور حضرات صحابہؓ کی شادیوں کی ایک جھلک دکھا سکتے ہیں۔

اگر یہ غیر شادی شدہ نوجوان اور ان کے والدین ہمت سے کام لیں تو جہیز جیسی لعنت کو معاشرے سے دور کر سکتے ہیں اور مروجہ جہیز لینے دینے والوں کا معاشرے سے مقاطعہ کر کے انہیں راہ راست پر لا سکتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ ہمارے غیر شادی شدہ نوجوان ہمت مردانہ سے کام لیں گے، زمانہ ایسے نوجوانوں کی راہیں تک رہا ہے، وہ لڑکیاں جو جہیز اور دنیاوی رسوم و رواج کی وجہ سے ابھی تک بے شادی شدہ ہیں۔ ان کی نگاہیں ایسے نوجوانوں کی طرف لگی ہیں اور وہ زبان حال سے کہہ رہی ہیں۔ کہاں گئے وہ دین کے متوالے! جو رسم و رواج کی زنجیروں کو توڑ دیں، کہاں گئے وہ حالات سے لڑنے والے جو آئیں اور زمانے کی آنکھ میں، آنکھ ڈال کر یہ بتا دیں کہ۔ ع زمانہ با تو نہ سازد تو باز مانہ ستیز

۱۹ر شوال المکرم ۱۴۲۵ھ بروز جمعہ، راقم الحروف کا عقد مسنون ہونا طے پایا، راقم کی دیرینہ تمنا اور خواہش تھی کہ کاش! اس نالائق و گنہگار کا نکاح سادگی سے سنت کے مطابق ہو جائے، مگر اس ایک عبادت اور سنت پر عمل کرنے میں جو برادرانہ پریشانیاں اور مخالفانہ طعنے سہنے پڑے، اسے بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ ان پریشانیوں اور رسم و رواج میں سب سے پہلی اور اہم رسم بارات تھی، میرے خسر صاحب اس پر مصر تھے کہ کم از کم ایک سو پچاس براتی تو ضرور ہی آئیں، تا کہ میرے دروازے پر کچھ لوگ تو دکھیں۔ اور ادھر میرے والد صاحب نے اس رسم کو ہندوانہ رسم قرار دے کر بالکلیہ منع فرما دیا تھا اور کہلوا دیا تھا کہ ہم نکاح میں شرکت اور رخصتی کے لئے صرف پانچ آدمی آ رہے ہیں۔ ہفتوں تو اسی پر لے دے رہی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رشتہ نہ ہو پائے گا۔ بالآخر بات سلجھانے کے لئے احقر نے قریب ایک ہفتہ قبل اپنے خسر اور ایک صاحب کو اور، گھر بلوایا اور ان حضرات کے سامنے نہایت خوشامدانہ انداز میں بہشتی زیور اور اسلامی شادی (مرتب مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی) یہ دونوں کتابیں رکھ کر بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ یہ ہیں کتابیں اگر اس میں لکھے ہوئے کے مطابق احقر کا نکاح ہو جائے اور آپ برادرانہ قربانی دینے کے لئے تیار ہو جائیں تو آپ کی

بڑی مہربانی اور احسان ہوگا۔ یہ کہتے کہتے میں آب دیدہ سا ہوگیا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خاندان والوں سے کہا کہ غلط کہتے ہیں لوگ کہ لڑکی والے نہیں مانتے۔ منانے کا طریقہ بھی تو چاہیے۔

گو ہمارے خسر صاحب کو بھی رسم و رواج پر عمل نہ کرنے کے برادرانہ طعنے سہنے پڑے، مگر وہ طعنوں سے بے نیاز ہو کر ہر محاذ پر ڈٹے رہے اور ادھر ہم لوگوں نے بھی برادرانہ مقابلے کے لئے کمر ہمت باندھ رکھی تھی۔ گو بعض مواقع ایسے بھی آئے جو میرے بس کا روگ نہیں تھا، مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے میرے والد بزرگوار کو کہ انکی استقامت میں جنبش نام کی بھی کوئی چیز نہیں تھی، وہ ہر مقابلے کے لئے سینہ سپر رہے اور انہی کی استقامت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا صد ہا شکر و احسان ہے کہ گو پورے طور پر نہ سہی، مگر کافی حد تک بردرانہ جکڑ بندیوں اور رسم و رواج کی پابندیوں سے آزاد رہے-- والد صاحب نے نکاح کے لئے شوال کے مہینہ کے ساتھ ساتھ جمعہ کے مسعود دن اور مسجد کی مقدس جگہ پہلے ہی طے کر لیا تھا۔ چنانچہ حسب پروگرام بعد نماز جمعہ مسجد ہی میں بعوض مہر فاطمی موجل احقر کا نکاح ہوا اور نکاح سے فراغت کے بعد ہم لوگوں نے کھانا کھایا-- گو لڑکی والے کے یہاں کھانا کھانے میں کلام ہے، حضرت حکیم الامت" تو اس دعوت کو "جرمانہ کی دعوت" سے تعبیر فرماتے تھے، مگر بطور ضیافت لڑکی والوں کو دو چار آدمیوں کے کھانا دینے کے سلسلے میں بعض اکابر کے فتوؤں سے گنجائش نکلتی ہے۔ پھر ہمارے ساتھ جو حضرات تھے وہ لوگ ادھر سے بھی مدعو تھے، اس طرح کھانے کی گنجائش معلوم ہوئی۔ پھر بھی مجھے اس مسئلے میں تردد رہا۔ احقر حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم سے اس سلسلے میں پہلے ہی گفتگو کر چکا تھا۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ جہاں تک ہو سکے بچو، جہاں نہ چل سکو تو اس رسم کو رسم سمجھتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا ہے۔

کھانے کے بعد رخصتی ہوئی، رخصتی کے وقت جہیز کا مسئلہ کھڑا ہوا چوں کہ میں نے اور میرے والد بزرگوار نے پہلے ہی سے نہایت سختی سے جہیز کو روک دیا تھا۔ ایک صاحب جو ذرا پڑھے لکھے تھے، بحث کے موڈ میں تھے اور حضرت فاطمہ" کا سامانِ جہیز گنوانے لگے، اس

وقت میں نے حضرت فاطمہؓ کے جہیز پر بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا، (۱) خاموشی اختیار کی اور لڑکی کے ولیمہ میں ان صاحب کو دعوت دیکر اپنے گھر بلالیا۔

دوسرے دن احقر نے ایک مختصر سے ولیمہ کا انتظام کیا جس میں اہل محلہ کے ساتھ قریبی دوست واحباب اور عزیز واقارب کو مدعو کیا، کھانے میں صرف زردہ اور بریانی رکھا اور عصر تک کھانوں سے فراغت ہوگئی۔ شام کو چلتے وقت وہ گل والے صاحب جو جہیز کے بارے میں بحث کرنا چاہتے تھے، ان سے بحث سے پہلو تہی کرتے ہوئے صرف حضرت حکیم الامتؒ کا یہ ارشاد پڑھ کر سنادیا۔ اور بس!

(۱) اتفاق کہ اس وقت کتب حوالہ کا موقع دامن گیر ہے، اس لئے اس سلسلے میں کچھ لکھنا مشکل ہے، ہم یہاں ماہنامہ مظاہر علوم میں شائع شدہ مفتی شعیب احمد صاحب بستوی کے مضمون کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے اس سلسلے میں کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ تفصیل کے لئے مضمون "کیا جہیز سنت ہے؟" ماہنامہ مظاہر علوم ماہ اگست ۱۹۹۹ء کا مطالعہ فرمایا جائے۔

"گو ہمارے آقا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد شادیاں کیں، اپنی لڑکیوں کی شادیاں کیں، لیکن کسی شادی میں کوئی جہیز کا ذکر نہیں ملتا، صرف حضرت زینبؓ کی شادی میں ایک ہار اور حضرت فاطمہؓ کی شادی میں چند چیزوں کا ذکر ملتا ہے۔ اور جو لوگ اسے سنت کہتے ہیں وہ انہیں دونوں واقعوں سے دلیل پکڑتے ہیں۔ لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت زینبؓ کو جو ہار دیا گیا وہ اپنی ماں حضرت خدیجہؓ نے دیا تھا، نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بعثت سے پہلے کا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں تصریح ہے کہ ابوالعاص سے حضرت زینبؓ کی شادی قبل بعثت ہوئی تھی۔ لہٰذا اس کو دلیل بنانا کسی طرح درست نہیں ہو سکتی حضرت فاطمہؓ کی بات تو۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی مشہور کتاب "مدارج النبوۃ" میں حضرت فاطمہؓ کی شادی سے متعلق جو روایتیں نقل فرمائی ہیں، ان سے جہیز فاطمہؓ کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اصل عبارت تو فارسی میں ہے، ہم اس کا اردو ترجمہ درج کرتے ہیں۔

"روایات میں آتا ہے کہ جب نکاح کا ارادہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے، حضرت علیؓ نے کہا کہ ایک گھوڑا اور ایک زرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑا تو تمہاری ضرورت کا ہے، زرہ کو بیچ کر اس کی قیمت میرے پاس لے آؤ۔ حضرت علیؓ نے وہ زرہ چار سو اسی درہم میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کردی اور قیمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھ دی۔ آپ نے ان میں سے ایک مٹھی درہم اٹھا کر حضرت بلالؓ کو دیئے اور فرمایا کہ جاؤ اس سے خوشبو وغیرہ لاؤ اور بقیہ رقم حضرت ام سلیمؓ کو دے دی کہ اس کو جہیز فاطمہ اور ان کے گھر کے ضروری سامان میں خرچ کریں۔

معلوم ہوا کہ جہیز فاطمہ کا انتظام در اصل علیؓ ہی کی رقم سے ہوا تھا، اور یہ اس لئے کہ حضرت علیؓ کے ولی اور سرپرست بھی آپ ہی تھے اور اب تک حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھے۔ حضرت علیؓ کے پاس نہ اپنا کوئی مکان تھا اور نہ کوئی سامان، سامان کا انتظام تو آقا نے اس طرح کردیا اور کرایہ کا مکان لے کر حضرت علیؓ نے اس میں رسم عروسی ادا کی، بعد میں حضرت حارث بن نعمان صحابیؓ نے اپنا مکان ان کو بغیر کرایہ کے دے دیا اور خود دوسری جگہ منتقل ہو گئے، پھر یہ جنتی جوڑا اس مکان میں منتقل ہو گیا۔"

فرمایا: لڑکی کو جو کچھ دینا ہو اس کو رخصتی کے وقت نہ دینا چاہئے، کیوں کہ وہ اس کو دینا نہیں ہے، بلکہ وہ تو ساس سسر کو دینا ہے۔

(جہیز کا سامان) اگر لڑکی کے ہمراہ نہ کیا جاتا تو عقل کے موافق تھا کیونکہ یہ سب سامان لڑکی کو ہی دیا جاتا ہے اور اس وقت قبضہ نہیں کرتی اور نہ اس کو خبر ہوتی ہے، اس کو دینا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سر دست اپنے گھر رکھو۔ جب وہ خوب گھل مل جائے اور پھر جب وہ اپنے گھر آئے اس وقت وہ تمام سامان اس کے سامنے رکھ دو۔ اور کہو کہ یہ سب چیزیں تمہاری ہیں ان میں سے جتنی ضروری ہوں اور جتنا تیرا دل چاہے۔ اور جب جی چاہے اپنی سسرال لے جانا اور جتنی چیزیں رکھنا چاہو یہاں رکھ لو جو چیزیں وہ تمہارے سپرد کرے ان کو احتیاط سے اپنے یہاں رکھ لینا۔

اور مصلحت یہی ہے کہ وہ ابھی (سامان جہیز) نہ لے جائے، کیونکہ اس وقت تو اس کو کوئی ضرورت نہیں۔ کسی وقت جب ضرورت ہوگی لے جاویگی (یہ طریقہ) عقل کے موافق ہونے کے ساتھ اس میں ریاء بھی نہیں، مگر چونکہ اس میں کوئی تفاخر اور دکھاوا نہیں ہے، اس لئے ایسا کوئی بھی نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو لوگ اسے برا بھلا بھی کہیں اور کنجوس بھی بنا دیں۔ کہیں گے کہ خرچ سے بچنے کے لئے شریعت کی آڑ پکڑی ہے (لیکن شریعت اور عقل کے موافق صحیح طریقہ یہی ہے)

(اسلامی شادی ص ۱۲۵)

حضرت حکیم الامت ؒ کا یہ ارشاد سن کر وہ صاحب تو خاموش رہے، مگر بعض دوسرے لوگوں نے یہ سادی شادی دیکھ کر بطور طنز کہا: یہ پہلی شادی تھی کہ چوتھی! کسی نے کہا کہ یہ شادی پڑی تھی کہ میت!! میں نے ان سب طنزوں کو برداشت کرتے ہوئے صرف ایک جواب دیا کہ "یہ شادی نہیں نکاحِ مسنون تھا"

ان طنزیہ جملوں سے بڑھ کر میرے حقیقی ماموں جو مسلکاً بریلوی ہیں ان کا یہ جملہ کہ "میاں مفتی صاحب میں نے بڑے بڑے دیوبندی، عالموں اور مقتیوں کی شادیاں دیکھی ہیں، مگر اس طرح تو کہیں نہیں دیکھا" یقین جانئے جس وقت ماموں جان کے منہ سے یہ جملے ادا ہو رہے تھے میں پانی پانی ہو رہا تھا، جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں دھنس

جاؤں، مگر ان سب باتوں کو برداشت کرتے ہوئے میں اپنا دل مسوس کر رہ گیا اور ماموں کو صرف یہ جواب دیا کہ "ماموں دیوبندی یا بریلوی کوئی دلیل نہیں، اصل دلیل سنت وشریعت ہے اور میں تو لفظ شادی کو بھی پسند نہیں کرتا، قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر میں ہر جگہ لفظ نکاح پڑھا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس لفظ کو بھی بدلا جائے اور لفظ شادی، بارات کی جگہ نکاح اور شرکت نکاح کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔

کبھی یہ مثل مشہور تھی کہ "بنئے کی کمائی، مکان یا بیاہ نے کھائی" مگر آج تو بنئے پیچھے ہو گئے البتہ مسلمانوں کے بارے میں یہ مقولہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی کمائی شادی وبیاہ نے کھائی۔ آج وہ مسلمان جس کے ہادی ورہبر نے آج سے چودہ سو سال قبل یہ تعلیم دی تھی کہ "ان اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ"[1] کہ بلاشبہ سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے، جو خرچ کے حساب سے کم ہو اور جس کا عملی نمونہ بھی آپ ﷺ نے خود اپنی گیارہ بیویوں اور چار بیٹیوں یعنی کل پندرہ نکاحوں میں کر کے بھی دکھلا دیا، مگر ہائے رے انکی امت! آج مسلمانوں کی زبانوں پر تو یہ کلمات ضرور ملیں گے کہ نکاح میرے نبی کی سنت ہے اور نکاح میں کم سے کم خرچ کرنا چاہئے، مگر عملی زندگی میں بالکل صفر نظر آئیں گے۔

اللہ رب العزت ہمیں سنت پر چلنے اور شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بالخصوص شادی بیاہ کی رسموں سے بچنے کے ساتھ مروجہ جہیز کو بند کرنے اور لڑکیوں کو میراث دینے دلانے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

(مفتاح الخیر جلد ۲ شمارہ ۱۷۔۱۸، ۲۰۰۵ء)

ملفوظ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مجددی ؒ

فرمایا: شادیوں میں سب بلائے جاتے ہیں، صرف خدا اور رسول کو رخصت کر دیا جاتا ہے، صرف شادی کے اوقات میں وہ باہر رہتے ہیں، پھر ان سے راہ ورسم پیدا کر لی جاتی ہے۔

(مجالس بالائل دل ص ۲۲)

(۱) مؤنۃ کی ایک شرح حضرات محدثین نے یہ بھی کی ہے کہ مؤنۃ کے لحاظ سے آسان نکاح سے مراد وہ نکاح ہے جس میں بیوی کا مہر کم ہو اور عورت زیادہ مال واسباب اور حیثیت سے زیادہ ضروریات زندگی (یعنی روٹی کپڑا) طلب کر کے مرد کو پریشان نہ کرے بلکہ شوہر کی طرف سے جو کچھ جیسا کیسا مل جائے برضا ورغبت اسی پر قانع رہے۔ (مظاہر حق: ۳/۱۷)

منافقانہ خوش خُلقی اور اسکے مضر اثرات

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک روز اپنی مجلس میں فرمایا:

نفاق کی دو قسمیں ہیں (۱) نفاق اعتقادی۔ (۲) نفاق عملی۔ نفاق اعتقادی تو وہی ہے جسے عام طور پر جانا جاتا ہے جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے "ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار"۔ اور نفاق عملی اسکو کہتے ہیں جو خلافِ شرع ہو مثلاً دل میں حسد لئے بیٹھا ہے، کینہ بھرا پڑا ہے مگر آنے پر السلام علیکم آئیے! آئیے! مزاج شریف؟ خیریت ہے؟ یہ سب کچھ کہتا ہے لیکن کینہ اندر رکھا ہوا ہے اسی کو نفاق عملی کہتے ہیں۔

(تلخیص از مجلس افریقہ غیر مطبوعہ)

زبان پر ثناء، قلب میں بدظنی ہے

حضرت مسیح الامت ؒ کا یہ ارشاد آب زر سے لکھنے اور حرز جان بنانے کے قابل ہے، آج ہمارے معاشرہ میں یہ بیماری بہت تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے، کثرت سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی آرہا ہے تو آتے دیکھ کر کہنے لگتے ہیں وہ دیکھو آرہے ہیں، ابھی ہمارا دماغ خراب کریں گے مجھے تو ان سے بہت الجھن ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ، اور جب آجائے گا تو فرمانا شروع کریں گے، ابھی ابھی میں آپ کو یاد ہی کر رہا تھا کئی دنوں سے آپ کی یاد بہت آرہی تھی، اس طرح کے نہ جانے کیسے کیسے پرفریب جملوں سے اظہارِ محبت کا جھوٹا پل باندھ دیں گے اور جب اٹھ کر چلا جائے گا تو اس کی غیبت شروع کردیں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ایسا کیوں کرتے ہیں کیا حالات کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں نہ صاف صاف کہنے کی جرأت نہیں رکھتے یا اور کوئی بات ہوتی ہے، اگر حالات کی وجہ سے مجبور ہوں یا کوئی دینی یا شرعی مصلحت پیش نظر ہو تو خیر! اجازت ہے۔ نبی پاک ﷺ نے بھی ایک مرتبہ ایک شخص کو اندر سے دیکھ کر حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا "بئس اخو العشیرۃ" کہ یہ آدمی قبیلے کا برا آدمی ہے اور جب وہ آگیا تو آپ ﷺ بڑی خندہ پیشانی اور بشاشت سے اس سے پیش آئے، لیکن

اگر کوئی دینی یا شرعی ضرورت پیش نظر نہ ہو تو ایسا معاملہ کرنا ناجائز وحرام ہے۔

بعض حضرات کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ آخر ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ غیبت کی قباحت اور اکرام مسلم کی فضیلت معلوم ہے) اس کے باوجود ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے بارے میں یہ طرزِ عمل اختیار کرے تو نہایت تعجب کی بات ہے۔ سچ ہے۔ ع

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

صاف گوئی کے اچھے اثرات

اس کے برخلاف جو ایسا نہ کرتا ہو صاف گوئی سے کام لیتا ہو تو اسے دقیانوس، بنیاد پرست، تعطل پسند وغیرہ کے جملوں سے نوازا جاتا ہے یہ دراصل دین سے دوری، ایمان کی کمزوری اور بداخلاقی کی بات ہے، آج کل کی ظاہری رواداری جو خالص منافقت پر مبنی ہوتی ہے جس کو ذہانت و فطانت سے تعبیر کیا جاتا ہے، حالانکہ شریعت کی تعلیم تو حق گوئی اور صاف گوئی ہی کی ہے، صاف گوئی گو وقتی طور پر تلخ معلوم ہوتی ہے؛ مگر بعد میں اس کے اچھے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، صاف گو اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر ہوتی ہے وقت و حالات کے اعتبار سے صاف گوئی اگر حکمت و مصلحت آمیز ہو تو دیکھا یہی گیا ہے کہ گو وقتی طور پر برا لگے نتیجتاً اچھا اثر ہوتا ہے یہ بات دگر ہے بقول حضرت حکیم الامت ؒ کہ ”صاف گو تو ہو مگر صاف گو نہ ہو“ یعنی کہنے کا طریقہ عمدہ ہو جس کو حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: (۱) الفاظ نرم ہوں۔ (۲) چہرہ پر خشونت نہ ہو۔ (۳) بات صحیح اور واقعہ کے مطابق ہو۔ (۴) طریق طعن و تشنیع کا نہ ہو۔

آج کے پرفتن دور میں جو شخص زبان پر کچھ اور دل میں کچھ رکھتا ہو اس کو بڑا عقلمند و ہوشیار سمجھا جاتا ہے اور اس کے برخلاف خالص دینی مزاج رکھنے والے کو باولا، بدھو اور بے وقوف کہا جاتا ہے جب کہ آقاء مدنی ﷺ نے مومن کی یہ صفت بیان فرمائی ہے:

المومن من غر کریم والمنافق خب لئیم (رواہ احمد عن ابی ہریرۃ مرفوعا)

کہ مومن بھولا بھالا ہوتا ہے اور منافق دغاباز، کمینہ ہوتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے ”اکثر اھل الجنۃ البلہ“ (یعنی اکثر اہل جنت بھولے لوگ ہوں گے) (کشف الخفاء، ج۱ ص ۱۸۶)

بھولاپن اور ملا جیونؒ

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بھولے پن میں وفا کی خوشبو ہوتی ہے، بھولا آدمی دھوکے باز نہیں ہوتا، وہ حسن ظن کا خوگر ہوتا ہے، بھولے پن پر حضرت ملا جیونؒ کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ملا جیونؒ سے کسی نے ازراہ مذاق کہہ دیا کہ جمنا کا پل چوری ہو گیا، ملا جیونؒ تو بہت گھبرائے اور ہر آنے جانے والے کو بتانے لگے کہ بھائی جمنا کا پل چوری ہو گیا کسی نے کہا حضرت کہیں جمنا کا پل چوری ہوا کرتا ہے، تو حضرت نے فرمایا کہ جس نے مجھے یہ خبر دی ہے وہ مسلمان ہے اور مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا یہ تو ہو سکتا ہے کہ جمنا کا پل چوری ہو جائے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان جھوٹ بول دے، ملا جیونؒ کا یہ ارشاد کہ "مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا" دراصل اس حدیث شریف کی روشنی میں تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔

مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا

عن صفوان بن سلیم انه قیل لرسول اللهﷺ ایکون المومن جبانا قال نعم فقیل له ایکون المومن بخیلا قال نعم فقیل له ایکون المومن کذابا قال لا۔ (رواہ مالك والبیهقی فی شعب الایمان مرسلا)

حضرت صفوان بن سلیم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہو سکتا ہے، پھر آپ سے پوچھا گیا کہ کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا ہو سکتا ہے پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں۔

اور ایک روایت میں ہے۔

عن ابی امامة قال قال رسول الله ﷺ یطبع المومن علی الخلال کلها الا الخیانة والکذب (مشکوۃ شریف، باب حفظ اللسان... فصل ثالث)

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جھوٹ اور خیانت کے سوا ہر طرح کے خصلت پر پیدا کیا جاتا ہے۔

مومن نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ دھوکہ کھاتا ہے

غرضیکہ مسلمان سیدھا سادہ بھولا بھالا ہوتا ہے مگر اس کے معنی یہ بھی نہیں کہ اسے کچھ پتا ہی نہیں چلتا بلکہ مومن کے بارے میں نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ عزوجل (فیض القدیر، ج۱، ص ۱۴۳)

مومن کی فراستِ ایمانی سے بچو، اس لئے کہ وہ اللہ عزوجل کے نور سے دیکھ لیتا ہے، مسلمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ کسی سے دھوکہ کھاتا ہے، جیسا کہ یہ جملہ مشہور ہے "المومن لا یخدع ولا یخدع"

اللہ رب العزت ہمیں غیبت اور نفاق عملی سے محفوظ و مامون رکھے۔

آمین ثم آمین

(مفتاح الخیر جلد ۲، شمارہ ۳۹، ۲۰۰۹ء)

□□□

مہمانی اور میزبانی کے آداب

تعلیمات نبوی ﷺ میں جہاں دیگر امور معاشرت، رہن سہن کے آداب کی تعلیم دی گئی ہے، وہیں مہمان کی ضیافت اور خاطر مدارات پر بھی زور دیا گیا ہے، حضور اکرم ﷺ بڑے مہمان نواز اور بڑے فیاض تھے، آپ ﷺ نے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مہمانوں کی بھی ضیافت بڑے اہتمام کے ساتھ فرمائی ہے۔

مہمانی کا حق تین دن

ایک حدیث شریف میں ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین دن مہمان نوازی کا حق ہے، پہلے دن اہتمام کے ساتھ اور بعد کے دنوں میں جو بے تکلف میسر آجائے کھلا دیا جائے، اس میں مہمان کی بھی رعایت ہے اور میزبان کی بھی، بلکہ بعض صورتوں میں تو میزبانی کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ (ترمذی، ج ۲، ص ۱۸)

اس حدیث سے ضیافت اور مہمان نوازی کا ثبوت ملتا ہے اور صحابہ کرامؓ کو اس کے آداب کی تلقین کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ مہمان کے لئے مستحب یہ ہے کہ میزبان جہاں بٹھانے کا نظم کرے وہاں بیٹھے، جو کچھ کھانے کے لئے پیش کرے اسی پر راضی رہے، صاحب خانہ کی اجازت سے نکلے اور واپس ہوتے ہوئے دعائیں دے۔

مہمان دوسرے کو کھانا لگا سکتا ہے یا نہیں؟

مدعوئین ایک دوسرے کو کھانا لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بعضوں نے اجازت دی ہے اور بعضوں نے منع کیا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کا انحصار عرف پر ہے، جہاں کے عرف میں مہمانوں کا اس طرح ایک دوسرے کو کھانا لگانا مروج ہو اور اس پر میزبان کو ناگواری نہ ہوتی ہو، تو وہاں ایک دوسرے کو کھانا لگانا جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔

میزبان کیلئے خندہ پیشانی سے ملنا ضروری ہے

میزبان کے لئے مستحب ہے کہ مہمان سے خندہ پیشانی اور گرم جوشی سے ملے، خوش دلی کا مظاہرہ کرے، کھانا پیش کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے کے لئے پانی پیش کرے، کھانے کے درمیان اصرار شدید سے قطع نظر مہمان سے مزید کھانے کی خواہش کرے، مہمانوں سے لطیف گفتگو کرے اور مہمان کے پاس سے غائب نہ رہے، اس کی موجودگی میں اپنے خدام پر برہم نہ ہو، مہمانوں کے پاس ایسے شخص کو نہ بیٹھانا چاہئے جس سے ان کو گرانی اور تکلیف ہو، سب سے اچھی بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے مطابق مہمان نوازی اور میزبانی کا فریضہ بذات خود انجام دینا چاہئے، اس سے میزبان کی شخصیت کو بھی تقویت ملے گی اور مہمان کے دل میں آپ کی وقعت ومنزلت مزید مستحکم ہوگی۔

میزبان کے لئے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا منقول ہے: اللّٰھم بارک لھم فی ما رزقتھم واغفرلھم وارحمھم۔ اور مہمان کے لئے بعد طعام یہ دعا پڑھے: افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملائکہ۔

(مفتاح الخیر جلد/۶/شمارہ ۹/۳/۸ سنہ ۲۰۰۸ء)

□□□

باب چہارم

دعوت و تبلیغ

- امر بالمعروف کون کرے؟
- امر بالمعروف کیسے کریں؟
- کیا علماء کے ذمہ گھر گھر جا کر تبلیغ کرنا ضروری ہے
- حدودِ شریعت کی رعایت

امر بالمعروف کون کرے......؟

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

برائی سے روکنا اور بھلائی کی طرف بلانا ایک ایسا عظیم اور بلند کام ہے، جس کی عظمت و بلندی کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود مالکِ حقیقی نے اس کام اور اس کام کے کرنے والے کی تعریف فرمائی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ" یعنی تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہو، کیونکہ تم نیک کاموں کے لئے حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔

وارثانِ انبیاء

قرآن واحادیث میں جگہ جگہ داعی اور دعوت کی تعریفیں کی گئی ہیں، ان کے فضائل و مناقب بیان کئے گئے ہیں اور اللہ رب العزت نے خاص اسی مقصد کے لئے انبیاء ورسل کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا اور جب نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عظیم الشان کام کی ذمہ داری حضرات علمائے کرام کے سپرد فرمائی اور اس مبارک ومسعود کام کا جوا ان کے کاندھوں پر رکھا اور رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی کہ "العلماء ورثۃ الانبیا الخ" یعنی علمائے امت انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ یہ فضیلت ومرتبہ صرف اسی کام کی وجہ سے ہے کہ نبیوں اور رسولوں کا کام حضرات علمائے کرام کرتے ہیں۔

دعوت وتبلیغ کا کام بہت نازک ہے

دعوت وتبلیغ کا کام جہاں بہت عمدہ اور باعثِ فضیلت ہے وہیں بڑا نازک اور

پر نظر بھی ہے، اسی نزاکت اور نظرات کی بناء پر ہر شخص کو اس کی صلاحیت و قابلیت، علم و فہم اور طاقت و قوت کے مطابق کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب فتاوی ہندیہ میں ہے:

ویقال الامر بالمعروف بالید علی الامراء باللسان علی العلماء وبالقلب لعوام الناس کذا فی الظهیریة وهو اختار الزوندیسی

اور بعض علماء نے فرمایا کہ امراء پر امر بالمعروف ہاتھ سے کرنا واجب ہے اور علماء پر زبان سے اور عوام الناس کے لئے دل سے برا جاننا واجب ہے۔ ایسا ہی ظہیریہ میں ہے کہ اسی کو امام زوندیسی نے اختیار کیا ہے۔ پھر آگے امر بالمعروف کے لئے پانچ شرطیں بیان فرمائیں اور عوام الناس کو اہل علم یعنی قاضی و مفتی کو امر بالمعروف نہ کرنے کی ہدایت کی، اس لئے کہ اہل علم کو امر بالمعروف کرنے میں بے ادبی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

امر بالمعروف کے پانچ شرائط

الامر بالمعروف یحتاج الی خمسة اشیاء اولها العلم لان الجاهل لایحسن الامر بالمعروف والثانی ان یقصد وجه الله واعلاء کلمة العلیاء الثالث الشفقة علی المامور فیامره باللین والشفقة والرابع ان یکون عالمًا بما یامره کی لایدخل تحت قوله تعالی لم تقولون مالاتفعلون" ولایجوز للرجل من العوام ان یامر بالمعروف للقاضی والمفتی العالم الذی اشتهر لانه اساءة فی الادب

امر بالمعروف کے پانچ شرائط ہیں، اول علم، کیونکہ جاہل سے بخوبی امر بالمعروف نہیں ہو سکتا۔ دوم امر بالمعروف سے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اعلائے کلمۃ العلیا مقصود ہو۔ سوم جن کو امر بالمعروف کرتا ہے اس کے حال پر شفقت کی نظر ہو، اس کو نرمی اور مہربانی سے امر و نہی کرے۔ چہارم یہ کہ آمر صابر اور حلیم ہو۔ پنجم یہ کہ جس بات کے کرنے کا حکم دیتا ہے اس کو خود کرتا ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں داخل نہ ہو جائے کہ "کیوں کہتے ہو ایسی بات کہ جس کو خود نہیں کرتے" اور نہیں جائز ہے عوام میں سے کسی کو کہ وہ قاضی یا مفتی یا عالم مشہور کو

امر بالمعروف کرے، اس لئے کہ یہ بے ادبی ہے۔

(فتاوی ہندیہ جلد پنجم ص ۳۵۳ مطبوعہ دار الاشاعۃ العربیۃ مصر، ۱۳۱۰ھ)

ہر شخص دعوت کے کام کا اہل نہیں ہے

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات از ہر وابہر ہوگئی کہ ہر شخص دعوت وارشاد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا اہل نہیں، اس لئے عوام الناس کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ قلب ہی سے امر بالمعروف کریں کیوں وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نشیب وفراز سے یکسر، بابلد اور اس کے اتار چڑھاؤ سے بالکل ناواقف ہوتا ہے اور جب وہ اس کام کو کرے گا جس کا وہ اہل نہیں، تو معاملہ کچھ کا کچھ ہو جائے گا اور بجائے اجر وثواب کے نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بن جائے گا۔

وعظ و بیان کون کرے

امر بالمعروف کون کرے؟ اس سلسلہ میں ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے:

قال رسول اللہ ﷺ لا یقص الا امیر او مامور او مختال (اخرجہ ابو داؤد عن عوف بن مالک الاشجعی)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وعظ نہ بیان کرے مگر خلیفہ یا وہ شخص جو وعظ کہنے پر مامور ہو، یا پھر وہ شخص بیان کرے گا جو متکبر اور ریاکار ہے۔

صاحب مظاہر حق اس حدیث کی شرح وتفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ وعظ کہنا اول تو امیر یعنی حاکم کا حق ہے، کیونکہ وہ رعیت پر سب سے زیادہ مہربان ہوتا ہے اور رعایا کی اصلاح کے امور کو وہ بخوبی جانتا ہے، اگر حاکم خود وعظ نہ کہے تو علماء میں سے جو عالم تقویٰ اور تقدس میں سب سے افضل و اعلیٰ ہو اور دنیاوی طمع نہ رکھتا ہو وہ اسے مقرر کرے گا، تاکہ وہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتا رہے، لہٰذا مامور سے مراد ایک تو وہ عالم ہوگا جس کو حاکم وقت نے رعایا کی اصلاح کے لئے مقرر کیا ہو یا مامور سے مراد وہ شخص ہے جو منجانب اللہ مخلوق کی

ہدایت کے لئے اور اصلاح کے لئے مامور کیا گیا ہو، جیسے علماء اور اولیاء اللہ جو لوگوں کے سامنے وعظ و بیان کیا کرتے ہیں اور مخلوق خدا کی اصلاح و ہدایت میں لگے رہتے ہیں، اس حدیث سے ایسے لوگوں پر زجر و توبیخ مقصود ہے جو طلب و جاہ اور دولت کی خاطر وعظ بیان کرتے ہیں، حالانکہ نہ وہ علمی حیثیت سے اس عظیم منصب کے اہل ہوتے ہیں نہ عملی طور پر وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح و تربیت کا کام کر سکیں، وعظ و اصلاح کا منصب تو علماء ربانیین اور مشائخ اہل حق کا حصہ ہے اور یہی اس کے مستحق اور اہل ہیں، ان کے علاوہ جو وعظ بیان کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ازراہ فخر و تکبر اور حصولِ جاہ و منفعت کی خاطر یہ کام کر رہا ہے جو باعثِ عذاب خداوندی ہے۔"

نیز اس سلسلے میں حضرت ابن عمرؓ نے ارشاد فرمایا:

"لاتأمر بالمعروف ولاتنه عن المنكر حتى تكون عالماً او تعلم ماتأمر به." (کنز العمال ۳/۵۵۶۰ ابن النجار والدیلمی عن ابن عمر)

اس ضمن میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے بڑی قیمتی باتیں اور نصیحتیں "القول الجمیل" میں تحریر فرمائی ہیں اس کے افادیت کے پیش نظر ہم یہاں "القول الجمیل" سے اس کی عبارت مع ترجمہ نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

فاما المذكر فلابد ان يكون مكلفا عدلاً كما اشترطوا في راوي الحديث والشاهد محدثا مفسرا عالما بجملة كافية من اخبار السلف الصالحين وسيرتهم ونعني بالمحدث المشغل بكتب الحديث بان يكون قرأ لفظها وفهم معناها وعرف صحها وسقمها ولو باخبار حافظ او استنباط فقيه وكذالك بالمفسر المشتغل بشرح غريب كتاب الله وتوجيه مشكلة وبماروي عن السلف في تفسيره ويستحب مع ذلك ان يكون فصيحاً لايتكلم مع الناس الا قدر فهمهم وان يكون لطيفاً ذاوجه ومروة

مذکر یعنی نصیحت کرنے والے اور واعظ کے لئے ضروری ہے کہ مکلف ہو یعنی مسلمان

ہو، عاقل ہو، بالغ ہو اور عادل ہو یعنی متقی ہو جیسا کہ راوی حدیث اور شاہد کے معاملے میں علماء نے تکلیف اور عدالت کی شرط لگائی ہے، محدث ہو، مفسر ہو، سلف صالحین یعنی صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے اخبار اور سیر سے فی الجملہ بقدر کفایت واقف ہو اور محدث سے ہم یہ مراد لیتے ہیں کہ کتب حدیث یعنی صحاح ستہ وغیرہ سے اشتغال رکھتا ہو اس طرح کہ اس کے الفاظ کو استاذ سے پڑھ کر سند حاصل کر چکا ہو اور ان کے معانی کو سمجھتا ہو اور احادیث کی صحت وسقم کو معلوم کر چکا ہو، اگر چہ صحت وسقم کی معرفت حافظ حدیث یا فقیہ کے استنباط سے حاصل ہو، اسی طرح مفسر سے ہماری مراد یہ ہے کہ قرآن کی شرح غریب سے اشتغال رکھتا ہو، آیات مشکلہ کی توجیہ وتاویل سے واقف ہو، سلف سے مروی تفسیر کی معرفت رکھتا ہو، اس کے ساتھ مستحب یہ ہے کہ فصیح ہو لوگوں سے ان کے فہم کے مطابق گفتگو کرتا ہو، مہربان، ذی وجاہت اور صاحب مروت ہو۔ (القول الجمیل مع شرح شفاء العلیل، ص ۱۸۰۔۱۸۱، مطبوعہ فرید بک ڈپو دہلی)

غیر عالم وعظ نہ کہے

حضرت شاہ صاحب کے مذکورہ بیان اور حضرت ابن عمرؓ کے اثر، نبی پاک ﷺ کی خبر اور فتاویٰ ہندیہ کی عبارات وغیرہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ وعظ و بیان کا اہل ہر کس ناکس نہیں، بلکہ اس کے مستحق اہل علم اور علمائے کرام ہیں، یہ کام جاہل کا کام نہیں ہے، نہ تو ان کا وعظ و بیان کرنا صحیح اور نہ لوگوں کو ان کا وعظ ہی سننا جائز ہے جیسا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بیان القرآن پارہ چار میں آیت "ولتکن منکم امة الخ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

> "اور علم کی شرط ہونے سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ آج کل جو اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ کہتے پھرتے ہیں اور بے دھڑک روایات اور احکام بلاتحقیق بیان کرتے ہیں سخت گنہگار ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی

کے وعظ کہنے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

''غیر عالم وعظ کبھی نہ کہے، اس میں چند مفاسد ہیں، ایک تو یہ کہ اس میں حدیث کی مخالفت ہے، رسول اللہ ﷺ کا امر ہے کہ ہر کام اس کے اہل کے سپرد کرنا چاہئے، اور آپ ﷺ فرماتے ہیں "اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظروا الساعۃ" (بخاری) کہ جب کام نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو قیامت کے منتظر رہو، گویا نااہل کو کوئی کام سپرد کرنا اتنی سخت بات ہے کہ اس کا ظہور، قیامت کی علامت سے ہے اور یہ امر مصرح اور ثابت ہے کہ جو فعل اختیاری علامات قیامت سے ہوں وہ معصیت اور مذموم ہے اور ظاہر ہے کہ غیر عالم وعظ گوئی کا اہل نہیں، یہ منصب صرف علمائے کاملین کا ہے اس لئے غیر عالم کو اس کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔''

(''الہدیٰ والمغفرۃ'' فضائل علم، ج ۷ ۲ ص ۱۷۱ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ پاکستان)

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنی کتاب ''تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات'' کے ص ۳۲ پر فرماتے ہیں:

''وعظ درحقیقت عالموں کا کام ہے، جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں، اس کے لئے عالم ہونا بہت ضروری ہے''

پھر بحوالہ بہجۃ النفوس، ص ۳۵، پر فرماتے ہیں:

''عام لوگوں کو وعظ کی صورت سے تبلیغ نہ کرنا چاہئے کہ یہ منصب اہل علم کا ہے، جاہل وعظ کہنا شروع کرتا ہے تو غلط صحیح جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے، اس لئے عوام کو وعظ نہ کہنا چاہئے بلکہ گفت و شنید اور نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو احکام سے مطلع کرنا چاہئے''۔

(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات، ص ۳۵ مطبوعہ مکتبہ علیہ سہارنپور)

حضرت حکیم الامتؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ ہر آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا اہل نہیں، بلکہ اس کے اصل حق دار حضرات علمائے کرام و مشائخ عظام ہیں، انھیں کا یہ حق ہے اور انھیں پر وعظ و بیان زیب دیتا ہے، یہ بات

الگ ہے کہ عام آدمی گفت وشنید کے ذریعہ نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو احکام شرع سے مطلع کرسکتا ہے یا پھر علمائے کرام سے سن کر یا ان سے معلوم کر کے لوگوں کو بتا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب ؒ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔

یہاں پہنچ کر یہ وضاحت بھی کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جاہل کے معنیٰ مطلقاً امی کے نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی شیخ کامل کی صحبت میں ایک معتدبہ زمانہ گذار کر مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہے اور شیخ کامل اس کے اندر پوری اور کامل صلاحیت اور فہم وتدین محسوس کر کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کی اجازت دیدے تو پھر اس کا شمار جہال میں نہ ہوگا۔

اللہ رب العزت ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اس کے اہل سے، محل میں، کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین یا رب العالمین

نوٹ: یہ مضمون ماہنامہ التبلیغ برطانیہ ج ۳ شمارہ ۳ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

(مفتاح الخیر ج ۴ شمارہ ۳۳ سنہ ۲۰۰۷ء)

□□□

امر بالمعروف کیسے کریں؟

اگر کسی صاحب عقل وفہم سے سوال کیا جائے کہ اللہ تبارک وتعالی نے یہ دنیا جس میں ہم بستے ہیں اور یہ اسباب دنیا جس سے ہم منتفع ہوتے ہیں آخر اس کو کیوں پیدا کیا؟ کیا اس کے پیدا کرنے کا کچھ مقصد ومحور ہے یا بلا مقصد یونہی پیدا فرما دیا؟ اور پھر اس کے مقاصد کی جانب رہنمائی ورہبری بھی کی گئی یا نہیں؟ اور اس کی طرف توجہ بھی دلائی گئی یا نہیں؟ اگر ہاں! تو اس کے اسباب وذرائع بھی پیدا کئے گئے کہ نہیں؟ یا یونہی شتر بے مہار کی طرح "کلوا وشربوا" پر عمل کرنے اور خواہشات ولذات کے پورا کرنے، طبیعت کے تقاضوں پر عمل کرنے کے لئے پیدا کر دیا گیا؟ تو یقیناً ضرور بالضرور اس صاحب فہم وبصیرت اور عقل وخرد سے بھرپور انسان کا جواب ہوگا کہ ایسا ہر گز نہیں بلکہ حضرتِ انسان کی بعثت کا ایک خاص مقصد اور خاص نصب العین ہے، اور اس کی طرف اس کی رہبری ورہنمائی بھی کی گئی، اس کے لئے انبیاء ورسل کی بعثت کا سلسلہ جاری فرمایا گیا اور خود خالق انسان ومالک کائنات کا ارشاد گرامی ہے:

تخلیق انسانی کا مقصد عبادت ہے

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔ اور

"واعبد ربك حتى يأتيك اليقين" اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کی موت آجاوے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

قرآن بار بار چیخ چیخ کر نہایت ہمدردی ودلسوزی سے اعلان کر رہا ہے، تمہیں پکار رہا ہے اور آواز دے رہا ہے کہ اے انسانو! کدھر جا رہے ہو؟ تمہاری منزل وہ نہیں جدھر تم جا رہے ہو! آؤ ادھر آؤ! ہم نے تو تم کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور

تمہارے علاوہ بقیہ چیزوں کو تمہارے ہی منافع وفوائد کے لئے پیدا کیا ہے۔

عبادت کے معنیٰ ومفہوم

غور کیجئے! فکر تدبر سے کام لیجئے! اپنے دماغ پر زور ڈال کر سوچئے، سمجھئے کہ عبادت کس کو کہتے ہیں اس کا کیا معنیٰ ومفہوم ہے؟ یہ عبادت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا وسیع معنیٰ ومفہوم ہے بس مختصراً بطور خلاصہ یوں سمجھئے کہ مالک حقیقی کے ہر حکم کی تابعداری و فرمانبرداری کا نام عبادت ہے، اب عبادت خواہ نماز روزہ کے قبیل سے ہو خواہ حج وزکوٰۃ کی شکل میں ہو خواہ تجارت وزراعت کی صورت میں ہو اگر نیت قرب الٰہی ورضاء خداوندی ہے تو اسے بھی عبادت ہی گردانا جائے گا اور اطاعت ہی شمار کیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ زندگی کا مقصد عبادت، زندگی کا محور عبادت، زندگی کا نصب العین عبادت، تو کیا اپنی نماز پڑھ لینا، روزہ رکھ لینا، تسبیحات پڑھ لینا ہی عبادت ہے یا اور بھی کچھ دیگر عبادات اور فرائض و ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس بارے میں جب ہم قرآن عزیز پر نظر ڈالتے ہیں اور غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف اپنے آپ کو دریا کے اس پار کر لینا، اپنے دامن کو خاک آلود ہونے سے بچا لینا، اپنے کو معصیت وگناہوں کے کاموں سے بچا لینا، ہر وقت ذکر وتلاوت میں مشغول رہنا ہی عبادت نہیں ہے، بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کی بھی فکر کرنا جزو ایمان و داخل عبادت ہے، چنانچہ کلام اللہ میں صاف صاف اعلان ہے اور حکم دیا جا رہا ہے۔

"اُدع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة" آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

گو اس آیت شریفہ کے اول مخاطب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ ہی کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلائیے مگر مقصد خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں ہیں بلکہ اصالۃً جمیع مومنین ومسلمین کو بھی حکم دیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ ارشاد ربانی ہے۔

"قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى" آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ دلیل پر قائم

ہوں میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس وقت اول الذکر آیت شریفہ سے میرا مقصد بس دو چیزیں ہیں اول حکمت، دوم موعظۃ الحسنہ جیسا کہ صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ اس آیت کے نسق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصول دعوت اصل میں دو چیزیں ہیں: حکمت اور موعظت، تیسری چیز مجادلہ دعوت میں شامل نہیں ہے ہاں طریق دعوت میں کبھی اس کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔

دعوت و تبلیغ کے ان دونوں طریقوں پر ایک سرسری نظر ڈالتے چلئے اور ملاحظہ فرماتے چلئے کہ حکمت وموعظت سے کیا مراد ہے؟

حکمت

حکمت سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ واٹل مضامین دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے مخاطب کی رعایت کرتے ہوئے اور آپ کے فرمان "کلموا الناس بقدر عقولھم" کے پیش نظر تبلیغ کی جائے، جن کو سن کر فہم وادراک والا آدمی طاعت کے لئے گردن جھکا دے، دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑ جائیں، صاحب روح المعانی نے یہی مطلب ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ حکمت سے مراد وہ بصیرت ہے جس کے ذریعہ انسان مقتضیات احوال کو معلوم کر کے اس کے مناسب کلام کرے وقت اور موقع ایسا تلاش کرے کہ مخاطب پر بار نہ ہو، نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار کرے اور جہاں یہ سمجھے کہ صراحۃً کہنے میں مخاطب کو شرمندگی ہوگی وہاں اشارے سے کلام کرے یا کوئی ایسا عنوان اختیار کرے کہ مخاطب کو شرمندگی نہ ہو اور نہ اس کے دل میں اپنے خیال پر جمنے کا داعیہ پیدا ہو۔ (مستفاد از تفسیر عثمانی، معارف القرآن)

موعظت حسنہ

موعظۃ حسنۃ سے مراد مؤثر اور رقت آمیز نصائح ہیں کہ جس میں نرم خوئی اور دل سوزی کی روح بھری ہوئی ہو اخلاص، ہمدردی، شفقت وحسن اخلاق سے، خوب صورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے بسا اوقات سخت دل موم ہو جاتے ہیں، مردوں میں جانیں پڑ جاتی ہیں، ایک مایوس و پژمردہ قوم جھرجھری لے کر کھڑی ہو جاتی ہے، لوگ

ترغیب وترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگتے ہیں اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی فہیم نہیں ہوتے مگر طلب حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں ان میں موثر وعظ و پند سے عمل کی ایسی اسٹیم بھر دی جاتی ہے جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ ممکن نہیں۔ (ماخوذ از تفسیر عثمانی)

موعظة کے لفظ سے خیر خواہی کی بات موثر انداز میں کہنا تو واضح ہوگیا تھا، مگر خیر خواہی کی بات بعض اوقات دل خراش عنوان سے یا اس پیرایہ میں کہی جاتی ہے جس سے مخاطب اپنی اہانت محسوس کرے اس طریقہ کو چھوڑنے کے لئے لفظ حسنہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔
(ماخوذ از معارف القرآن)

سبحان اللہ!! کیا کہنا اعجاز قرآنی وآیات ربانی کی فصاحت و بلاغت کا اس مختصر سی آیات میں دعوت وتبلیغ کا مکمل نصاب اور اس کے اصول وضوابط اور آداب کی پوری تفصیل چند کلمات میں سمو دی گئی ہے۔

آداب تبلیغ

مذکورہ بالا آیات شریفہ سے معلوم ہوا کہ جہاں انسان کو خود مولائے حقیقی کی عبادت کرنا فرض ہے، وہیں دوسروں کو بھی دعوۃ الی الحق اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا لازم وضروری ہے، نیز جس طرح دیگر طاعات وعبادات میں کچھ حدود وقیود ہیں بالکل اسی طرح تلقین وتوحید واحیاء دین کے بھی کچھ آداب وشرائط ہیں بغیر ان آداب وشرائط اور حدود وقیود کو اختیار کئے اور ان پر عمل کئے فریضۂ خداوندی کو بحسن وخوبی انجام نہیں دیا جاسکتا ہے۔

الغرض جس طرح نماز، روزہ، حج وزکوۃ فریضۂ اسلام میں ہیں اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی فریضۂ خداوندی ہے، اور ہمیشہ بندگان خدا اس فریضۂ خداوندی کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے اور جس طرح دیگر عبادات کے طریق وآداب بتلائے گئے نیز اسی طرح اس کا بھی طریقہ وضابطہ بتلایا گیا کہ کس اندازہ کس طریقہ میں امر بالمعروف کیا جائے اور کس وقت کس سے اعراض کیا جائے پھر تبلیغ واصلاح بھی نہایت دلسوزی وہمدردی اور اخلاص کے ساتھ ہو اور اسلوب بھی بہتر اور رقت آمیز ہو توہین آمیز یا تذلیل آمیخت نہ ہو جو عناد وسرکشی

کا باعث اور عدم قبول کا سبب بنے۔

ایک روایت میں حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں:

"من وعظ اخاه بالعلانیة فقد شانه، ومن وعظه سراً فقد زانه" جس نے اپنے بھائی کو سب کے سامنے نصیحت کی اس نے اس کو ذلیل کیا اور جس نے تنہائی میں نصیحت کیا اس نے اس کو مزین کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عمل سے استدلال

واقعہ بھی یہی ہے کہ تنہائی کی نصیحت مؤثر ہوتی ہے، ہر شخص اسے بآسانی قبول کر لیتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے، قرآن وحدیث میں بھی اس طرز واسلوب میں تبلیغ ونصیحت کرنے حکم ہے، مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں کہ جب حضرت ابراہیم نے خواب میں دیکھا کہ اپنے لاڈلے و چہیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہا ہوں، تو اپنے پیارے و چہیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بلایا اور تنہائی میں لے جا کر اپنا خواب اس طرح بیان فرمایا "یا بنی انی أری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تریٰ" برخودار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بامر الٰہی) ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

سبحان اللہ! قربان جائیے انبیاء علیہم السلام کے طرز تبلیغ وتعلیم پر کہ اتنا سخت مضمون جو دل دہلانے والا ہے، ایسا عجیب وغریب اور سہل انداز اختیار فرمایا کہ مخاطب پر دباؤ اور بوجھ ذرا برابر نہ ہو، گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ سے مشورہ کیا اور خواب کی تعبیر پوچھی کہ "فانظر ماذا تریٰ" حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پورا پورا ذبح کرنے کا ارادہ تھا۔ اس لئے کہ انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے مگر اس کے باوجود یہ نہیں فرمایا کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے، میں تجھ کو ذبح کرنے کے لئے لایا ہوں پس تو ذبح ہونے کے لئے تیار ہو جا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس نہایت سخت مضمون کو جو طبیعت کو نہایت خوف زدہ کرنے والا تھا ایسے انداز میں بیان فرمایا اور ایسا عنوان اختیار کیا کہ حضرت اسماعیل

علیہ السلام فوراکہہ اٹھے:

"یا ابت افعل ماتومر الخ" یعنی اے اباجان آپ ضرور کر گزریئے جو آپ کو حکم دیا جارہا ہے اور فوراذبح ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

حضرت موسیٰ وہارون کو نرم گوئی کی تلقین

جب حضرت موسی وہارون علیہم السلام کو فرعون کے پاس تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تو اللہ تبارک وتعالی نے حضرت موسی وہارون کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ "فقولا له قولا لينا لعله يتذكر أو يخشى" اے موسی وہارون جب فرعون کو دعوت وتبلیغ کرنا تو نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت مان لے اور ایمان لائے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ ہر داعی حق کو ہر وقت سامنے رکھنا ضروری ہے کہ فرعون جیسا سرکش کافر جس کی موت بھی علم الٰہی میں کفر ہی پر ہونے والی تھی، اس کی طرف بھی جب اللہ تعالی اپنے داعی کو بھیجتے ہیں تو نرم گفتار کی ہدایت کے ساتھ بھیجتے ہیں آج ہم جن لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں اور ہم میں سے کوئی موسی وہارون علیہم السلام کے برابر ہادی و داعی نہیں تو جو حق اللہ تعالی نے اپنے دونوں پیغمبروں کو نہیں دیا کہ مخاطب سے سخت کلامی کریں اس پر فقرے کسیں اس کی توہین کریں وہ حق ہمیں کہاں سے حاصل ہو گیا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز فہمائش

خود ہم اپنے آقائے نامدار فخر موجودات سرور کائنات احمد مجتبی نبی مصطفی شفیع اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کو اس سلسلہ میں دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کس انداز کس طرز واسلوب اور کس محبت وہمدردی سے فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

ایک نوجوان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجئے (اس لئے کہ میں اپنے نفس پر کنٹرول نہیں کرسکتا) اس بات کو سن کر حاضرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ناگوار ہوئی اور وہ چیں بجبیں

ہوئے، لیکن جناب محمد رسول ﷺ نے اس نوجوان کو اپنے قریب بلایا اور فرمایا (اے میرے بھائی تم نے مجھ سے سوال کیا ہے کیا ایک سوال میں بھی کرلوں، اس نوجوان نے عرض کیا یارسول اللہ کیا سوال ہے آپ نے فرمایا) اگر کوئی دوسرا آدمی تمہاری ماں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو پسند کروگے، اس نوجوان نے کہا کہ نہیں یارسول اللہ، آپ نے فرمایا کہ اور لوگ بھی پسند نہیں کرتے کہ انکی ماؤں کے ساتھ زنا کیا جائے الخ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمہاری بیٹی یا تمہاری بہن کے ساتھ یہ معاملہ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو پسند کروگے؟ اس نوجوان نے کہا کہ نہیں یارسول اللہ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمہاری پھوپھی یا تمہاری خالہ کے ساتھ یہ معاملہ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو پسند کروگے، اس نوجوان نے کہا کہ نہیں یارسول اللہ میں اس کو پسند نہیں کرونگا، پھر آپ ﷺ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کی مغفرت فرما اس کے دل کو پاک اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔ (روایت میں ہے کہ) اس کے بعد اس نوجوان کے دل میں کبھی اس کام کا داعیہ اور وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا اور وہ اس فعل بد کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوئے۔ (اخرجہ احمد فی مسندہ ۵/۲۵۶-۲۵۷)

قربان جایئے جناب نبی کریم ﷺ پر کہ کیا ہی انوکھا اور اچھا طرز اور کیسی حکمت و مصلحت اور نرمی وخوش اسلوبی سے آپ ﷺ نے اس نوجوان کو سمجھایا کہ بات دل میں اترتی چلی گئی گو صحابہؓ کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی اور اس نوجوان کا اس کی اجازت طلب کرنا برا معلوم ہوا۔ لیکن آپ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ بیچارہ بیمار ہے، اس کے علاج کی ضرورت ہے، یہ مستحق غضب وغصہ نہیں بلکہ رحم وترس کھانے کا مستحق ہے اس لئے آپ نے محبت وشفقت سے بلایا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر معقول انداز میں محبت سے سمجھایا۔ آج اگر کسی شیخ یا پیر سے کوئی ایسا سوال کردے تو بس نہ پوچھئے اس پر برس پڑیں گے آگ بگولہ ہوجائیں گے، اور نہ معلوم کیسے کیسے فتوے جڑدیں گے۔

اس قسم کے بے شمار واقعات وروایات ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں مگر ہم یہاں بخوف طوالت نقل کرنے سے عاجز وقاصر ہیں۔

علاوہ ازیں اگر ہم صحابہؓ وتابعینؒ اور سلف صالحینؒ کی تبلیغ واصلاح پر ایک نظر ڈالیں تو

معلوم ہوگا کہ اسلاف واکابر نے بھی نبی پاک ﷺ کے اسی طرز اسلوب اور اسی ڈھنگ وطریقہ پر حکمت وموعظت کا پورا پورا خیال فرماتے ہوئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرمایا۔ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، بات پوری کہی اور ادب وبزرگی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا، محبت، اخوۃ اور بھائی چارہ کے دامن کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا، تذلیل وتحقیر بھی نہیں ہونے دی، حسن اخلاق ونیک نیتی سے حق بات کہہ کر دلوں کو جیت لیا اور لوگوں کے قلوب پر اپنی حکمرانی جمالی، نصیحت اس طور پر کی کہ مخاطب پر ذرہ برابر دباؤ نہ پڑے اور اعراض عن الحق کا باعث نہ بنے --- جیسا کہ حضرت تھانوی ؒ شاہ عبدالقادر ؒ کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر ؒ کا انداز اصلاح

ایک مرتبہ شاہ صاحب ؒ کے وعظ میں ایک شخص حاضر ہوا آپ نے دیکھا کہ اس کا پاجامہ ٹخنے سے نیچے ہے جب وعظ ختم ہوا اور لوگ چلنے لگے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ آپ ٹھہر جائیں مجھ کو آپ سے ایک کام ہے، جب سب چلے گئے تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں نے آپ کو اس لئے روکا ہے کہ بھائی ذرا میرا پاجامہ دیکھو مجھ کو شبہ یہ ہوتا ہے کہ میرا پاجامہ ٹخنوں کے نیچے لٹک جاتا ہے، آیا یہ میرا خیال ہے یا واقعی ٹخنوں کے نیچے ہے کیوں کہ جس کا پاجامہ ٹخنوں کے نیچے ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا وغیرہ وغیرہ، تو بھائی دوزخ کا عذاب سخت ہے، مجھے اس لئے ڈر لگتا ہے ذرا اچھی طرح میرے پاجامے کو دیکھ لو، یہ شخص سنتے ہی شرما گیا اور کہا حضرت آپ کا تو پاجامہ اوپر ہے میرا ہی نیچے ہے میں توبہ کرتا ہوں اور آئندہ اس کا خیال رکھوں گا۔ (خطبات حکیم الامت ؒ)

نیز بالکل اسی نوع کا ایک واقعہ شاہ عبدالعزیز ؒ کا بھی ہے، احقر اس وقت واقعات میں نہیں جانا چاہتا ورنہ تو ہمارے اسلاف کے ہزارہا واقعات اس سلسلہ میں موجود ہیں۔ آج ہم اسلاف واکابر کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہمارا بزرگوں کے طریق پر کہاں تک عمل ہے، اسلاف واکابر نے تو حرام چیزوں سے بھی ایسے انداز میں روکا کہ مخاطب کو برا بھی نہ لگے اور اس کی اصلاح بھی ہو جائے دراصل یہ جب ہوتا ہے جب کہ دل میں امت کی اصلاح کی تڑپ ہو آج ہم حرام تو درکنار مباحات و

مستحبات پر اس طرح نکیر کرتے ہیں کہ مخاطب کے دل میں ماننے کا تو کیا داعیہ پیدا ہوتا بلکہ مزید متنفر ہو جاتا ہے اور جب کہا جائے کہ اس انداز میں نکیر نہ فرمائیے تو ہمارا یہ جواب ہوتا ہے کہ کب تک نرمی اور مصلحت کا معاملہ کیا جائے، اب وہ زمانہ نہیں رہا اب تو سختی سے روک ٹوک کا زمانہ ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہماری نکیر سے بجائے اصلاح کے بگاڑ و فساد اور بجائے قبول کے اعراض ہوتا جا رہا ہے اگر بزرگوں کے ان طریقوں پر عمل نہیں کیا جائے گا اور دعوت تبلیغ میں اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا تو وہ دن دور نہیں کہ ہماری اصلاح، اصلاح نہیں بلکہ فتنہ وفساد بن جائے گا، اسی بات کی طرف حضرت علیؓ کے اثر میں توجہ دلائی گئی ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"کلموا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ و رسولہ"

(اتحاف، ا، ص ۲۲۲)

یعنی جب لوگوں کے سامنے دین کی بات پیش کی جائے تو وہ ایسے انداز و اسلوب میں ہو کہ لوگوں کے اندر بغاوت پیدا نہ ہو، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ اسی طرف عبداللہ بن ابی عائشہ کا قول بھی نشاندہی کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی عائشہ فرماتے ہیں کہ:

''لوگ امر بالمعروف کرتے ہیں لیکن اس طرح کرتے ہیں کہ معروف منکر ہو جاتا ہے، امور میں نرمی کیا کرو تا کہ اپنے مطلوب کو پاؤ۔'' (اسوۃ الصالحین)

جیسا منکر ویسا نکیر

مذکورہ بالا احادیث، و آثار گناہ کبیرہ سے متعلق تھے، جب اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حزم و احتیاط کا معمول اور طریقہ یہ تھا تو مستحبات وغیرہ سے متعلق جو طرز عمل رہا ہوگا ظاہر و باہر ہے۔

مگر آج کل کے نام نہاد مصلحین کا عجب عالم ہے کہ اگر کسی کا کوئی مستحب عمل چھوٹ جائے یا آداب کے ادا کرنے میں کوتاہی ہو جائے تو اگر مسجد میں یا مجمع عام میں ہیں تو وہیں ایک ہنگامہ برپا اور طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی جاتی ہے یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ اس کا مخاطب پر کیا اثر ہوگا، حالانکہ امر غیر منکر پر نکیر خود امر نکیر ہے -- پھر اگر یہ

طرز عمل اپنے مریدین و مخصوصین کے ساتھ ہوتا تو ایک حد تک گوارا کیا جاسکتا تھا، مگر ایسا نہیں، بلکہ ہر عام خاص اس زجر و توبیخ میں شامل ہوتا ہے جب کہ مستحب عمل پر نکیر کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم وعمت فیوضھم فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات میں کوتاہی کر رہا ہو، یا کسی واضح گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو تبلیغ کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا فرض ہے۔ شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جو فرض اور واجب نہیں ہیں، بلکہ مستحب ہیں۔ مستحب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اس کو کریگا تو ثواب ملے گا، نہیں کریگا تو کوئی گناہ نہیں۔ یا شریعت کے آداب ہیں جو علماء کرامؒ بتاتے ہیں۔ ان مستحبات اور آداب کے بارے میں حکم یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی ترغیب دی جائے گی کہ اس طرح کرلو تو اچھی بات ہے، لیکن اس کے نہ کرنے پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص اس مستحب کو انجام نہیں دے رہا ہے تو آپ کے لئے اس کو طعنہ دینے یا ملامت کرنے کا کوئی جواز نہیں کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ ہاں! اگر کوئی تمہارا شاگرد ہے، یا بیٹا ہے، یا تمہارے زیر تربیت ہے مثلاً تمہارا مرید ہے تو بیشک اس کو کہہ دینا چاہیے کہ فلاں وقت میں تم نے فلاں مستحب عمل چھوڑ دیا تھا، اس کو کرنا چاہئے، لیکن اگر ایک عام آدمی کوئی مستحب عمل چھوڑ رہا ہے تو اس صورت میں آپ کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ بعض لوگ مستحبات کو واجبات کا درجہ دے کر لوگوں پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں کہ تم نے یہ کام کیوں چھوڑا؟ حالانکہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تو یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے فلاں مستحب کام کیوں نہیں کیا تھا؟ نہ فرشتے سوال کرینگے، لیکن تم خدائی فوجدار بن کر اعتراض کر دیتے ہو کہ یہ مستحب کام تم نے کیوں چھوڑ دیا؟ یہ عمل کسی طرح بھی درست نہیں۔

اذان کے بعد دعا پڑھنا

مثلاً اذان کے بعد دعا پڑھنا مستحب ہے اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمدن الوصیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس دعا کی ترغیب ہے کہ ہر مسلمان کو اذان

کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ یہ بڑی برکت کی دعا ہے، اس لئے اپنے بچوں کو اپنے گھر والوں کو اس کی تعلیم دینی چاہئے کہ یہ دعا پڑھا کریں۔ اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو بھی اس دعا کو پڑھنے کی ترغیب دینی چاہئے، لیکن اگر ایک شخص نے یہ دعا نہیں پڑھی، اب آپ اس پر اعتراض شروع کر دیں کہ تم نے یہ دعا کیوں نہیں پڑھی؟ اور اس پر نکیر شروع کر دیں، یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ نکیر ہمیشہ فرض کے چھوڑنے پر یا گناہ کے ارتکاب پر کی جاتی ہے، مستحب کام کے ترک پر کوئی نکیر نہیں ہو سکتی۔

آداب کے ترک پر نکیر جائز نہیں

بعض اعمال ایسے ہیں جو شرعی اعتبار سے مستحب بھی نہیں ہیں، اور قرآن و حدیث میں ان کو مستحب قرار نہیں دیا گیا، البتہ بعض علماء نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے۔ مثلاً بعض علماء نے یہ ادب بتایا ہے کہ جب کھانا کھانے کے لئے ہاتھ دھوئے جائیں تو ان کو تولیہ یا رومال، وغیرہ سے پونچھا نہ جائے۔ اسی طرح یہ ادب بتایا کہ دسترخوان پر پہلے تم بیٹھ جاؤ کھانا بعد میں رکھا جائے، اگر کھانا پہلے لگا دیا گیا، تم بعد میں پہنچے تو یہ کھانے کے ادب کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ آداب کہیں بھی موجود نہیں ہیں، لیکن علماء کرامؒ نے یہ کھانے کے آداب بتائے ہیں، ان کو مستحب کہنا بھی مشکل ہے۔ اب اگر ایک شخص نے ان آداب کا لحاظ نہ کیا مثلاً اس نے کھانے کے لئے ہاتھ دھو کر تولیہ سے پونچھ لئے، یا دسترخوان پر کھانا پہلے لگا دیا گیا اور وہ شخص بعد میں جا کر بیٹھا تو اب اس شخص پر اعتراض کرنا اور اس کو یہ کہنا کہ تم نے شریعت کے خلاف یا سنت کے خلاف کام کیا۔ یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ آداب نہ تو شرعاً سنت ہیں اور نہ مستحب ہیں۔ اس لئے ان آداب کے ترک کرنے والے پر اعتراض اور نکیر کرنا درست نہیں۔ ان معاملات کے اندر ہمارے معاشرے میں بہت افراط اور تفریط پائی جاتی ہے اور بعض اوقات چھوٹی چھوٹی بات پر بڑی نکیر کی جاتی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں۔ (اصلاحی خطبات ج ۴، ص ۴۵)

ایک جگہ اس سلسلے میں اپنے والد بزرگوار حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک ملفوظ نقل فرماتے ہیں:

''حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ نکیر (ملامت) ہمیشہ منکر (یعنی) ناجائز

بات) پر ہونی چاہیے اور غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے۔ لہذا بعض لوگ جو مباحات پر یا محض آداب و مستحبات کے ترک پر نکیر کرنا شروع کر دیتے ہیں، ان کا طرز عمل درست نہیں ہے۔ آداب و مستحبات کی تعلیم و تبلیغ تو کرنی چاہیے، ان کی ترغیب بھی دینی چاہیے، اگر کوئی شخص کسی مستحب کو چھوڑ دے تو اسے تنہائی میں نرمی سے متوجہ کرنے میں بھی مضائقہ نہیں، لیکن اس پر نکیر و ملامت کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو حضرات محض کسی ترک مستحب پر مجمع عام میں روک ٹوک یا ناراضگی کا اظہار شروع کر دیتے ہیں ان کے طرز عمل میں دو غلطیاں ہوتی ہیں، ایک تو غیر منکر پر نکیر کرنا، دوسرے جس شخص پر روک ٹوک کی جارہی ہے اسے مجمع عام میں رسوا کرنے کا انداز اختیار کرنا اور اللہ بچائے بعض اوقات اس تمام نکیر و علامت کے پس پشت عجب و پندار اور نفسانیت بھی کارفرما ہوتی ہے جو ایک مستقل گناہ ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو حضرات اس طرز عمل پر کاربند ہوتے ہیں۔ عام طور سے دیکھا یہ ہے کہ دین کے اہم معاملات سے ان کی نگاہیں اوجھل رہتی ہیں۔ آداب و مستحبات بڑے محبوب اعمال ہیں، ان پر جتنا وسعت میں ہو، عمل کرنا چاہیے، اور دوسروں کو پیار محبت سے ان کی ترغیب بھی دینی چاہیے، لیکن ان ترک پر نکیر و ملامت کا اندازہ اختیار کرنا درست نہیں۔" (میرے والد میرے شیخ، ص ۱۴۱)

امر مباح پر تاکد و اصرار بدعت ہے

یہاں پہنچ کر ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ ایک اصول یعنی ایمان وغیرہ کی تبلیغ ہے دوسرے فروع یعنی اعمال وغیرہ کی تبلیغ ہے، پھر ان میں بھی ہر ایک کے درجات و مراتب ہیں، افراط و تفریط سے بچنے کی ہر جگہ ضرورت ہے، اگر کوئی شخص امر مستحب اور امر مباح پر تاکد و اصرار کرے تو یہی فعل مباح بدعت بن جائے گا۔

اگر واجبات و فرائض میں کوتاہی ہو رہی ہو تو اب نکیر بھی واجب و فرض کی طرح کی جائے گی، اگر مستحبات چھوڑے جا رہے ہوں اس پر نکیر کرنا بھی مستحب ہی ہوگا۔ اب اگر اس کے درجہ و حدود سے تجاوز کیا گیا تو یہی فعل بدعت بن جائے گا۔

درشتی و نرمی بہم در بہ است

امر بالمعروف نہی عن المنکر میں درشتی و نرمی دونوں ساتھ ملی جلی رہے، جس طرح کہ ڈاکٹر آپریشن کرتا ہے اور پھر مرہم بھی رکھتا ہے، اسی طرح شریعت کے وہ امور جن پر سختی کی ضرورت ہے ان پر سختی سے کام لیا جائے اور جن امور میں نرمی کی حاجت ہے ان میں نرمی اختیار کی جائے -- داعی اور مبلغ کی مثال طبیب شفیق کی طرح ہونی چاہئے کہ جس طرح طبیب مریض پر غصہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے علاج کی فکر کرتا ہے پھر علاج میں بھی جس کی ضرورت پہلے محسوس کرتا ہے اس کی طرف پہلے توجہ کرتا ہے، پھر اصل مرض کی نہیں بلکہ سبب مرض وعلت کی طرف توجہ کرتا ہے۔ سو اسی طرح ایک داعی و مبلغ کو بھی ہونا چاہئے۔

شریعت نے جن چیزوں پر سختی نہیں کی ہمیں کہاں سے حق پہنچتا ہے کہ ہم ذرا ذرا سی باتوں پر روک ٹوک کریں اور آداب و مستحبات کو فرائض و واجبات کا درجہ دیکر تبلیغ کریں۔ علاوہ ازیں بات کہنے کا طریقہ بھی درست ہو، پیار و محبت، خیر خواہی کے ساتھ ہو، نرمی و ایثار کا عنصر غالب ہو، دل شکنی و بکی نہ ہو، لہجے میں کرختی و سختی نہ ہو، ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ مخاطب کے مزاج و مذاق کی بھی پوری رعایت ہو اور ان امور کے ساتھ ساتھ تبلیغ کرنے سے پہلے خود بھی عامل ہو اور نیت بھی درست ہو، پھر مزید اپنی باتوں میں اثر پیدا کرنے کے لئے سوز و گداز اور تڑپ کے ساتھ اس کے لئے دعاء نیم شبی و آہ سحر گاہی بھی ہو، پھر دیکھئے باتوں میں اثر کیوں نہ ہوگا؟ شرط یہ ہے کہ ہمارے اندر اخلاص و ہمدردی لوگوں کی اصلاح کی بے چینی ہو تو انشاء اللہ ضرور بالضرور اثر ہوگا۔

حق بات اگر حق طریقے سے کہی جائے تو اثر لازمی ہے

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرمایا کرتے تھے:

”حق بات اگر حق نیت سے اور حق طریقہ سے کہی جائے تو کبھی رائیگاں نہیں جاتی، اس کا کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔ بات جب بھی بے اثر ہوگی تو یا تو وہ خود حق بات نہ ہوگی یا بات حق ہوگی مگر کہنے والے کی نیت حق نہ ہوگی، یا بات بھی حق ہوگی، نیت بھی حق ہوگی لیکن کہنے کا طریقہ صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن اگر یہ تینوں شرائط موجود ہوں تو بات کے غیر موثر ہونے کا کوئی

سوال ہی نہیں۔" (اکابر دیوبند کیا تھے)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں نرم گفتاری اور اچھے عنوان سے بات کہنے کے بارے میں محی السنہ حضرت مولانا ہردوئی ؒ نے ایک سلسلہ بیان میں یوں فرمایا:

نرم گو لیکن مگو غیر صواب

"اس سلسلہ میں عنوان کا بڑا خیال رکھنا چاہیے، عنوان ایسا ہو کہ جس سے توحش نہ ہو، نرم عنوان اور اچھے عنوان سے بات کرنی چاہئے، عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے، اچھی بات بھی اگر بھونڈے طریقے سے کی جائے تو اس کے غلط اثرات پڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی کی دعوت کرنا اور کھانا کھلانا اچھی بات ہے، عمدہ چیز ہے، لیکن اس کے لئے انداز بھونڈا اختیار کیا جائے تو بجائے دعوت قبول کرنے کے طبیعت مکدر ہو جائے گی۔ مثلاً گھر میں کوئی بزرگ تشریف لائے، دوپہر کا وقت ہے، لوگ ملنے کے لئے آئے اور بیٹھ گئے، اب کھانے کا وقت آگیا تو حاضرین کو کھانے میں بزرگ کے ساتھ شرکت کی دعوت دینے کے لئے یوں کہے کہ اچھا بھائی آپ لوگ جے بیٹھے ہیں اٹھنے کا نام نہیں لیتے تو آپ لوگ بھی ہاتھ دھولیں، بتائیے اس عنوان سے کتنے لوگ کھانے میں شریک ہوں گے، کوئی بھی شریک نہیں ہوگا، اگر بھوک بھی لگی ہوگی پھر بھی شریک نہیں ہوگا، بات کیا، بے سلیقہ انداز اختیار کیا اور اگر اسی بات کو اس طرح کہے کہ آپ لوگوں کی دعوت کرنا چاہتا تھا، یہ موقع اچھا ہے آپ لوگوں سے بھی ماحضر تناول فرمانے کی گذارش ہے۔ اس عنوان سے کیا ہوگا جن کو خواہش نہ بھی ہوگی وہ بھی کھانے میں شریک ہو جائیں گے۔ دیکھا عنوان کا اثر کیا ہوتا ہے۔ ایک شخص کے بھائی کا نام عبدالرحمن ہے، اب وہ اپنی والدہ سے یوں کہے عبدالرحمن کی ماں پانی دے دو، یا یوں کہے کہ ابا کی بیوی پانی دے دو، یا دادا کی بہو پانی دے دو، تو بتلائیے یہ عنوان کتنا تکلیف دہ ہے اور ایک یہ کہ اماں جی پانی دے دیجئے اس عنوان کا کیا اثر پڑیگا، تو عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے، نرم عنوان سے بات کرنا چاہئے، اسی کو مولانا روم نے کہا:

ع نرم گو لیکن مگو غیر صواب (اذان بلال)

حق بات گو تلخ ہوتی ہے لیکن اگر حسن تدبیر کے ساتھ تلخ چیز کو بھی شیرینی کے ساتھ دی

جائے تو وہ تلخ نہیں رہ جاتی بلکہ وہ شریں بن جاتی ہے، اگر حسن اخلاق و مروت کے ساتھ پیش آیا جائے تو دشمن بھی حق بات تسلیم کرنے کے لئے گردن جھکا دے گا، پھر دیکھئے کس طرح کامیابی آپ کے قدم چومے گی اور فتح و نصرت آپ کی بلائیں لے گی۔

سچ کہا جگر مرادآبادی نے

صداقت ہو تو دل سینے سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے، مانی نہیں جاتی

(مفتاح الخیر جلد ۴ شمارہ ۳۰/۰۷-۲۰۰۶ء)

کیا علماء کے ذمہ گھر گھر جا کر تبلیغ کرنا ضروری ہے؟

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد!

دین اسلام تمام مسلمانوں کی مشترکہ امانت ہے، اس لئے اس کی حفاظت واشاعت حسب حیثیت ہر مسلمان پر لازم ہے، خواہ اس کے اسباب و ذرائع کچھ بھی ہوں، چاہے وہ بذریعہ تعلیم وحکمت ہو یا بواسطۂ پند وموعظت، بہر صورت جس کو جتنا معلوم ہو اس پر اس کا پہنچانا ضروری ہے، اسی کو رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا بلغوا عني ولو آية (یعنی پہنچاؤ میری طرف سے چاہے وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو) (۱)

روک لو گر برا کرے کوئی

پھر اس ابلاغ وترسیل اور نشر واشاعت کے قدرت کی حد بندی کرتے ہوئے ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے یوں فرمایا:

من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان (۲)

(یعنی جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے مٹادے اور اگر ہاتھ سے مٹانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روک دے اور اگر زبان سے بھی روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور اور آخری درجہ ہے)

اس فرمان نبوی ﷺ سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر حسب استطاعت درجات کے لحاظ سے نہی عن المنکر بھی واجب وضروری ہے۔

یہ بات الگ ہے کہ قدرت پر کلام ہے اور قدرت کی کئی ایک قسمیں ہیں، ہر قسم کے اعتبار سے ہر شخص پر منکر کو مٹانا ضروری نہیں، لیکن بعض ایسی قسمیں ہیں کہ جس پر ہر شخص قادر ہے،

(۱) رواہ البخاری ۱/۴۹۱ فی الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل

(۲) رواہ المسلم ۱/۵۱ فی الایمان باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان

جسے آپ قدرت "بخطابِ خاص" سے تعبیر کر لیجئے، جیسے اپنی بیوی، بچے، نوکر، شاگرد، مرید اور خود اپنے آپ کو، ان پر ہر شخص کو قدرت حاصل ہے۔

تبلیغ عام بطریق وعظ علماء کے ساتھ خاص ہے

قدرت کی دوسری نوع جسے آپ قدرت "بخطابِ عام" کہہ لیجئے جیسے اپنے بھائی برادری، عزیز واقارب اور اجنبی لوگ، ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا سب کے ذمہ نہیں یہ صرف علماء دین ومقتدیان شرع متین کا کام ہے۔

رہا یہ خیال کہ دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ساری ذمہ داریاں صرف علماء ہی پر عائد ہوتی ہیں، اور ان ہی پر یہ فرض وواجب ہے، یہ خیال صحیح نہیں، اس نظریے کی تردید کرتے ہوئے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا:

> "میں بتلا چکا ہوں کہ تبلیغ صرف مولویوں کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے البتہ تبلیغ عام بطریق وعظ علماء کے ساتھ خاص ہے، باقی تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے اور تبلیغ عام جو علماء کے ساتھ خاص ہے تو اس میں بھی عام مسلمانوں کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ علماء کے لئے اس کے اسباب مہیا کریں الخ"(۱)

اور اسی بات کو ایک دوسری جگہ دوسرے انداز میں دعوت وتبلیغ کی قسمیں بیان کرتے ہوئے حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:

> "چنانچہ دعوت خاص ہر مسلمان کے ذمہ ہے اور وہ یہ ہے جس میں خطاب خاص ہو اپنے اہل وعیال کو دوست واحباب کو اور جہاں جہاں قدرت ہو اور خود اپنے نفس کو بھی...... (تو اس دعوت خاصہ) کا تو ہر شخص کو اپنے گھر میں اور تعلقات کے محل میں اہتمام کرنا چاہیئے اور ایک دعوت عامہ ہے جس میں خطاب عام ہو یہ کام صرف مقتداؤں کا ہے جیسا کہ ولتکن منکم الخ سے معلوم ہو رہا ہے...... (۲)"

---

(۱) التواصی بالحق ملحقہ دعوت وتبلیغ ص:۱۹۱ مطبوعہ زمزم بکڈپو دیوبند مئی ۱۹۹۶ء

(۲) دعوت الی اللہ ملحقہ دعوت وتبلیغ ص:۵۵/۵۲ مطبوعہ زمزم بکڈپو دیوبند مئی ۱۹۹۶ء

کام ایک، طریقہ جدا جدا

مذکورہ بالا دونوں اقتباسوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے، صرف علماء کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانا صحیح نہیں، یہ الگ بات ہے کہ مواقع کے اعتبار سے ہر ایک کے کام کرنے کی ترتیب جداگانہ ہوگی، ایک طریق پر سب کام نہیں کرسکتے اور نہ ایسا مناسب ہے کہ سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکا جائے، بلکہ علماء کا طریقۂ تبلیغ کچھ اور، اور عوام کا طریقۂ کار کچھ اور ہو۔

علماء کی دعوت و تبلیغ کا طریقہ

اہل علم اور علماء کا کام یہ ہو کہ وہ وعظ و تذکیر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کی خدمات انجام دیں، جیسا کہ حضرت حکیم الامتؒ ایک مقام پر اہل علم و علماء کے کام کرنے کی ترتیب یوں بیان فرماتے ہیں:

> ''اس وقت اس کے چند افراد میرے ذہن میں ہیں، ان کو عرض کرتا ہوں اور (وہ) استقراءً چار ہیں وعظ، تدریس، امر بالمعروف بخطاب خاص، تصنیف، علماء کو ان چاروں شعبوں کو اختیار کرنا چاہئے، اس طرح کہ طلباء کے سامنے تو مدرس بنکر بیٹھیں اور عوام کے سامنے واعظ ہوں اور خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں، اور خاص مواقع سے مراد یہ کہ جہاں اپنا اثر ہو وہاں خطاب خاص سے نصیحت کریں، کیوں کہ ہر جگہ امر بالمعروف مفید نہیں ہوتا اور بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف کرنے کی وجہ سے مخالفت بڑھ جاتی ہے، جس کا تحمل ہر ایک سے نہیں ہوتا اور اگر کسی سے تحمل ہوسکے تو سبحان اللہ وہ امر بالمعروف کریں مگر یہ ضرور ہے کہ اپنی طرف سے سختی اور درشتی کا اظہار نہ کریں بلکہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف کریں، اس پر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے اور اگر تحمل کی لیاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے محض عام پر اکتفاء کرے...... تین کام تو یہ ہیں چوتھا کام تصنیف کا ہے علماء کو ضرورت کے موقع پر تصنیف بھی کرنا چاہئے''(۱)

---

(۱)حقوق وفرائض ص:۱۰۱ مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ بمبئی مارچ ۱۹۹۷ء

مذکورہ بالا اقتباس اور حضرت حکیم الامت کی دیگر تصنیفات وتالیفات، مواعظ وملفوظات وغیرہ کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ علماء کرام کے لئے یہ پسند فرمایا کرتے تھے کہ علماء کی جماعت قرآن وحدیث کی خدمت، اس کے معانی ومطالب کی اشاعت نیز احکامات فقہیہ کی وضاحت، قوانین شرعیہ کی حفاظت، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور خدمتِ افتاء وغیرہ کے ذریعہ کریں اور اسی میں اپنے سارے اوقات صرف کریں۔ (۱)

علاوہ ازیں بوقتِ فرصت وعظ بخطاب عام بھی کہا کریں کیوں کہ وعظ کا نفع درس وتدریس، تصنیف وتالیف وغیرہ کے مقابلے میں زیادہ عام وتام ہوتا ہے۔

درس تدریس بھی دعوت وتبلیغ ہے

غرضے کہ تعلیم وتعلم اور خدمت افتاء وغیرہ بھی دعوت وتبلیغ اور دین کے اشاعتی شعبوں میں ایک اہم شعبہ ہے۔ ان شعبوں میں لگے لوگوں کو کسی خاص طریق سے صرف خاص خاص چیزوں کی دعوت وتبلیغ کی خدمت میں لگنے کے لئے اصرار کرنا سوائے ''بھولے پن'' وزیادت فی الدین کے اور کچھ نہیں، بھلا ایک آدمی ایک ہی وقت میں مختلف طریق سے کیسے کام کرسکتا ہے!؟!

رہی یہ بات کہ نبی پاک ﷺ ایک ہی وقت میں تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ ساتھ تزکیۂ باطن اور تبلیغِ دین کے سبھی امور انجام دیا کرتے تھے۔

سارے مسلمانوں کو ایک ہی طریقہ سے دعوت کے کام میں نہیں لگ جانا چاہئے

نبی کی ذات کچھ اصول وقوانین سے مستثنیٰ ہوتی ہے، نبی جامع کمالات ہوتا ہے، وہ منجانب اللہ ایک ہی وقت میں مبلغ ومعلم اور مزکی ومربی سب کچھ ہوتا ہے، وہ بہر صورت دعوت و

---

(۱) حضرت حکیم الامتؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ جس طرح مسلمانوں نے اسلامی مدارس، عربی کی تعلیم کے واسطے قائم کئے ہیں، اسی طرح کچھ اور مدارس صرف تبلیغ کے کام کے لئے کھولے جائیں، جہاں سے مبلغین تیار ہوں، "مدارس عربیہ کے ساتھ اس کام (تبلیغ) کو ملحق نہ کیا جاوے اس سے تعلیم علوم دین کے کام میں نقص پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، چنانچہ تجربے سے معلوم ہوجائے گا"۔ (محاسنِ اسلام ص ۲۹۵ مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ بمبئی ۳)

تبلیغ کی خدمت انجام دیتا ہے، نبی کے علاوہ تقسیم کار کا اصول مسلمات و بدیہیات میں سے ہے، جس کا عقل سلیم بھی ادراک کرتی ہے اور نقل و مشاہدہ بھی گواہی دیتا ہے، خود رب کائنات نے "تقسیمِ کار" کے اصول کی تلقین وتعلیم فرمائی چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (التوبہ ۱۲۲)

اور (ہمیشہ کے لئے) مسلمان کو یہ (بھی) نہ چاہئے کہ (جہاد کے واسطے) سب کے سب (ہی) نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت سے ایک چھوٹی جماعت میں (جہاد میں) جایا کرے تا کہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ لوگ اپنی (اس) قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس واپس آویں، (ڈراویں تا کہ وہ ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے) احتیاط رکھیں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس آیتِ مبارکہ سے تفقہ فی الدین کی اہمیت اور اس کی افادیت ظاہر و باہر ہے، مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ سارے مسلمانوں کو ایک ہی کام کی طرف نہ لگ جانا چاہئے بلکہ ایک بڑی جماعت میں سے چھوٹی سی جماعت اس کام (جہاد) کے لئے جائے اور باقی لوگ تفقہ فی الدین حاصل کریں اسی تفقہ فی الدین حاصل کرنے کی ضرورت و اہمیت کے سلسلے میں حضرت حکیم الامتؒ ایک جگہ یوں بیان فرماتے ہیں:

"اور ایک جماعت ایسی ہو جو ان سب کاموں سے الگ رہ کر قرآن، حدیث، فقہ اور ضروریات کی تعلیم دیں، ان کو سوائے تعلیم و تعلم کے کچھ نہ کرنا چاہئے ورنہ قابل علماء ہرگز نہ پیدا ہوں گے، تقسیم خدمات بہت ضروری ہے اور تمام عقلاء اور متمدن اقوام اس کی ضرورت پر متفق ہیں، پھر حیرت ہے کہ ہمارے بھائی اس کو نظر انداز کر کے سب کو ایک کام میں کیوں لگانا چاہتے ہیں، بس یہ کہنا غلط ہے کہ علماء کام نہیں کرتے علماء کا جو کام ہے جس کا انہوں نے بیڑا اٹھایا ہے وہ اس کو بحمد للہ بخوبی کر رہے ہیں"۔(۱)

(۱) العلم والعلماء، ص: ۲۸۲ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ھتورا باندہ، پانچواں ایڈیشن ۱۴۱۰ھ

اہل علم اور علماء خدمتِ دین اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ کس طرح ادا کریں اور ان پر عائد کیا کیا ذمہ داریاں ہیں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت حکیم الامتؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''میں نے بتلادیا کہ جو خدمت مولویوں کے ذمہ ہے یعنی قرآن وحدیث کے معانی کا حل کرنا، احکام شرعیہ بیان کرنا، وہ اس خدمت کو بخوبی انجام دے رہے ہیں علماء کا کام صرف یہی ہے کہ وہ قانونِ شرعی کے موافق آپ کو تدبیر اور جواز یا عدم جواز کا طریقہ بتلادیں، اس سے زائد علماء کا کچھ کام نہیں اور بتلائیے اس کام سے علماء نے کب پہلوتہی کی ہے'' (حوالہ بالا)

علماء پر اشکالات اور جوابات

حضرت حکیم الامتؒ کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ جب حضراتِ علماء دین کسی اہم نوعیت سے خدمتِ دین انجام دے رہے ہیں اور اپنے اوپر عائد حقوق وفرائض ادا کررہے ہیں تو پھر کیوں لوگ ان حضرات کو کسی مخصوص تحریک کے ذریعہ دعوت وتبلیغ میں لگانا چاہتے ہیں اور ان کے نہ لگنے پر انہیں موردِ الزام ٹھہرانا کہاں کی دانش مندی ہے۔ (۱)

''اور مزید ان پر طرح طرح کے اشکالات کرنا مثلاً یہ کہ علماء ہمارے پاس آکر ہمیں تبلیغ نہیں کرتے، گھروں اور مسجدوں مین مخدوم بنے بیٹھے ہیں، اپنے آرام میں خلل نہیں ڈالتے قوم کی کچھ فکر نہیں، لوگ بگڑتے چلے جاتے ہیں، کوئی اسلام چھوڑ رہا ہے، کوئی احکام دین سے بے خبر ہے مگر علماء ہیں کہ ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور وہ دعوت وتبلیغ سے بے فکر ہیں اس طرح کے اعتراضوں میں سے کچھ اعتراضات اور ان کے جوابات حضرت حکیم الامتؒ یوں تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) ہاں یہ بات الگ ہے کہ وہ علماء جو درس وتدریس تصنیف وتالیف وغیرہ میں نہیں لگے ہیں، وہ حضرات اپنے کسب معاش کے ساتھ وقت وحالات کے مطابق، جب جس وقت، جس طرح بھی ممکن ہو دعوت وتبلیغ کا کام خواہ وہ انفرادی طور سے ہو یا اجتماعی ضرور، بالضرور جاری رکھیں اور اس اجراء عمل کو اپنا فریضہ ووظیفہ بنائے رکھیں۔

"ایک اعتراض مولویوں پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ مقدوم بنے گھروں اور مدرسوں اور مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور قوم کی تباہی پر ان کو رحم نہیں آتا اور گھروں سے نکل کر گمراہوں کی دست گیری نہیں کرتے. لوگ بگڑتے چلے جاتے ہیں. کوئی اسلام کو چھوڑ رہا ہے کوئی احکام سے محض بے خبر ہے لیکن ان کو پرواہ نہیں حتی کی بعضے تو بلانے سے بھی نہیں آتے اور آرام میں خلل نہیں ڈالتے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت کسی درجے میں بعض لوگوں کے حق میں صحیح ہوسکتا تھا کہ تبلیغ اسلام واحکام اب بھی فرض ہوتی. تب بیشک ضروری تھا کہ گھر گھر شہر شہر سفر کر کے جاتے یا کسی کو بھیجتے اور لوگوں کو احکام سناتے لیکن اب تو اسلام واحکام شرقاً غرباً مشتہر ہو چکے ہیں کوئی شخص ایسا نہیں جس کے کانوں میں اصولاً وفروعاً اسلام نہ پہنچ چکا ہو اور جو لوگ کسی قدر لکھے پڑھے ہیں ان کو تو بذریعہ رسائل مختلف مذاہب تک کا بھی علم ہے اور اگر کسی مقام پر فرضاً کوئی احکام کا بتلانے والا نہ بھی پہنچا ہو تاہم اس مقام کے لوگ (اگر کل نہیں تو بعض سہی) دوسرے مقامات پر پہونچے ہیں اور احکام سنے ہیں (اور ان بعض سے دوسرے بعض کو پہنچے ہیں) بہر حال جن مقامات کا ہم کو علم ہے ان میں سے کوئی مقام ایسا نہیں جہاں احکام نہ پہنچے ہوں اور فقہاء نے کتاب السیر میں تصریح فرمادی ہے اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ جہاں اسلام واحکام پہنچ گئے ہوں وہاں تبلیغ واجب نہیں البتہ مندوب ہے، پس جب تبلیغ واجب نہیں تو اس کے ترک پر ملامت کیسی اور اگر ترک مستحب پر یہ الزام ہے سو اول تو وہ محل الزام نہیں دوسرے اس سے قطع نظر اگر ان لوگوں کو کوئی شغل ضروری نہ ہو تو کچھ گنجائش بھی ہے. لیکن جو لوگ اسلام کی دوسری خدمتیں کر رہے ہیں (مثلاً مدرسے میں درس وتدریس، تالیف وتصنیف اور فتویٰ نویسی وغیرہ جو کہ تبلیغ ہی کے شعبے ہیں) وہ بھی جب ضروری کاموں میں الگ رہے ہیں تو پھر گنجائش اس شبہ کی کہاں ہے. دوسرے جس طرح علماء کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان گمراہوں کے گھر پہنچ کر ہدایت واصلاح کریں خود ان گمراہوں کو یہ رائے کیوں نہیں دی جاتی کہ فلاں جگہ علماء موجود ہیں تم ان سے اپنی اصلاح کرلو. تیسرے کیا اسلام کی یہ خدمت صرف علماء ہی کے ذمہ ہے دوسرے

علماء کا مقام و مرتبہ

وارثین انبیاء پر اعتراض و تنقید وغیرہ سے بچنا چاہیے، عوام کو علماء سے بدظن و متنفر اور عوام علماء کے درمیان توڑ پیدا کرنے کی یہ ناپاک کوشش سرکش یہودیوں کی خفیہ تحریک "فری میسن" کی پیداوار ہے، اس تحریک کا اصل کام اسلام کی بیخ کنی ہے، اسی کی ایک شاخ یہ بھی ہے کہ مسلم عوام اور ان کے علماء کے درمیان عداوت و نفرت کی ایک ایسی دبیز دیوار حائل کر دی جائے جس سے مسلم عوام اور علماء کے درمیان دوریاں پیدا ہوں، اس مقصد کی تکمیل کے لئے یہودیوں نے کیا کیا نہ جتن کئے، کیسی کیسی سازشیں کیں، مسلمانوں کو ان کے علماء سے دور کرنے کے لئے ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ وغیرہ پر دین کی باتیں بتائی جارہی ہیں، مسائل معلوم کرنے کے لئے اب علماء کرام و مفتیان عظام کے پاس جانے کی ضرورت نہیں اس کے لئے ایک "الکٹرانک مفتی" پیدا کیا گیا ہے، جو ہر وقت آپ کو مسئلہ بتادے گا (وہ غلط ہوگا یا صحیح اس سے بحث نہیں)

یہ اور اس طرح کی نامعلوم کیسی کیسی ترکیبیں اختیار کی جارہی ہیں، جس سے مسلم عوام اور علماء کے درمیان رابطہ کمزور سے کمزور تر ہو جائے بلکہ نا کے برابر رہ جائے۔ (۲)

مسلمانو! تمہارے رہبر کامل ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی ان شیطانی چالوں سے آج سے چودہ سو سال قبل ہی آگاہ و خبردار کر دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

---

(۱) حضرت حکیم الامت کی یہ تحریر راقم الحروف نے حقوق العلم ص: ۳۰/۳۱ مطبوعہ مطبع احمدی لکھنؤ سال اشاعت ۱۳۳۲ھ سے لی ہے، حضرت والا کی یہ تحریر دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام (ترتیب مفتی محمد زید مظاہری، ندوی) ص: ۲۸۵/۲۸۶ (سن اشاعت ۱۹۹۲ء) پر بھی موجود ہے مگر اس اقتباس میں جہاں تک کی عبارت خط کشیدہ ہے اتنی عبارت دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام میں نہیں ہے، غالباً یہ حذف کاتب کا سہو ہے مگر تعجب تو اس پر ہے کہ کاتب نے حذف شدہ عبارت کے بعد ایسے صفائی سے جوڑ لگا دیا ہے کہ بادی النظر میں محسوس تک بھی نہیں ہوتا کہ یہاں سے کچھ عبارت حذف بھی کی گئی ہے۔ فیا للعجب!!

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں مجلہ آئینہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور جلد ۱۷ ر شمارہ ۹ ر بابت جمادی الاخری ۱۴۲۹ھ مطابق جون ۲۰۰۸ء صفحہ ۷ ر تا ۲۵ خاص طور سے صفحہ ۲۲ ر کی سطر نمبر ۱۷ ر ۱۸ ضرور دیکھیں۔

أغد عالمًا أو متعلمًا أو مستمعًا أو محبًا ولا تكن الخامس فتهلك (۱)

(یعنی عالم ہو جاؤ یا متعلم بن جاؤ یا پھر سن سن کر علم حاصل کرنے والے بن جاؤ، یا کم از کم اہل علم سے محبت کرنے والوں میں ہو جاؤ اور دیکھو پانچویں قسم میں شامل نہ ہونا یعنی اہل علم سے عداوت و بغض رکھنے والا ہرگز نہ بننا یہ بہت خطرناک مرض ہے، اگر تم اس مرض سے نہ بچو گے، تو ہلاک ہو جاؤ گے)

صرف یہیں تک نہیں بلکہ علماء دین و حاملین شرع متین کی عزت و توقیر کرنے کے سلسلے میں آپ ﷺ نے پرزور تاکید کی اور بہت واضح الفاظ میں فرمایا:

ليس منا من لم يوقر كبيرنا ويرحم صغيرنا ويبجل عالمنا (۲)

(یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو اپنے بڑوں کی عزت نہ کرے اور جو اپنے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور جو شخص اپنے علماء کی عزت و احترام نہ کرے)

اور ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اكرموا حملة القرآن فمن أكرمهم فقد أكرمني (۳)

(یعنی حاملین قرآن کا اکرام کرو بیشک جس نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی)

اور ایک حدیث میں ہے:

أكرموا العلماء فانهم ورثة الانبياء فمن اكرمهم فقد اكرم الله ورسوله (۴)

(علماء کا اکرام کرو اس لئے کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں جس شخص نے علماء کا اکرام کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کا اکرام کیا)

---

(۱) كشف الخفا للعجلوني ۱/۱۶۰، نشر وتوزيع، دار التراث القاهرة

(۲) کنز العمال للمتقی ۳/۱۷۹، (۶۰۵۲) طبع مؤسسة الرسالة، بیروت

(۳) فيض القدير. شرح جامع الصغير. للمناوي ۲/۹۱. توزيع، دار الباز مكة مكرمة

(۴) فيض القدير شرح الجامع الصغير. للمناوي ۲/۹۳ توزيع دار الباز مكة مكرمة

اور ایک حدیث میں تو اس سے بھی زیادہ بلیغ انداز میں علماء دین وحاملین قرآن کی تذلیل کی مذمت بیان فرماتے ہوئے آقائے نامدار ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حامل القرآن حامل رأیة الاسلام من اکرمه فقد اکرم الله ومن اهانه فعلیه لعنة الله (۱)

(یعنی حاملین قرآن، اسلام کے علم بردار ہیں جس نے ان کی تعظیم کی اس نے خدا کی تعظیم کی اور جس نے ان کی تذلیل کی اس پر خدا کی لعنت ہو)

علماء سے تعلق صرف دینی نفع کے لئے کرنا چاہئے

ان احادیث نبویہ علی صاحبھا ألف ألف تحیہ سے معلوم ہوا کہ حاملین قرآن وحدیث کی عزت وتوقیر نہ کرنا کتنا بڑا جرم ہے، نبی پاک ﷺ نے ایسے شخص کو ناقص الایمان فرمایا اور لعنت الٰہی کا مستحق قرار دیا مگر اس وقت کا عجیب عالم ہے کہ لوگ علماء کی عزت وتوقیر تو کیا کرتے بلکہ مزید ان کی بے عزتی پر کمر بستہ ہیں خود ان حروف کے لکھنے والے نے بعض حضرات کو کہتے سنا کہ یہ علماء جو مدرسوں میں پڑھ پڑھا رہے ہیں اس کے عوض انہیں تنخواہ ملتی ہیں اس لئے یہ" دین کا کام نہیں (۲)" دین کی محنت نہیں، بلکہ دین کا کام اور انبیاء والا کام تو وہ ہے جو"ہم لوگ" کر رہے ہیں اس لئے علماء کو بھی اس میں وقت لگانا چاہئے۔

اور جن لوگوں کے دلوں میں تھوڑی بہت علماء کی قدر وعزت باقی بھی ہے تو اس کی ظاہری وجہ یا تو مادیت ہے کہ ان کے ماننے والے بڑے بڑے لوگ ہیں، کبھی ان لوگوں کی ہمیں بھی ضرورت پڑ سکتی ہے، اس لئے ان سے تعلقات رکھنا چاہئے یا پھر یہ کہ مولانا صاحب

(۱) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی ۳/۶۸ توزیع دار الباز مکة مکرمة

(۲) راقم الحروف نے جس وقت یہ جملہ سنا تو حیرت زدہ رہ گیا کہ یا اللہ! یہ کیا سن رہا ہوں ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ کیا بیٹھ گیا یا بیٹھا دیا گیا، کیا ان لوگوں کو قرآن وحدیث کے تعلیم کی ضرورت نہیں؟ جو اس طرح نہایت ڈھنائی سے یہ جملہ کہا جا رہا ہے، اور یہ بھی خیال نہیں، کہ اس جملے کی زد میں کون کون لوگ آئیں گے؟ اور کہاں کہاں اس جملے کی زد پڑے گی، کیا اس جملے کی زد سے ان اکابر کو بچایا جاسکتا ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی، انہیں مدرسوں میں نہایت قلیل تنخواہوں کے عوض صرف کردی اور قرآن وحدیث کی خدمت کو اپنے لئے سرمایہ آخرت سمجھا آخر یہ انہیں اکابری کی تو محنتوں کا ثمرہ ہے، جو آج لوگ" دین کا کام" کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

دعا کر دیں گے جس سے ہمارے دکانوں و مکانوں مین خیر و برکت ہو جائے گی یا تعویذ و گنڈہ دے دیں گے جس سے طلسماتی طریقے سے ہمارے دکھ درد دور ہو جائیں گے، ہمارے بال بچوں کا نظر، ٹونا، ٹوٹکا اپنی روحانی طاقت سے ختم کر دیں گے اور مزید برآں ہمارے جانوروں، گائے، بیلوں، مرغیوں اور بکریوں کو بھی ہرا بلا، دست و پیچش سے محفوظ رکھیں گے۔

مسلمانو! کیا علماء کا وجود بس انہیں کاموں کے لئے ہے، کیا علماء کا کام صرف جھاڑ پھونک اور دعاء تعویذ ہی رہ گیا؟ چاہئے تو یہ تھا کہ ان سے اپنا دین درست کرتے اپنی آخرت سنوارتے ان کے تابع بنتے نہ یہ کہ خود انہیں کو اپنا تابع بنائے ہوئے ہیں، اور کسی نہ کسی بہانے صبح و شام انکے چکر کٹوا رہے ہیں۔

دوستو! ہوش کے ناخن لو، وقت و حالات کے تقاضوں کو پہچانو، فتنے بڑی برق رفتاری سے آپ کا تعاقب کئے ہوئے ہیں، اس لئے علماء دین و مقتدیان شرعِ متین کی قدر کرو، ان کے وجود کو غنیمت سمجھو اگر بالفرض علماء آپ کے دین کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ پر کچھ سختی بھی کریں تو آپ کو نہایت خندہ پیشانی سے اسے برداشت کرنا چاہئے کیوں کہ علماء مثل حکیم کے ہیں، جب ہم جسمانی علاج کے لئے حکیموں اور ڈاکٹرون کی سخت و سست برداشت کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ طبیب روحانی (علماء کرام) کی سختی و درشتی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں؟

ان ہی باتوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت حکیم الامت ؒ فرماتے ہیں:

"مجھے عوام کی بھی شکایت ہے، اگر علماء انکے ساتھ سختی کرتے ہیں تو ان کو اس سے ناگواری کیوں ہوتی ہے، آخر وہ اطباء کے نخرے بھی اٹھاتے ہیں اور انکی سختی کو ہر طرح برداشت کرتے ہیں کیوں؟ محض اس لئے کہ صحت (جسم) مطلوب ہے اور مطلوب کی تحصیل کیلئے سختی اور دشواری سب کچھ گوارہ ہوا کرتی ہے، پھر کیا صحت دین آپ کو مطلوب نہیں اگر مطلوب ہے تو اطباء باطن کی سختی اور دشواری بھی ناگوار نہیں ہونا چاہئے۔ حاصل یہ کہ علماء اگر سختی کریں تو آپ کو شکایت اور ناگواری کا حق نہیں کیوں کہ تم دنیا کے واسطے اس سے بھی زیادہ سختی کو خوشی سے

برداشت کرتے ہو پھر دین کے واسطے کیوں نہیں برداشت کرتے؟
ہاں! اگر تم دنیا کے واسطے بھی کسی حاکم اور طبیب و وکیل وغیرہ کی سختی کو
برداشت نہ کیا کرتے تو پھر واقعی تمہاری شکایت کسی درجہ میں صحیح ہوتی "

گرادی اپنی قیمت ہم نے اپنی ہی نگاہوں میں

ہے تو چھوٹا منہ بڑی بات مگر بہت ادب سے حضراتِ اہلِ علم کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم لوگ بھی اپنے آپ کو پہچانیں، اپنی حیثیت سمجھیں، اپنا وقار، باقی رکھیں، ہم عوام میں اس طرح نہ گھل مل جائیں کہ ہماری عزت ہی داؤ پر لگ جائے، ہماری بے عزتی کا مطلب ہے دین کی بے عزتی، اس لئے ہم اپنے لئے نہیں محض دین کی عزت وتکریم کے واسطے اپنے مقام ومنصب کو پہچانیں، یہاں بعض لوگوں کو یہ غلط ہو جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تو صحابہؓ میں بے حد گھلے ملے رہتے تھے اور اس گھلنے اور ملنے کی حد یہاں تک ہو جایا کرتی تھی کہ آپ بھرے بازار میں ایک صحابیؓ کی آنکھ پیچھے موند کر تفریح فرماتے ہیں۔

دراصل بات یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ باوجود ے کہ صحابہؓ میں گھلے ملے رہتے تھے مگر پھر بھی حضرات صحابہؓ پر آپ کا رعب ایسا غالب رہتا تھا کہ مجال کیا تھی کہ کوئی صحابیؓ آپ سے آنکھ ملا کر بات بھی کرلے اور اگر کبھی غیر دانستہ طور پر دورانِ گفتگو آپ ﷺ کی آواز پر صحابہ کی آواز بلند ہو گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فوراً تعلیم وتنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ

بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○

(الحجرات:۲)

(یعنی اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کے آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو) (ترجمہ: حضرت تھانویؒ)

حالانکہ صحابہؓ کرام کی آپ ﷺ سے عقیدت ومحبت اور عشق ووارفتگی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے وضو کے قطرات بھی زمین پر نہ گرنے دیا کرتے تھے پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے موقع

بموقع تعلیم وتنبیہ فرمائی، اگر آج وہی صحابہؓ والی کیفیت ہمارے اندر بھی پیدا ہوجائے اور ہم اپنے وارثانِ انبیاء کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے لگیں تو پھر ان باتوں کے لکھنے اور کہنے کی کیا ضرورت؟

علماء کو عام دعوتوں میں بھی شرکت نہ کرنی چاہئے

بات یہ ہے کہ اب دین اور دینداروں، علم اور عالموں کی وہ محبت نہ رہی وہ عہدِ صحابہؓ والا ایمان اور اتباع وانقیادنہ رہا، جب ہی تو حضراتِ فقہاء نے علمائے کرام کی اہمیت اور ان کی قدر وقیمت پیدا کرنے کے لئے جہاں عوام کو متنبہ کیا وہیں علمائے کرام کو بھی نصیحت کی کہ علمائے کرام اپنا وقار ومتانت باقی رکھیں آپ کے وقار سے دین واسلام کا وقار باقی رہے گا، آپ کی بے عزتی سے دین واسلام کے بے عزتی ہوگی، آپ کی اہمیت ہوگی تو آپ کی کہی ہوئی باتوں کی اہمیت ہوگی اور اس کے برعکس اگر آپ بازاری لوگوں میں بیٹھیں گے، ہوٹلوں پر بیٹھ کر عوام الناس کے درمیان کھائیں، پئیں گے اور وہیں دورانِ خورد ونوش دارالافتاء بھی قائم فرمادیں گے تو بتائیے کیا تو آپ کی قدر ہوگی اور کیا آپ کی بتلائی ہوئی باتوں کی؟ حضراتِ فقہاء نے تو اس سے بھی ترقی کرکے یہاں تک فرمایا کہ علماء وفقہاء کو عام دعوتوں میں بھی شرکت نہ کرنا چاہئے اور انہیں کسی کی گواہی بھی نہ دینی چاہئے، حضراتِ فقہاء کرام کی ان باتوں کو حضرت حکیم الامتؒ یوں نقل فرماتے ہیں:

> ”علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ فقہاء وعلماء کسی کی دعوت نہ کھائیں اس کا راز یہ کہ آج کل اس میں ذلت ہے واقعی یہ حضراتِ فقہاء حقیقت کو سمجھتے ہیں، فقہاء وعلماء کو کسی کی شہادت بھی نہ دینی چاہئے اس کا راز یہ کہ ان کو سب مسلمانوں سے یکساں تعلق رکھنا چاہئے اور شہادت میں ایک فریق شمار کیا جائے گا“ (۱)

آمدم برسر مطلب

ہم اپنے موضوع کی طرف عود کرتے ہوئے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے حضرت حکیم الامت کا ارشاد نقل کرکے اس پر قدرے توضیح کرتے ہیں۔

---

(۱) العلم والعلماء ص: ۲۶۵ مطبوعہ ادارہ افادات اشرفیہ ہتورا باندہ پانچواں ایڈیشن ۱۴۱۰ھجری

"بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ علماء ہمارے پاس آ کر ہدایت (تبلیغ) کریں میں نے اس کا جواب دیا کہ جب تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی تو اب علماء کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگ گھروں پر جا کر ان کو ہدایت کریں نیز اس میں ان کی حاجت مندی کا شبہ ہوسکتا ہے،

بس مناسب یہی ہے کہ علماء اپنے مکان پر رہیں اور لوگ ان سے دینی باتیں دریافت کریں۔

سول سرجن (ڈاکٹر) پر بھی آپ نے یہ اعتراض نہ کیا کہ سول سرجن صاحب شفیق نہیں، ہمارے گھروں میں آ کر علاج نہیں کرتا (پھر علماء پر اس قسم کا کیوں اعتراض کرتے ہو)(۱)

حضرت حکیم الامتؒ کے اس ملفوظ سے تین باتیں معلوم ہوئیں (۱) جب تبلیغ واجب نہیں رہی تو اب علماء کے ذمہ ضروری نہیں کہ وہ لوگوں کے گھروں پر جاجا کر ان کو تبلیغ وہدایت کریں (۲) علماء کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے مکان پر رہیں اور لوگ آ آ کر ان سے دینی باتیں دریافت کریں (۳) جب ڈاکٹروں اور حکیموں کے گھر جاجا کر علاج نہ کرنے پر عدم شفقت کا اعتراض نہیں کیا جاتا ہے تو علماء پر گھر گھر جا کر تبلیغ وہدایت نہ کرنے پر شفیق نہ ہونے کا اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔

مطلق تبلیغ سے مراد تبلیغ اسلام ہوتا ہے

(۱) ان تینوں شقوں پر گفتگو سے پہلے ایک بات ذہن نشین کرلی جائے کہ تبلیغ کا لفظ جب بھی بولا جاتا ہے تو اس سے تبلیغ اسلام ہی مراد ہوتی ہے اور وہ اب یقیناً ہو چکی ہے، ابھی اوپر کتاب السیر کے حوالے سے حضرت حکیم الامتؒ کی تحریر گذر چکی ہے، اب مزید اس سلسلے میں محنت کرنا فرض وواجب نہیں بلکہ عزیمت (۲) کا کام ہے۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامتؒ کی مندرجہ ذیل تحریر سے واضح اور ثابت ہوتا ہے:

(۱) دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام ص: ۲۸۷، مطبوعہ ادارہ افادات اشرفیہ، ہتورا، باندہ سن اشاعت ۱۹۹۲ء

(۲) رخصت وعزیمت کے سلسلے میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ان اللہ تعالی یحب ان توتی رخصه کما یحب ان توتی عزائمه (حم هق) عن ابن عمر (طب) عن ابن عباس وعن ابن مسعود (ض) فیض القدیر (شرح الجامع الصغیر) للمناوی: ۲/۲۹۲ توزیع دار الباز مکة مکرمة (یعنی اللہ تعالی یہ بھی پسند فرماتے ہیں کہ ان کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ اس کو پسند فرماتے ہیں کہ ان کی مقرر کردہ عزیمتوں پر عمل کیا جائے)

''منجملہ اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کفار کی تبلیغ
بھی ہے خواہ بذریعہ تقریر خواہ بذریعہ تحریر اپنے ملک کے کفار کو بھی اور
دوسرے ملک کے کفار کو بھی اور یہ بوجہ عموم وشیوع احکام دینیہ کے گو
اس وقت واجب نہیں رہا لیکن اگر کوئی ہمت کرے عین عزیمت
ہے''(۱)

رہا تبلیغی جماعت کے ساتھ جو لفظ تبلیغ کا لاحقہ ہے تو اس سے دھوکہ نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ یہاں تبلیغ سے مراد اصلاح وتذکیر کے ہیں خود بانیٔ جماعت تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے ملفوظ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، دراصل تبلیغی جماعت کا نام اصلاحی جماعت، تذکیری جماعت، یا ایمان ویقین کی محنت کی جماعت ہونا چاہیے تھا نہ معلوم یہ نام کیسے چل پڑا اس لئے کہ تبلیغ مسلمانوں میں نہیں کافروں میں کی جاتی ہے۔

بہر حال تبلیغی جماعت کے ساتھ لفظ تبلیغ کا استعمال اصل میں توسعاً تغلباً اور مجازاً کہہ دیا جاتا ہے اس سلسلے میں خیر القرآن سے لے کر موجودہ اکابر تک کے ملفوظات وارشادات موجود ہیں خود راقم کی نظروں سے بھی سینکڑوں ملفوظات گزرے ہیں اس وقت ان کے ذکر کا موقع نہیں، اس وقت ایک ملفوظ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا نوک برقلم ہے آپ بھی پڑھتے چلیں، حضرت موصوف نے ایک سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا:

''تبلیغ تو اصل میں اسے ہی کہیں گے جس کو آپ پوچھ رہے ہیں، تبلیغ
احکام حقیقتاً تبلیغ نہیں ہے، اسے مجازاً تبلیغ کہا جاتا ہے، حقیقت میں تبلیغ اس کا نام
ہے کہ غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے'' (۲)

حضرت حکیم الاسلامؒ کی اس شہادت سے یہ بات مزید واضح اور منقح ہو جاتی ہے کہ تبلیغ کا لفظ جب بھی بولا جاتا ہے تو اس سے تبلیغ اسلام ہی مراد ہوتا ہے اور جیسا کہ ابھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اب تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا ہو چکا ہے، جس کی مزید تائید حضرت گنگوہیؒ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جس کو حضرت حکیم الامتؒ یوں نقل فرماتے ہیں:

---

(۱) اصلاح انقلاب امت حصہ اول ص ۲۶، ناشر تاج کمپنی ترکمان گیٹ دہلی سال اشاعت ۲۰۰۰ء

(۲) دو اہم مسئلے یعنی تبلیغ کی اہمیت اور تبلیغ سے تعلیم کا جوڑ ص ۴۸، ناشر تعلیم القرآن موضع لپری (جونپور) سن اشاعت ۱۴۱۵ھ

"حضرت گنگوہیؒ سے سنا ہے کہ یاجوج ماجوج کو تبلیغ ہو چکی ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ رات بھر دیوار چاٹتے ہیں اور کھود دیتے ہیں، جو ان کے درمیان حائل ہے، جب وقت آئے گا تو وہ یہ کہیں گے کہ انشاء اللہ کل اس کو ختم کر دیں گے، ان شاء اللہ کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اللہ کا نام معلوم ہے اور تبلیغ ہو چکی ہے"

پھر کسی شخص کے مسلمان ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس نے دین اسلام کی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے اور اب وہ کوئی بھی عمل اسلامی قوانین واحکام کے خلاف نہ کرے گا اب یہ جاننا کہ اسلامی قوانین واحکام اور اوامر ونواہی کیا کیا ہیں؟ انکی خلاف ورزی پر دنیوی اور اخروی سزائیں کیا کیا ہیں؟ یہ اس کی ذمہ داری ہے نہ کہ کسی اور کی لہٰذا وہ اگر کسی اسلامی قانون اور حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے، تو وہ یہ کہہ کر اس جرم کی سزا سے شرعاً بچ نہ سکے گا کہ مجھے یہ قانون اور اس کی خلاف ورزی کی سزا کا علم نہ تھا جیسا کہ دنیوی حکومتوں کے قوانین کی خلاف ورزی پر بھی کوئی شخص یہی عذر پیش کر کے سزا اور گرفت سے نہیں چھوٹ سکتا، غرض جس طرح دنیا کی کوئی حکومت قانون سے لاعلمی کا عذر تسلیم نہیں کرتی اور ایک دفعہ قانون کا اعلان کر دینے کے بعد اس اعلان کا اعادہ ضروری نہیں سمجھتی، اسی طرح خدا اور رسول ﷺ کی حکومت الٰہیہ کا قانون (قرآن وحدیث صاف، واضح اور اظہر من الشمس ہو چکا ہے اہل علم پر خدا اور رسول نے یہ فرض عائد نہیں کیا کہ وہ غافل اور بے طلب لوگوں کے پاس جا جا کر، باوجود ان کی بے توجہی کے، قرآن، حدیث کے احکامات وتشریحات، زبردستی ان پر ٹھونستے رہیں، ہاں عوام الناس کے طلب پر اہل علم عمومی مجالس اور وعظ وبیان کی مجلسوں میں تلقین وتذکیر کرتے رہتے ہیں اور اس کے ضمن میں مسائل دینیہ اور احکامات شرعیہ کا عمومی بیان بھی ہوتا رہتا ہے۔ وھذا القدر کافٍ۔ (۱)

علماء اپنے مکان پر رہیں

(۲) علماء اپنے مکان پر رہیں اور لوگ ان سے دینی باتیں دریافت کریں، حضرت حکیم الامتؒ کے اس فرمان سے مقصود یہ ہے کہ علماء مطلوب اور عوام الناس طالب بنیں، علماء

(۱) ماخوذ ماہنامہ دار العلوم دیوبند ص: ۳۶/۳۵ بابت جولائی، اگست ۱۹۹۸ء

دین کے طالب بنانے کا مطلب ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ سمندر، دریا ندی نالے، کنویں اور نل وغیرہ ہمارے پاس خود آئیں اور ہم کو آ کر سیراب کر جائیں، یہ تو قلب موضوع ہے جو کسی بھی طرح صحیح نہیں اس کے علاوہ حدیث شریف میں بھی اچھے عالم کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ اگر لوگ اس کی طرف ضرورت ظاہر کریں تو وہ لوگوں کو نفع پہنچائے یعنی ان کی دینی ضرورتوں کو پوری کرے اور اگر لوگ اس سے مستغنی ہو جائیں تو وہ بھی لوگوں سے مستغنی ہو جائے۔ الفاظ حدیث اس طرح ہیں:

نعم الرجل الفقيه(في الدين:(۱) ان احتيج اليه نفع وان استغنى عنه اغنى نفسه(۲)

(یعنی بہتر شخص وہ فقیہ فی الدین ہے کہ اگر اس کے پاس احتیاج لائی گئی (طلب ظاہر کی گئی) تو اس نے نفع پہنچایا اور اگر اس سے بے پروائی برتی گئی تو اس نے بھی اپنے نفس کو بے پروا رکھا)

اس فرمان نبوی ﷺ کے علاوہ حضرت ابن عباس ؓ کا ایک اثر بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے وہ فرماتے ہیں:

حدث الناس كل جمعة مرة فان ابيت فمرتين فان اكثرت فثلاث مرات ولا تمل الناس هذا القرآن ولا الفينك تأتي القوم وهم في حديث من حديثهم فتقص عليهم فتقطع عليهم حديثهم فتملهم ولكن انصت فحدثهم وهم يشتهونه. الخ.(۳)

---

(۱)الزيادة من الجامع

(۲)جامع الاصول(۱۸۲۳)أورده المتقي الهندي في "الكنز"(۲۸۹۰۳)ونسبه الى ابن عساكر. وهو عنده في "تاريخ دمشق" ۴۵/۳۰۳في ترجمه عمر ابن علي ابن أبي طالب، من طريق عيسى بن عبدالله بن محمد بن عمر بن علي بن أبي طالب،حدثني أبي عن ابيه. جده عن علي رفعه وليس عنده ولا عند السيوطي زيادة "في الدين" وعيسى:قال الدار قطني في "السنن" ۲/۳۶۳. متروك الحديث وقال ابن حبان في "المجروحين" ۲/۰۳. يروى عن آبائه احاديث موضوعه. قلنا:وهذا من روايته عن آبائه،فالله اعلم،الا ان معناه صحيح، وللفظه شاهد من حديث أبي الدرداء عند البيهقي في "الشعب"(۱۶۲۰)موقوعاً عليه

(۳)رواه البخاري ۲/۹۳۸ في "الدعوات" باب مايكره من السجع من الدعاء.

اس اثر کے آخری جملے کی "فان امروک فحدثهم وهم یشتهونه" (یعنی اگر لوگ خواہش ظاہر کریں تو بیان کرو اور خواہش باقی رہے تبھی بیان ختم کردو) سے صاف ظاہر ہے کہ بے طلبی اور بے توجہی کی صورت میں ہرگز دین کی باتیں نہ بتائی جائیں اس لئے کہ بے طلبی کی صورت میں علم اور دین کی قدر و منزلت باقی نہ رہے گی اور قاعدہ ہے کہ قیمتی چیز بھی جب مفت ملنے لگتی ہے تو اس کی قدر و منزلت دلوں سے نکل جاتی ہے، علاوہ ازیں کسی قیمتی چیز کا اس طرح لٹاتے پھرنا خود قابل غور ہے، اسی بناء پر بعض اہل علم جمعہ میں نماز جمعہ سے قبل وعظ کہنے کو پسند نہیں فرمایا ہے۔

سچ کہا مولانا محمد علی جوہر نے ؎

محمدؐ کا یہ مذہب ہے اب آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے

یہاں بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں تو عالم دین کی مثال غیث کثیر (بہت برسنے والا بادل) سے دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عالم کو ابلاغ دین کے سلسلے میں بادل کی طرح ہونا چاہئے کہ جس طرح بادل بلا تفریق مذہب و ملت سب پر یکساں برستا چلا جاتا ہے چاہے وہ طالب ہو یا نہ ہو، بادل کا کام تو برسنا ہے خواہ اس کا کچھ نفع ہو یا نہ ہو۔

دراصل حدیث شریف میں علم وحدیٰ کے سلسلے میں جو عالم کی تمثیل بادل سے دی گئی ہے یہ تمثیل وتشبیہ عموم نفع واتمام نفع سے ہے مطلب یہ کہ علم و ہدایت کے لئے آنے والوں کو عالم دین، علم و ہدایت سے سیراب کرتا ہے نہ وہ اس میں کوئی امتیاز روا رکھتا ہے اور نہ ہی حتی الوسع کوئی کمی وکوتاہی کرتا ہے یہ تمثیل من کل الوجوہ نہیں، اس لئے کہ بارش تو سمندروں، دریاؤں، نہروں، ندی نالوں، جوہڑوں تالابوں، گندگی کے جوہڑوں، غلاظت کے ڈھیروں اور گندی وناپاک جگہوں وغیرہ پر بھی ہوتی ہے، جب کہ علم و ہدایت ایسی معمولی چیز نہیں کہ اسے بے طلبوں اور نا چاہنے والوں کے سر زبردستی تھوپ کر اس کی توہین وتذلیل کرائی جائے، یہ قیمتی اشیاء بے طلب کو مفت میں ہرگز نہیں دی جا سکتی، اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا قول

ویھدی الیہ من اناب (۱) اور ویھدی الیہ من ینیب (۲) سے بھی ہوتی ہے" یعنی اللہ تعالی راہِ راست کی ہدایت اسی کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے اور ھدایت کا طالب ہو، کیا خوب کہا اکبر الہ آبادیؒ نے:

سرور و نور وجد وحال ہوجائے گا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا

نبی پاک ﷺ کی تبلیغ کے دو دور: مکی اور مدنی

(۳) تیسری اور آخری بات اس ملفوظ گرامی سے یہ معلوم ہوئی کہ جب ڈاکٹروں اور حکیموں پر گھر جا کر علاج نہ کرنے پر عدم شفقت کا اعتراض نہیں کیا جاتا تو پھر علماء کرام پر گھر گھر جا کر تبلیغ و ہدایت نہ کرنے پر عدم شفقت کا الزام کیوں لگایا جاتا ہے۔ امت پر شفقت کے سلسلے میں اکثر لوگ نبی پاک ﷺ کی مکی زندگی کو بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مکے میں تبلیغ کے سلسلے میں کیسی کیسی اذیتیں برداشت کیں طائف کے تبلیغ میں آپ ﷺ نے کیسی کیسی پریشانیاں جھیلیں، مگر ان پریشانیوں اور ظلم و زیادتیوں کے باوجود نبی پاک ﷺ نے اپنا تبلیغی مشن جاری رکھا اور ان بے طلبوں اور ظالموں کے پاس بار بار تشریف لے گئے اور شفقت کا مظاہرہ فرماتے رہے، ان کے جھٹلانے یا ظلم و زیادتیوں کے باوجود تبلیغ سے باز نہ آئے۔

بے شک نبی پاک ﷺ نے طائف میں کفار مکہ کے پاس تبلیغ کے لئے بار بار نہیں بلکہ ہزار بار گئے اور انذار و تبشیر فرماتے رہے، پہلی بات یہ کہ یہ تبلیغ احکام نہیں تھی بلکہ تبلیغ اسلام تھی، دوسری بات یہ ہے کہ مکی زندگی کے بعد مدنی زندگی میں تبلیغ اسلام کا نقشہ کچھ اور ہی نظر آتا ہے، مدنی زندگی میں آپ ﷺ نے مکی زندگی والا طرزِ تبلیغ اختیار نہ فرمایا، مدنی زندگی میں آپ ﷺ نے سربراہوں کے نام خط لکھوائے، اور اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کروایا، جو لوگ اسلام میں داخل نہ ہوں وہ اب اس سرزمین میں رہنے کے لئے جزیہ دیں اور اگر جزیہ دینے سے انکار کریں تو پھر جہاد و قتال کے لئے تیار ہو جائیں اگر مکی زندگی کا وہ طرز تبلیغ امت کے لئے شفقت تھی تو پھر مدنی زندگی کا یہ طریقہ تبلیغ شفقت کیوں نہیں؟ اگر وہ

(۱) الرعد: ۲۷۔ (۲) الشوریٰ: ۱۳

تبلیغ امت پر رحمت و رأفت تھی تو پھر یہ مدنی زندگی کا جہاد وقتال بھی امت پر شفقت ورحمت ہی تھا نیز اسی طرح شریعت کے حدود وقصاص اور کفارات وغیرہ مثلاً قطع ید ورجم وغیرہ بھی نبی پاک ﷺ کی امت پر اعلیٰ ترین شفقت ہی تھی، یہ چیزیں شفقت کے منافی نہیں پھر آخر شفقت کی مثال میں اسے کیوں نہیں بیان کیا جاتا؟۔

اسی طرح آپ ﷺ کا حضرت رفاعہ بن رافع سے انکے نماز صحیح نہ پڑھنے پر یہ فرمانا کہ علیك فارجع فصل فانك لم تصل [(۱)] یہاں تک کہ تیسری مرتبہ جب صحابی رسولؓ نے پوچھا اور طلب ظاہر کی اور کہا کہ یا رسول اللہ! ارنی وعلمنی تب رسول اللہ ﷺ نے ان کو تعدیل ارکان کے ساتھ صحیح نماز پڑھنا سکھایا کیا آپ ﷺ پہلی مرتبہ میں بغیر طلب کے نہیں بتا سکتے تھے؟ مگر شفقت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ صحابیؓ طلب ظاہر کریں اور معلوم کریں تب ان کو صحیح نماز پڑھنا سکھایا جائے۔ کیا نبی پاک ﷺ کا یہ طرز اصلاح شفقت نہیں تھی اگر تھی تو پھر اسے کیوں نہیں بیان کیا جاتا؟ صرف اور صرف مکی زندگی ہی کو شفقت کا نمونہ بنانا اور مدنی زندگی سے صرف نظر کرنا کھلم کھلا دھوکہ دینا ہے۔

ہر اِک چیز موزوں ہے اپنے محل میں

دراصل اب شفقت اور عدم شفقت کا معیار وہ ہوگا جو حضرات فقہاء نے ہمارے لئے فقہ واصول فقہ میں متعین فرمادیا ہے، اب اپنے اوپر ایسی اذیتیں برداشت کرکے دعوت وتبلیغ کا کام کرنا جو ہماری طاقت وقدرت سے باہر ہوں ضروری نہیں درحقیقت ہر ایک چیز اپنے محل ہی میں موزوں ہوتی ہے اپنے محل اور موقع سے نکل کر خواہ وہ کتنی ہی اچھی چیز کیوں نہ ہو اچھی نہیں رہ جاتی مثلاً نماز، روزہ، بہت اچھی چیز ہے اب اگر کوئی ان اچھی چیزوں کو زیادہ کرنے لگے مثلاً چار رکعت نماز کے بجائے پانچ پڑھنے لگے یا اوقات مکروہہ میں پڑھنے لگے تو وہی اچھی چیز اسی مقدار بری بن جائیگی، اسی طرح روزہ بہت اچھی چیز ہے جنت میں لے جانے والا عمل صالح ہے مگر ان ہی روزوں کو اگر ایام تشریق یعنی عید وبقرعید کے دنوں میں رکھنے لگے تو یہی روزہ جو باعث ثواب اور جنت کا ذریعہ تھا باعث عذاب بن جائے گا

(۱) رواہ الترمذی ۱/۶۶ فی الصلوۃ باب ما جاء فی وصف الصلوۃ

بالکل اسی طرح جیسے شریعت کی دیگر چیزوں میں حدود وقیود ہیں اسی طرح دعوت وتبلیغ کا کام بھی شریعت کے حدود وقیود سے خالی نہیں ان حدود وقیود سے تجاوز کر کے اسے شفقت کا نام دینا سوائے ڈھٹائی اور دیدہ ودلیری کے اور کچھ نہیں دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں حدود وقیود معلوم کرنا چاہیں تو قاضی عمر بن محمد بن عوض الاسنامیؒ کی نصاب الاحساب کا مطالعہ کیا جائے جس میں دعوت کے ہر موقع کے ضابطے اور حدود وقیود تحریر فرمائے گئے ہیں انشاء اللہ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں شفقت وعدم شفقت اور ان دونوں کا صحیح مصداق ومعیار کیا ہے؟

اندکے با تو بگفتم و بدل ترسیدم
که دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

اللہ رب العزت ہمیں علمائے دین کا اکرام اور شرعی اصول وقوانین کے مطابق خدمت دین اور دعوت وتبلیغ کرنے کی توفیقات خاصہ سے نوازیں۔

آمین ثم آمین یارب العالمین بحرمة سید المرسلین
وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم

(مفتاح الخیر جلد/۵ شمارہ ۳۶/۷/۳ دو قسط ۲۰۰۸ء)

حدود شریعت کی رعایت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

نبی اکرم شفیع اعظم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ (۱)

یعنی تمہیں لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، دشواری پیدا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا)۔

حضور ﷺ کی زبان فیضت ترجمان سے نکلے ہوئے یہ جواہر پارے آج سے چودہ سو سال قبل کے ہیں، وہ زمانہ خیر کا زمانہ تھا، اس وقت عبادت وریاضت کا شوق وذوق فراواں تھا، آپ ﷺ ان کے درمیان بہ نفس نفیس تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا کہ تم آسانیاں پیدا کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو تم اس لئے نہیں ہو کہ لوگوں کے لئے مشکلات پیدا کرو۔

آسانیاں پیدا کرو مشکلات نہیں

آج کے اس دور میں جبکہ مذہب سے بیزاری اور مغربی فسوں کاری اپنے نقطئہ عروج کو پہنچی ہوئی ہے اس فرمان نبوی ﷺ کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے اس فرمان نبوی ﷺ کو سامنے رکھ کر آج ہم اپنے گردوپیش کے مسائل پر غور کریں تو بہت سے مسئلوں میں آسانی کی راہیں تلاش کی جاسکتی ہیں، وہ آسانی نہیں جس سے شریعت میں تغیر وترمیم ہو جائے، بلکہ وہ آسانی جس کی وجہ سے شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جائے اور دینی احکامات کی وقعت ومحبت دلوں میں راسخ ہو جائے۔ ہمارے معاشرے میں اختلافات کی بہتات ہے، جدھر جائے ایک مسئلہ کھڑا نظر آئیگا، جس سے ملئے کسی نئے اختلافات کا انکشاف ہوگا، جاہ

(۱) ترمذی، ص۱۲، ج۱

ومنصب کے لئے آپس میں لڑائیوں کا تو ذکر ہی کیا؟ خود دینی وعلمی سطح پر ہماری بہت سی توانائیاں اصل دشمن کا مقابلہ کرنے کے بجائے فروعی مسائل میں، جھگڑنے پر صرف ہو رہی ہیں جو نہ کبھی طے ہوئے نہ کبھی ہو سکتے ہیں۔

مساجد! جہاں دن میں پانچ مرتبہ خدا کے حضور میں سربسجود ہونے کے لئے حاضر ہوتے ہیں، یہ مقدس مقامات بھی اختلافات سے خالی نہ رہے اور آئے دن کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا رہتا ہے اور ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنے فریق مخالف کا گریبان پکڑنے اور اس کو طعن وتشنیع کا ہدف بنانے میں اپنا سارا زور صرف کرتے ہیں۔

اختلاف کے وقت مستحب کو چھوڑ دینا واجب ہوتا ہے

ابھی چند روز قبل ایک مسجد میں امام مسجد کے ایک ایسے عمل کے ادا نہ کرنے پر مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا، جس کا کرنا بالکل ضروری نہ تھا محض مباح تھا، بات اتنی اہم نہ تھی جتنی اہمیت دیدی گئی، مگر دونوں فریق اس طرح الجھ رہے تھے اور آپس میں سر پھٹول پر آمادہ تھے، جیسے ایمان وکفر کا مسئلہ پیش آگیا ہو۔ تعجب ہوا، یاالہی! یہ ماجرا کیا ہے؟ جس قوم کے یہاں یہ تعلیم دی جاتی ہو کہ 'علم دین میں جھگڑا اور جدال نورعلم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے، خواہ وہ جدال حفاظت سنت ہی کے لئے کیوں نہ ہو (۱)! وہ قوم آج چھوٹی چھوٹی بات مباح ومستحبات پر اس قدر لڑ رہی ہے، حالانکہ مستحب کی تعریف ہی میں یہ بات داخل ہے کہ اس کے تارک پر ملامت نہ کی جائے، ورنہ تو مستحب، مستحب نہ رہ جائے گا، لیکن ہماری بدقسمتی! حد یہ ہے کہ مستحبات میں بھی نزاع وجدال اس حد تک پہنچا دیا گیا جیسے فرض وواجب کا مسئلہ ہو۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ فرماتے ہیں:

> "سنت عبادت میں یہ قانون ہے کہ اگر اس میں عوام کے لئے کسی مفسدہ کا خیال غالب ہو تو مستحب کو چھوڑ دینا ہی واجب ہے، چنانچہ حضور ﷺ کا معمول جمعہ کے روز فجر میں الٓمٓ تنزیل اور سورۃ دھر پڑھنے کا تھا، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس کو مکروہ قرار دے دیا، اسی واسطے تو کم فہم لوگوں نے حضرت امام پر مخالف سنت ہونے کا الزام لگایا ہے"......(۲)

(۱) یہ امام مالکؒ کا ارشاد ہے، جس کا مفہوم تحریر کیا گیا ہے، پوری عبادت اوجز المسالک ج ۱ ص ۱۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) پورا ملفوظ دیکھنا چاہیں تو ملاحظہ فرمائیں الافاضات الیومیہ ج ۵، ص ۸۹ ملفوظ نمبر ۹۳، مطبوعہ ادارہ فکر اسلامی دیوبند

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ تم میں ہر شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے، وہ یہ کہ نماز کے بعد داہنی طرف پھرنے کو ضروری سمجھنے لگے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بسا اوقات بائیں جانب سے پھرتے دیکھا ہے''......

صاحب مجمع نے فرمایا ہے کہ اس حدیث شریف سے یہ بات نکلی کہ امر مندوب مکروہ ہوتا ہے۔ جب یہ اندیشہ ہو کہ یہ اپنے مرتبہ سے بڑھ جائیگا، اسی بناء پر فقہار حنفیہ نے نمازوں میں سور تمقرر فرمانے کو مکروہ فرمایا ہے، خواہ اعتقاداً پابندی ہو یا عملاً۔ فتح القدیر نے اس تعمیم کی تصریح کر دی ہے'' (فقہ حنفی کے اصول وضوابط، ص: ۱۲۴)

اپنے نفس پر تنگی ہو لیکن فتوے میں وسعت رکھو

گزارش کا مقصد یہ ہے کہ تشدد اور غلو کا راستہ ترک کیا جائے مباحات و مستحبات کو واجب اور ضروری کے درجہ میں پہونچا کر امت کو سختی اور مشکل میں نہ ڈالا جائے بلکہ سہولت کی راہ اختیار کی جائے ہاں خود عمل کرنے اور مستحبات کی ترغیب دلانے میں مضائقہ نہیں، مگر ایسی ترغیب نہیں کہ وہ واجب بن جائے۔

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:

''محققین کا مسلک یہ ہے کہ اپنے نفس کے عمل میں تنگی برتے اور اعلیٰ وادنیٰ کو عمل کے لئے اختیار کرے، مگر رائے اور فتوی میں وسعت رکھے کہ لوگوں کے لئے مقدور بھر آسانی کرے، جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے "ما کرھت فدعه ولا تحرمه علی احد" (جو کچھ تمہیں ناپسند ہو اسے چھوڑ دو، مگر کسی پر اسے حرام نہ کرو) (مجالس حکیم الامت: ص ۱۶۰)

اس کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہے کہ میں فلاں نماز میں فلاں سورت یا فلاں آیت ہی پڑھوں گا اور عوام و مقتدیوں کی رعایت نہ کروں گا تو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے، اس لئے کہ عوام کی رعایت تو خود آپ ﷺ سے ثابت ہے، چنانچہ حطیم کو کعبہ میں

داخل نہ فرمانا اس کی واضح مثال ہے، حالانکہ حطیم کو کعبہ میں داخل کرنا ایک مستحسن عمل تھا، مگر عوام کے نقصان کے اندیشہ سے آپ ﷺ نے اس کو ترک فرما دیا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وہ واقعہ جب آپ نے سفر میں فرض نماز چار رکعت پڑھی کسی نے پوچھا کہ تم نے حضرت عثمانؓ پر (قصر نہ کرنے میں) اعتراض کیا تھا، پھر خود چار رکعت پڑھی؟ آپ نے جواب دیا کہ خلاف کرنا موجب شر و فساد ہے۔ (۱)

انہیں ارشادات اور طرز عمل کی روشنی میں حضرات فقہاء کرام نے یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ جو مباح و مستحب عمل عوام کے فساد کا ذریعہ بنے اسے ترک کرنا واجب ہے۔ لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ مستحبات نہیں بلکہ بعض جزئی آداب کے چھوڑنے پر بھی بعض حضرات شدت برتتے ہیں اور اس طرح روک ٹوک کرتے ہیں جیسے اس نے کوئی فرض ترک کر دیا ہو۔

سختی نہ کرو، ورنہ سختی میں پڑ جاؤ گے

حاصل تحریر یہ ہے کہ مستحبات کے معاملہ میں شدت نہ فرمائی جائے جہاں تک ہو سکے دینی و دنیوی امور میں حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے آسانیاں پیدا کی جائیں، یہی شریعت کا منشاء ہے، مشہور حدیث میں ہے: اَلدِّیْنُ یُسْرٌ (یہ دین آسان ہے) اس فرمان نبوی کے پیش نظر حتی الوسع آسانی پیدا کی جائے جیسا کہ حضرات اکابرؒ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی، کہ دین میں آسانی کے پہلو کو ابھارتے ہوئے عوام الناس کو عسر و تنگی سے نجات دلاتے رہے، پھر آج کا یہ دور تو مزید فتنے کا دور ہے، اس وقت مسلمانوں کے ذہن و دماغ کو شکوک و شبہات میں ڈالنے کے لئے مغربی طاقتیں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں، اور آئے دن کسی نہ کسی مسئلہ میں شبہ پیدا کر رہی ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے مسلمان تذبذب کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ پہلے کے لوگ دینی تمسک و تصلب میں اپنی مثال آپ تھے، ان کی دینی پختگی کا یہ حال تھا کہ تذبذب و تشکک تو بہت دور کی بات، اس کا تو ان کے یہاں وہم و گمان بھی نہ تھا، وہ بڑی سے بڑی مصیبتوں و مشکلات کو جھیلنا گوارا کر لیتے تھے، مگر دین و شریعت کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے سے ایک انچ بھی کھسکنا برداشت نہیں تھا

(۱) تقلید کی شرعی حیثیت، ص ۱۰۵، بحوالہ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد، از حضرت تھانویؒ، پورا واقعہ دیکھنا چاہیں تو ملاحظہ فرمائیں، مسلم شریف، ج ۱، ص ۲۴۳، ابوداؤد شریف، ج ۱، ص ۲۷۰

اب وہ دینی جذبات نہ رہے اور اسباب و تمسک نہ رہا اس وقت مستحبات تو کجا فرائض و واجبات ہی پر عمل ہو جائے تو بسا غنیمت سمجھیے۔ یہ وقت آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق وہ وقت ہے۔ دین و شریعت پر عمل کرنا ہتھیلی پر چنگاری رکھنے کے مترادف ہے۔ ایسے ہی زمانہ کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

> ''تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی دین کے دسویں حصہ کو بھی چھوڑے گا تو ہلاک ہوگا۔ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اگر لوگ دین کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرلیں تو ان کی نجات کے لئے کافی ہوگا۔''
>
> (ترمذی شریف۔ ج ر ۲۔ ص ر ۵۱۔)

روشنی حد میں اگر ہو تو بھلی لگتی ہے

ہماری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی چیز خواہ کتنی ہی اچھی ہو اسی وقت تک اچھی رہتی ہے جب تک اپنی حد میں رہے، جوں ہی حد سے باہر نکلتی ہے بری معلوم ہونے لگتی ہے۔ مثلاً گورے چہرے پر چھوٹا سا ایک، کالا تل، کتنا حسین معلوم ہوتا ہے، حُسن کو دوبالا کردیتا ہے مگر یہی تل جب اپنی حد سے آگے بڑھ کر مسے کی صورت اختیار کرلیتا ہے تو وہی خوبصورت چہرہ بدصورت معلوم ہونے لگتا ہے، دیکھ کر گھن آنے لگتی ہے، اسی طرح مستحب بھی ایک بہت اچھی چیز ہے، اس پر عمل کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی دلیل ہے، مگر جب تک اپنی حد میں رہے ۔

روشنی حد میں اگر ہو تو بھلی لگتی ہے
آنکھ چندھیانے لگے جس سے اجالا وہ نہیں

اللہ رب العزت ہمیں شریعت کے ہر حکم کو اس کے درجہ میں رکھ کر افراط وتفریط سے بچنے اور اعتدال ومیانہ روی پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

(مفتاح الخیر، جلد ر ۱، شمارہ ۴ ر ۲۰۰۳ء)

باب پنجم

علم و علماء

- قرآن و حدیث میں مذکور علم سے مراد کون سا علم ہے؟
- محصلین چندہ سے۔۔۔
- خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض

قرآن وحدیث میں مذکور علم سے مراد کون سا علم ہے؟

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے ارد گرد مجمع لگائے ہیں، آپ نے پوچھا کہ یہ کیسا مجمع ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ علامہ صاحب (بہت جانکاری رکھنے والے) ہیں آپ نے پوچھا کہ علامہ کا کیا مطلب؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ صاحب عرب کے نسب کے بارے میں، عربی زبان وادب کے بارے میں اور شعر وشاعری واختلافات ومحاورات کے متعلق لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ھذا علم لاینفع وجہل لایضر" یعنی یہ ایسا علم ہے جس میں نفع نہیں اور اس سے جاہل رہنا مضر نہیں۔ (مختصر جامع بیان العلم: عن ابی ہریرہؓ)

علم صرف تین چیزیں ہیں

علم میں کون سا علم نافع اور کس سے جاہل رہنا مضر ہے اس سے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا:

"العلم ثلاثه آية محكمة اوسنة قائمة او فريضة عادلة وكان سوىٰ ذٰلك فهو فضل(۱)"

یعنی علم تین چیزیں ہیں (۱) آیت محکمہ (۲) سنت قائمہ (۳) فریضہ عادلہ اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ سب زائد بے معنی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ (رب زدنی علما کے تحت) فرماتے ہیں:

"علم شریعت کا وہ علم مراد ہے جو ان عبادات ومعاملات کی معرفت کے لئے مفید ثابت ہو جو مکلف پر واجب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات صفات

(۱) مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت اسی طرح ہے، ابوداؤد شریف کتاب الفرائض میں وما کان سوىٰ ذٰلک فھو فضل مقدم ہے اور ابن ماجہ شریف میں وما کان سوىٰ ذٰلک کی جگہ فما وراء ذٰلک ہے۔ (نعیم)

کا علم اور ان چیزوں کا علم جو حکم خدا کے قیام کے لئے لازم ہے اور اللہ کی ذات کو

تمام نقائص سے پاک ثابت کرے اور اس کا مدار تفسیر، حدیث اور فقہ پر ہے۔"
(بحوالہ اوجز للشیخ زکریاؒ ص۹)

اسی کو مولانا رومؒ نے اپنی زبان میں یوں کہا:

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گرد و خبیث

یعنی علم و دین قرآن و حدیث اور فقہ ہے جو شخص ان تینوں کے علاوہ (اس طرح کہ ان تینوں کو چھوڑ کر یا ان میں ضرورت کی مقدار سے کم کر کے غیر ضروری علوم وفنون) پڑھے وہ خبیث ہے۔

علم ایک اکائی ہے کا نظریہ غلط نظریہ ہے

آج کل علوم عصریہ سے مرعوب اور جدید فکر ونظر کے حامل، ہر دل عزیزی اور صلح کل کا مزاج رکھنے والے بعض اہل علم اپنی تقریروں وتحریروں میں برملا یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ "علم ایک اکائی ہے اس میں ثنویت نہیں" یا اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں کہتے ہیں کہ "قرآن وحدیث میں جہاں بھی علم کا ذکر آیا ہے اس میں علم دین یا علم دنیا کی کوئی تفریق وتخصیص نہیں بلکہ اس سے دنیا کا ہر علم وفن مراد ہے" وغیرہ وغیرہ۔

یہ حضرات اپنے اس قول میں کہاں تک مخلص ہیں ہمیں اس سے سروکار نہیں، مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ ان کا یہ نظریہ سراسر غلط اور فاسد ہے۔ اگر ان حضرات کا علم سے مراد محض لغوی معنی یعنی، علم بمعنی دانستن مراد ومطلوب ہے، تو واقعی اس میں ثنویت نہیں اور اس معنی کر تو دنیا کی ہر چیز کے جاننے کو علم کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر علم سے مراد وہ علم ہے جو قرآن وحدیث میں آیا ہے کہ جس کا مقصد اللہ کی رضا وخوشنودی اور شریعت مطہرہ پر عمل کا جذبہ بیدار کرنا ہے۔ تو لاریب اس علم سے علم شریعت وعلم دین ہی مراد ہے۔

ع "علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است"

قرآن وحدیث میں مذکور علم سے مراد علم شریعت ہے

قرآن وحدیث میں جہاں بھی علم کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ومطلوب علم شریعت ہی ہے اور اسی علم کے فضائل ومناقب اور اس سے جہالت کی وعیدیں سنائی گئیں ہیں۔

آج کی مجلس میں ہماری گفتگو کا موضوع ومرکز یہی علم شرعی واصطلاحی ہی ہے۔ علم بمعنیٰ دانستن سے بحث نہیں، مگر ہم اس کے بھی منکر نہیں کہ شریعت میں علوم عصریہ اور فنون دینویہ (بشرطیکہ ضروری اور جائز ہوں) کے بھی سیکھنے اور سکھانے کی نہ صرف یہ کہ بھرپور اجازت، بلکہ اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے اور بعض اوقات تو فرض وواجب بھی قرار دیا گیا ہے اور اخلاص و تصحیح نیت کی صورت میں ان کو دین وعبادت اور کار دین بھی قرار دیا گیا ہے، مگر قرآن وحدیث میں مذکور علم کا مصداق صرف اور صرف علم دین ہی ہے، اگر چہ فنون دینویہ کے سیکھنے کی ترغیب نصوص میں ہے مگر وہ بھی اس وقت جب برائے دین ہی ہوں اور اس میں مفاسد بھی نہ ہوں اور اگر برائے دنیا ہو جیسا کہ آج کل مشاہدہ ہو رہا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹری وغیرہ کا علم معاد کے لئے حاصل کئے جارہے ہیں، ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ یہ سب علوم وفنون معاش کے لئے حاصل کئے جارہے ہیں، ایسے ہی علم کی بابت اقبال نے بہت سوز وگداز کے ساتھ کہا تھا۔

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں

جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کف جو

رہا یہ کہنا کہ قرآن شریف میں جہاں بھی علم کا ذکر آیا ہے وہاں علم دین یا دنیا کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے، اس لئے دونوں قسم کے علوم اس میں مراد ہیں۔ اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے مشہور ادیب اور مفسر قرآن حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادیؒ اپنی مشہور تفسیر تفسیر ماجدی میں رقم طراز ہیں:

> ''قرآن مجید نے علم اور اس کے مختلف صیغوں یعلمون وغیرہ کو جہاں جہاں استعمال کیا ہے عموماً علم حقیقی، علم وحی ونبوت ہی کے معنی میں کیا ہے، ان آیتوں سے آج کے رواجی ''علم وفنون'' اور اسکولوں کالجوں، و یونیورسٹی کی ''تعلیم''

پر استدلال کرنا کس قدر ظلم، قرآن مجید اور فہم سلیم دونوں پر ہے!''

(تفسیر ماجدی جلد اول ص: ۲۲۱)

اطلبوا العلم ولو بالصین سے مراد علم دین ہی ہے

بعض لوگ اپنے اس نظریہ کی تائید و تصحیح میں حدیث شریف اطلبوا العلم ولو بالصین (الخ (۱) پڑھ دیتے ہیں اور اس سے علم دنیا پر استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث سے بھی علم و دین ہی مراد ہے، کیونکہ اسی حدیث کا اگلا جز یعنی فان طلب العلم فریضہ علی کل مسلم خود اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت پر تحصیل علم کو فرض قرار دینا، اس سے مراد علم دین ہی ہو سکتا ہے نہ کہ علم دنیا وغیرہ۔

حضرت حسن بن الربیع ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبداللہ ابن مبارک ؒ سے پوچھا کہ ارشاد نبوی طلب العلم فریضة علی کل مسلم اس کا مطلب کیا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مبارک ؒ نے جواب دیا کہ اس سے وہ دینوی علوم مراد نہیں جو تم حاصل کرتے ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی دینی معاملہ میں مبتلا ہو تو اس کے بارے میں (جانکاری) لوگوں سے حاصل کرے، (اس کے بعد ہی قدم آگے بڑھائے)

(الفقیہ والمتفقہ)

اطلبوا العلم ولو بالصین میں صین سے بعد مسافت مراد ہے

رہا حدیث مذکور میں چین کا ذکر تو اس سے بعد مسافت مراد ہے۔ دلائل و براہین اور مزید تفصیل کیلئے دیکھئے القول المتین فی شرح اطلبوا العلم ولو بالصین۔

(احسن الفتاوی، ج ۱: ص ۴۵۱)

یہ بحث امام العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ؒ کے زمانے میں بھی چھڑی میں تھی، لوگوں نے حضرت مولانا ؒ سے اس سلسلے میں سوال کئے، حضرت مولانا ؒ نے اس سوال کا خاصا تفصیلی جواب لکھا تھا اور اس مسئلہ کو بے غبار کرنے کی کوشش فرمائی تھی حضرت والا ؒ کی یہ تحریر یا فتویٰ ہم یہاں مجلہ احوال و آثار کاندھلہ کے شکریہ کے ساتھ پیش کر رہے ہیں، اس امید کے ساتھ کہ:

---

(۱) فیض القدیر، ص ۶۷۵)

ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

حضرتؒ نے فرمایا: ''علم سے مقصود مراد اور مطلوب علم دین، ہے فقط، نہ علم دنیا کا۔

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا الآیۃ (الفاطر ۲۸)
اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

وقال تعالیٰ: یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلۃ:۱۱)

اللہ بلند کرے گا ان کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم ان کے درجے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

ان دونوں آیات میں صاف ظاہر ہے کہ علم دین مراد ہے، کیونکہ خشیت حق تعالیٰ کی علم دین سے حاصل ہوتی ہے، نہ علوم دنیاوی سے، اور رفع درجات عند اللہ تعالیٰ بھی دین کے علم سے حاصل ہوتی ہے نہ تحصیل علم دنیا سے، بلکہ علم دنیا سے غفلت اور معصیت پیدا ہوتی ہے اور موجب بعد کا ہوتا ہے کما لا یخفیٰ۔

علیٰ ہذا جہاں کہیں تمام قرآن شریف میں ذکر علم مطلوب کا آیا ہے، وہاں علم دین ہی مراد ہے اور بس۔

قال رسول اللہ ﷺ: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (۱) الحدیث:
علم کا طلب کرنا (سیکھنا) ہر ایک مسلمان مرد پر فرض ہے۔ (ترجمہ نور)

وقال ایضًا: من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ الحدیث: (۲)
نیز فرمایا: جو علم کرنے کے لئے گھر سے نکلا وہ گویا اللہ کے راستے میں نکلا ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں بھی مراد علم سے علم دین کا ہی ہے، کیونکہ طلب کا فرض ہونا اور طالب کا فی سبیل اللہ ہونا دین کی وجہ سے ہی ہوتا ہے، نہ بوجہ تحصیل متاع دنیا کے، جب متاع دنیا کو شارع نے (رأس کل خطیئۃ) فرمایا ہے، پس جو شے کی سر جملہ گناہوں کا ہو وہ

(۱) رواہ ابن ماجہ وروی البیہقی فی شعب الایمان عن انس وقال البغوی ھذا حدیث متنہ مشہور واسنادہ ضعیف وقد روی من اوجہ کلھا ضعیف مشکوۃ المصابیح کتاب العلم۔ الفصل الثانی۔ (ج، ص۳۴)

(۲) رواہ الترمذی والدارمی عن انس ؓ۔ مشکوۃ المصابیح کتاب العلم۔ الفصل الثانی (ج، ص۳۴)

کس طرح فرض، اور سبیل اللہ بن سکتا ہے اور علی ہذا جس قدر احادیث فضل اور تحصیل علم میں وارد ہیں، سب میں مراد علم دینیات کا ہی ہے اور بس! اور ہرگز کہیں اس سے علم تحصیل دنیا کا مراد نہیں، اور وہ حدیث جو زبان زد ہے:

اطلبو العلم ولو بالصین کے بابت حضرت گنگوہیؒ کی تحقیق

اطلبو العلم ولو کان فی الصین(۱) علم طلب کرو، چاہے وہ چین میں ہی ہو۔

بشرط ثبوت کے اس سے بھی علم دین مراد ہے، کیوں کہ قدر مایحتاج دنیا تو ہر بلد وقریہ میں ہے پس اس قدر مشقت کہ تا بہ چین اس کی تحصیل کے واسطے مشقت اٹھانا فرض ہو، ہرگز کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ دنیا کے واسطے امر ہو، رسول اللہ ﷺ خود رکوب بحر کو بوجہ مشقت کے تحصیل دنیا کے واسطے نازیبا ارشاد فرماتے ہیں:

لقوله علیه السلام. لا یرکب البحر الاغازی او حاج(۲)

دریا کا سفر نہ کرے مگر صرف وہ شخص جو جہاد کے لئے یا حج کے لئے جارہا ہے۔

(ترجمہ نور)

پس اطلبوا کا لفظ جو فرض پر دال ہے بوجہ امر کا صیغہ ہونے کے تحصیل متاع دنیا کے واسطے مشقت سفر کو کب فرض کر سکتا ہے، سو خلاف عقل ونقل کے ہے، بہر حال اس سے مراد وہی علم ہے جس کو فرمایا: طلب العلم فریضة علی کل مسلم جس کو علم دین کہتے ہیں، نہ کہ علم دنیا، اور یہ روایت کتب طب کہ:

---

(۱) علامہ ابن جوزیؒ ابن حبان اور ملا علی قاری نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ روایت بے اصل ہے: لا اصل له مگر علامہ بن عراق نے تنزیة الشرعیة المرفوعه. ج۱. ص۲۵۸ (دار الکتب علمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ) اور علامہ عجلونی نے کشف الخفاء میں اس کے متعدد طرق اور شواہد نقل فرمائے ہیں جس سے اس کے بے اصل ہونے کی تردید ہوتی ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ اکثر ائمہ اعلام اور محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے، وقد ضعف جماعة من الائمة طرقه کلها اور علامہ عجلونیؒ نے اس حدیث پر گفتگو کے آخیر میں علامہ ذہبی کے حوالے سے جو نقل کیا ہے وہی اس میں قول فیصل ہے وہ یہ ہے: روی عن علی وابن مسعود وابن عمر وابن عباس و جابر. وانس و ابی سعید و بعض طریقه اوهی من بعض و بعضه صالح تنزیه الشریعه. ج۱. ص۲۵۸)

(۲) لا یرکب البحر الاحاج او معتمر. او غازی فی سبیل الله عن عبد الله بن عمرو. رواه ابوداؤد باب فی رکوب البحر فی الغزو. کتاب الجهاد: ج۱. ص۳۳۰. (عکس اصح المطابع. دهلی)

العلم علمان سے متعلق حضرت گنگوہیؒ کی تحقیق انیق

العلم علمان الخ[1] علم حقیقت میں دو طرح کے ہیں، دین کا علم اور بدن (طب) کا علم۔

"اولاً یہ حدیث ہی نہیں، بعد تسلیم وفرض اس کے حدیث ہونے کے، وہ خود تفرقہ کرتی ہے کہ علم کی دو نوع ہیں، اور علم ابدان جو فن طب ہے علم دین سے جدا ہے، کیوں کہ ہر نوع دوسری نوع سے متبائن اور اس کی ضد ہوتی ہے بہرحال علم ابدان کا علم دین کا غیر اور ضد ہونا اس سے واضح ہوگیا اور بالکل واضح ہوگیا کہ جس علم کی تحصیل کا حکم ہے وہ علم دین کا ہی ہے۔ فقط"۔

مطلق علم اور عالم سے مراد علم دین یا عالم دین ہی ہوتا ہے

سو امر واضح رہے کہ جہاں علم دین کا اطلاق ہووے گا وہاں دوسرے کسی علم کا دخل نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر نوع متبائن دوسرے کی ہے۔ پس نصوص قرآن شریف اور احادیث سے واضح ہوا کہ علم معتبر عند اللہ تعالی وعند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عرف شرع شریف میں علم دین ہی ہے اور عرف عام وخاص اہل اسلام میں قدیماً وحدیثاً یہ ہی ہے کہ جب علم کا لفظ بولتے ہیں اور عالم کسی کو کہتے ہیں تو اس سے مراد علم دین اور عالم علوم دینی کا ہی مراد ہوتا ہے نہ ریاضی وطب وفلسفہ کہ ان علوم کو کوئی بھی علوم نہیں جانتا کہ ان کے واقف کو عالم کہتا ہے۔ (ان کو حساب داں، حکیم وطبیب یا فلسفی کہا جاتا ہے۔) (سہ ماہی احوال وآثار جلد ۵ شمارہ ۱)

محدث عصر حضرت گنگوہیؒ کی اس تحریر یا فتوی کے بعد اب مزید کچھ لکھنے لکھانے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ کاش!! جو لوگ قرآن وحدیث میں آمدہ علم سے مراد، علم دنیا لیتے ہیں وہ اس تحریر پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے اور ذرا اس پر بھی غور کرتے کہ حدیث شریف میں یہ جو آیا ہے کہ قرب قیامت علم اٹھا لیا جائیگا تو کیا اس علم سے مراد علم دنیا ہے یا دین؟ حالانکہ علم دنیا روز بروز ترقی پر ہے اور رہے گا۔ اور اگر وہ ضرورت کے ہر علم وفن کو علم میں

---

(۱) العلم علمان علم الادیان وعلم الأبدان. قال فی الخلاصة موضوع وقال السیوطی فی اوائل خطبة کتاب الطب والنبوی: انه من کان الامام الشافعی. کشف الخفاء عجلونی ج۲، ص۶۸ (حدیث ۱۷۶۵)

داخل سمجھتے ہیں تو شاید موچی جو جوتا گانٹھتا ہے ان کے نزدیک وہ بھی عالم اور بفرمان نبوی وارث انبیاء ہوگا۔ اور جو جوتا گانٹھنے کا فن یا ہنر سیکھنے کے لئے اپنے گھر سے نکلے ان کے نزدیک شاید وہ بھی من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ (الخ) اور من سلک طریقًا یطلب فیہ علما (الخ)(۱) میں داخل ہوگا -- شاید اسے وہ بھی برداشت نہ کریں۔

حضرات انبیاء کی بعثت کا مقصد علم دین تھا علم دنیا سکھانا نہیں

رہا یہ کہنا کہ حضرت نوحؑ نے کشتی بنائی یا حضرت داؤد علیہ السلام نے زرہیں بنائی وغیرہ اولاً تو کیا یہ باتیں اکابرؒ کی نظروں سے اوجھل تھیں، یا انہوں نے اس کا مطلب نہیں سمجھا، پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے ان علوم وفنون کو علم دین میں داخل نہیں مانا؟

یہاں ایک بات اور سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ ایک ہے کسی کا صحیح اور جائز ہونا اور ایک ہے اسکا مرادنص ہونا۔ کسی چیز کے جائز وصحیح ہونے سے اس کا مرادنص ہونا ضروری نہیں دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں کے درمیان فرق واعتبار ضروری ہے۔ حضرات انبیاء کا ضرورتاً کسی کام کو کرنا، اور ہے، اور کسی چیز کا اپنی امت کو حکم دینا اور ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام وغیرہ نے یا ان کے بعد کسی نبی نے بھی اپنی امت کو بطور علم دین کشتی وغیرہ بنانے کا رواج دیا ہو یا اس کی ترغیب وتاکید فرمائی ہو۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں:

> "اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے کسی نے بھی یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ جامیٹری، الجبراء، تاریخ، جغرافیہ، سائنس اور مختلف علوم وفنون سکھانے آئے ہیں، بلکہ سب نے یہ کہا ہم انسان کو زندگی کے تیز وتند دریا سے کامیابی کے ساتھ کنارے پہنچانے کا فن بتانے آئے ہیں۔" (تحفہ انسانیت ص: ۷ ،۱۳)

آخر میں ہم اپنی بات پھر دہرائے دیتے ہیں کہ ہمارا مقصد صنعت وحرفت یا دیگر علوم فنون دنیویہ سے روکنا نہیں، ہاں! اتنی گزارش ضرور ہے کہ قرآن وحدیث میں جس علم کا ذکر ہے، اور جس علم کے فضائل ومناقب بیان کیے گئے ہیں، ان فضائل ومناقب کو انہی علوم تک محدود رہنے دیا جائے، اور دیگر علوم وفنون کے تحصیل کی ترغیب وتحریض امت کو دلائے

---

(۱) ابوداؤد شریف کتاب العلم

جائے، کیا ایسا ممکن نہیں؟ اگر ہاں! تو

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کی رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

کلیات اکبر الٰہ آبادی، ص ۸۰، حصہ دوم، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۱۶ء

(مفتاح الخیر، جلد ۴، شمارہ ۷، ۲/ ۲۰۰۶ء)

□□□

محصلین چندہ سے......

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

رمضان المبارک کا چاند طلوع ہوتے ہی کچھ لوگ خدمتِ دین کے واسطے بغلوں میں رسیدات کا بنڈل دبائے، حصول چندہ کے لئے ملک در ملک، شہر در شہر، گاؤں در گاؤں، پھرتے نظر آئیں گے، ان میں کچھ مسجد و مدرسہ کے لئے ہوتے ہیں کچھ دینی تنظیموں اور متفرق انجمنوں کے لئے اور جو اپنی ضروریات کے لئے مانگتے ہیں ان کا یہاں کوئی ذکر نہیں، یہ بے چارے خادمانِ دین و اسلام دین کے نام پر کیا کچھ نہیں سنتے، امراء کے طعنے سنیں، رؤساء کی جھڑکیاں جھیلیں، عوام کی کڑوی کسیلی برداشت کریں اور یہ سب دین و اسلام کی خدمت کے لئے کرنا پڑتا ہے، آخر کیوں اور کب تک؟

چندوں نے علماء کو بے وقعت کر دیا ہے

ہمارے اکابر میں حضرت حکیم الامتؒ کا جو نظریہ چندہ مانگنے سے متعلق تھا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل اور حرز و جان بنانے کے لائق ہے، حضرتؒ فرماتے ہیں،

> "ان مدارس کے چندوں نے علماء کو بے وقعت کر دیا ہے، اگر علماء اپنی حالت درست کرلیں اور ان مالداروں کو منہ نہ لگائیں اور قناعت اختیار کرلیں تو پھر عوام پر بھی بہت اچھا اثر ہو اور جب علماء ہی کو اموال کے ساتھ اس قدر دلچسپی ہو کہ دولت مندوں کے خوشامدیں کریں تو عوام بے چاروں کی کیا شکایت ہے، واللہ! اگر یہ لوگ خوشامد اور حرص چھوڑ کر استغناء کا معاملہ کریں تو امراء انکے دروازوں پر خود آئیں البتہ آنے والوں کے ساتھ بداخلاقی نہ کریں۔"
>
> (رفع الموانع: ۵۵/۵۶)

چندے کا کام رؤساء کریں

اور ایک جگہ یوں فرمایا:

''اس چندہ کی بدولت لوگ علماء سے بھاگنے لگے ہیں، ان کی صورت سے بھی ڈرنے لگے ہیں، چنانچہ ایک سب جج صاحب جن کا لباس مولویانہ ہوتا تھا، کسی نئی جگہ بدل کر گئے اور محض خوش اخلاقی کے سبب کسی رئیس سے ملنے گئے، تو وہ ان کو دیکھ کر گھر میں گھس گئے بعد میں نوکر نے اطلاع دی کہ سب جج صاحب آپ سے ملنے کو آئے ہیں، تو وہ باہر آئے اور کہا معاف فرمائے گا میں آپ کے لباس سے یہ سمجھا کہ مولوی صاحب چندہ مانگنے آئے ہیں، واقعی آج کل کوئی مولوی کسی رئیس سے ملنے جاتا ہے تو اول یہ خیال آتا ہے کہ شاید چندہ کا سوال ہوگا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ علماء یہ کام ہر گز نہ کریں، بلکہ رؤساء عوام کریں، اور مولویوں سے دین کا کام لیں۔'' (علم و عمل: ص ۲۶)

''چندہ رؤساء کریں اور خطاب بھی عام ہو، علماء نہ کریں کیوں کہ اگر وجاہتِ عالم ہوگی تو دینے والے کو گرانی ہوگی اور اگر عالم میں وجاہت نہیں تو ذلت ہوگی، دونوں صورتوں میں دین کا نقصان ہے'' (الکلام الحسن: ص ۱۵۸)

شرم تم کو مگر نہیں آتی

نیز فرمایا:

''مگر اب تو غضب یہ ہے کہ مسلمان یوں چاہتے ہیں کہ علماء خود ہی روپیہ جمع کریں، آپ کو شرم نہیں آتی کہ جن علماء کو مقتداء سمجھتے ہو ان ہی سے بھیک منگوانا چاہتے ہو، آپ کو لازم ہے کہ رقم کا انتظام خود کرو اور کام کے لئے علماء سے عرض کرو۔

آج کل اہل علم کو چندہ سے روکنا تو مشکل ہے اور یہ سوال کہ رسم دنیا سے اٹھنا دشوار ہے مگر قوم سے کہتا ہوں کہ تم اپنے دین کی بے عزتی کیوں کرتے ہو، علماء کے سپرد تم نے یہ خدمت کیوں کی جس سے وہ ذلیل ہوئے، اور ان کے ساتھ علم و دین بھی ذلیل ہوا۔ غیرت قومی کیسے گوارہ کرتی ہے کہ اپنے علماء کو لوگوں کی نظروں

میں بے وقعت دیکھا جائے" (التبلیغ: ص ۹۷، ۱۵۴)

اگر چندہ نہ کیا جائے تو پھر مدرسے کیسے چلیں

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر چندہ نہ کیا جائے تو یہ مدارس دینیہ اسلامیہ جو دین کے قلعہ اور اسلام کی حفاظت کے ذرائع ہیں بند ہو جائیں گے۔ اس سے متعلق حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں۔

"اہل مدارس کہہ دیتے ہیں کہ اگر اس طرح سے سوال نہ کیا جائے تو کام کیسے چلے۔ میں کہتا ہوں تحریک عام میں مذائقہ نہیں، اگر خلوص سے کام لیا گیا ہے تو اس تحریک کا بھی اثر ضرور ہوگا اور اگر نہ اثر ہو تو نہ سہی ہر شخص اتنے کام کا مکلف ہے جو اس کے بس کا ہو۔ آپ اپنا کام کر چکے کوئی نہیں دیتا مت دینے دو رہا یہ کہ کام تو بند ہو گیا میں کہتا ہوں کہ جتنا تھوڑا بہت ہو سکے کرو اور جو بدون بڑی رقموں کے نہ سکے اس کو چھوڑ دو اگر مدرسے مٹ بھی جائیں تو مٹ جانے دو میں علماء سے کہتا ہوں کہ اس حالت میں اپنے گھر بیٹھو، مزدوری کر کے کھاؤ کوئی آئے تو پڑھا دو کھانے کو نہ ملے تو اسی کونے میں مر جاؤ، مگر ہاتھ مت پھیلاؤ، اور خدا کے سامنے کہہ دینا کہ جتنا ہم سے ہو سکا اتنا ہم نے کیا اس سے زیادہ کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ جن کے پاس تھا، انہوں نے ہمیں دیا نہیں اس وقت ساری قوم کی گردنیں نپ جائیں گی۔" (التبلیغ: ص ۱۵۳)

اپنے اختیار میں جتنا ہو سکے اتنا ہی کام کرو

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

"ان صاحب کو یہی حسرت ہے کہ مدرسہ کا کام گھٹ گیا، اہل مدارس کہتے ہیں کہ اگر سوال نہ کیا جائے تو کام کیسے چلے ارے ہم کہتے ہیں کہ کام سے مقصود کیا ہے۔ رضاء الٰہی وہ تو نہیں گھٹی جب سو طالب علموں کی خدمت اختیار میں تھی سو خدمت کرتے تھے۔ اب پانچ کی اختیار میں ہیں۔ پانچ کریں گے، کام ہلکا اور ثواب وہی پھر غم کس چیز کا؟ حدیث شریف میں ہے جب بندہ بیمار پڑتا ہے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ میرا بندہ معذور ہو گیا جو نیک عمل یہ صحت کی حالت میں کرتا

تھا اب بھی وہی لکھتے رہو، دیکھئے ثواب وہی لکھا جاتا ہے، حالاں کہ عمل نہیں، اگر ہم پانچ (طلبہ) کی خدمت کی قدرت رکھتے ہیں لیکن نیت یہ ہے کہ اگر قدرت ہوتی تو سو (طلبہ) کی خدمت کرتے تو ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا سو (طلبہ) کی خدمت کرنے میں ملتا ہے، بلکہ یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ دماغ ہلکا رہا اور ثواب پورا ملا۔" (حسن العزیز جلد ا:ص ۵۸۳)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو چندہ کرنے کی ذلت برداشت کرتے ہیں، اپنے لئے تھوڑے ہی کرتے ہیں آخر دین اور اسلام کی خدمت ہی کے لئے تو یہ ذلت برداشت کرتے ہیں۔

لوگوں سے چمٹ کر سوال نہ کرو

حضرت حکیم الامت اس بابت فرماتے ہیں:

صاحبو! خدا تعالی نے کب کہا تھا کہ تم لوگوں سے چمٹ کر اور پریشان کر کے وصول کرنا اور ہمارے حکموں کو چھوڑ دینا، بعض لوگ اس کے جواب میں کہا کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے لئے تو نہیں کیا خدا کے کام کے لئے کیا ہے، یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے، اگر اپنے لئے کرتے تو خیر کچھ ملتا دنیا ہی سہی، اور اب تو سوائے گناہ کے کچھ بھی نہ ملا اور یہ تو ان لوگوں کی حالت ہے جو محض دین کا کام سمجھ کر کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے نفس کے کسی غرض کے حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں ان کا تو ذکر ہی کیا ہے، پس ازالہ قحط کی یہ تدبیر نہیں ہیں۔

(آداب انسانیت ص: ۱۷۷)

حضرت تھانوی کے ان ملفوظات وارشادات کو سن کر بعض حضرات کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت حکیم الامت نے ایسا کرلیا ان کے لئے آسان تھا، وہ فلاں ابن فلاں تھے۔ وہ مالدار وزمیندار تھے پھر اب تو وہ زمانہ بھی نہیں رہا۔ حضرت حکیم الامت اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

ہر وہ شخص بغیر چندہ کے مدرسہ چلالیگا جو خلوص سے کام کریگا

"بعض لوگوں نے کہا اس طرح تم نے چلالیا مگر کسی اور سے نہ چل سکے گا۔ میں کہتا ہوں ہر وہ شخص چلالیگا جو خلوص سے اللہ کے بھروسے پر کام کریگا اور اگر نہ بھی چلے چھوڑ دے، میں نے بھی یہی قصد کرلیا تھا جتنا کام اپنی ذات سے ہو

سکے گا وہ کروں گا اور اگر اس سے زیادہ حق تعالیٰ چاہیں گے کسی ذریعہ سے کرادیں گے ورنہ اس کے عدم ہی میں مصلحت سمجھوں گا۔ حدیث قدسی میں ہے۔

انا عند ظن عبدی بی (اخرجہ الشیخان والحاکم بسند صحیح)

یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں: میں بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مجھ سے اچھا گمان رکھے گا تو میں بھی اچھا برتاؤ کروں گا اور جو بدگمانی کرے گا تو اس کے ساتھ ان کے گمان کے موافق برتاؤ کیا جاتا ہے اور جس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ بغیر ظاہری سبب کے چل نہیں سکتا، تو حق تعالیٰ اس کو گمان کا ثمرہ مرحمت فرماتے ہیں یعنی وہ کام بغیر ظاہری سبب کے نہیں، چل سکتا۔"

(مفتاح الخیر)

حضرت حکیم الامتؒ کے مذکورہ بالا ملفوظات وارشادات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت نفس چندہ کے تحریک ہی کے مخالف تھے، بلکہ حضرتؒ خود فرمایا کرتے تھے:

میں چندہ کا مخالف نہیں ہوں، طریقہ کار کا مخالف ہوں

"میں چندہ کا مخالف نہیں ہوں مگر طریقہ کار کا مخالف ہوں، میرے نزدیک طریقہ یہ ہے کہ اس کی تحریک رؤساء کریں، مولوی نہ کریں، کیوں کہ رؤساء خود بھی دیتے ہیں اور ان کی تحریک سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا اور مولوی چوں کہ خود نہیں دیتے اس لئے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنے کھانے کے واسطے کر رہے ہیں۔ (کلمۃ الحق ص:۴۶)

یہاں حضرتؒ کے چند ملفوظات نقل کردیئے گئے ہیں مزید دیکھنا چاہیں تو ملاحظہ فرمائیں "العلم والعلماء" باب ۱۱ مرتب مفتی محمد زید مظاہری ندوی "مفاسد چندہ" مرتب مولانا نجم الحسن صاحب تھانوی، "چندہ کے احکام وفضائل" مرتب جناب محمد اقبال قریشی ان کتابوں میں اس موضوع سے متعلق حضرت حکیم الامتؒ کے بہت سارے ملفوظات ملیں گے۔

حضرت تھانویؒ کا چندہ سے روکنے کا مقصد صیانۃ العلماء ہے

ممکن ہے بعض حضرات حضرت حکیم الامتؒ کے اس نظریہ سے متفق نہ ہوں، مگر سچ یہ ہے کہ حضرت کا یہ نظریہ بہت ہی سوچا سمجھا اور تجربوں کے بعد بنا تھا، وہ یہ بھی کہتے تھے کہ

چندہ امراء سے نہیں غرباء سے کیا جائے، غرباء علماء کو ذلیل نہ سمجھیں گے، عزت دیں گے اور ممنون بھی رہیں گے، برخلاف امراء کے کہ ان کے سامنے ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ حضرت حکیم الامت ؒ کے یہاں علم اور علماء کا ادب واحترام تھا وہ علماء کو رؤساء کے سامنے ذلیل ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے، ان کے پیش نظر نبی ﷺ کا ارشاد: نعم الامیر علی باب الفقیر وبئس الفقیر علی باب الامیر: آپ نے اپنا یہ طرزِ عمل اسلاف واکابر کی روایات کی روشنی میں متعین فرمایا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ؒ چندہ کے مخالف تھے، بلکہ جہاں ضرورت سمجھی اور علماء دین کی توہین نہیں محسوس کی وہاں آپ نے چندہ کی تحریک بھی فرمائی اور بعض وعظوں میں بھی چندہ کی اپیل کی، مقصد صیانۃ العلماء تھا۔

چندہ کرنے والوں کی ذلت کا چشم دید واقعہ

اگر غور کیا جائے تو حضرت تھانوی ؒ کا یہ نظریہ آج سے نصف صدی قبل تھا، اس وقت اتنی خرابیاں نہ تھیں، مگر آج جو عالم ہے اسے کہتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے، میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ضلع ۔۔۔ میں ایک سیٹھ صاحب ہیں وہ رمضان المبارک میں سارا دن چندہ تقسیم کرتے ہیں، مگر جناب کا حال یہ ہے کہ بغل میں ایک لٹھ رکھتے ہیں اور جس سفیر نے ذرا بھی عجلت کی یا کوئی بات خلاف طبع پیش آئی تو بے دریغ سر پر لٹھ بجا دیتے ہیں، یہ صورتِ حال دیکھ کر میں دنگ رہ گیا، یا اللہ! کیا خادمانِ دین وملت کی یہی قدر وعزت رہ گئی ہے؟!!

یہ ہو چکا ہے ہمارے چندہ دہندگان کا حال اور اس جگہ تک نوبت پہنچانے کے ذمہ دار ہم خود ہیں، اگر ہم اپنے آپ کو اتنا ذلیل نہ کرتے تو شاید یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

عوام مدارس کے محتاج ہیں علماء نہیں

حضرت حکیم الامت ؒ تو یہاں تک کہا کرتے تھے کہ:۔

"اگر علماء کو اپنا محتاج سمجھتے ہو تو انکو دینا بند کر دو، سب لوگ اتفاق کر کے اپنی امداد روک لو، الحمد للہ ہم کو کچھ پروا نہیں ہے، ہم میں سے کچھ چاول کی دوکان کریں گے، کچھ آٹا دال کی، کچھ اور چیزوں کی مگر اس حالت میں تم

اپنی اور اولاد کی فکر کرو، پچاس سال بعد تمہاری اولاد کا کیا حشر ہوگا، کچھ یہودی ہوگی، کچھ نصرانی، کچھ آریہ، معاذ اللہ کیوں کہ ان آفات سے مانع تعلیم دین ہے اور اس صورت میں علماء تعلیم کیلئے فارغ نہ ہوں گے۔ (کلمۃ الحق ص: ۳۶)"

چندہ کرنے والے علماء اپنے کو دین دار بنائیں

میں یہ نہیں کہتا کہ ساری غلطیاں عوام اور امراء ہی کی ہیں، بلکہ ہمارے چندہ کرنے والوں نے بھی تو حد کردی ہے، ان میں بعض تو ایسے ہیں جو رمضان المبارک جیسے طاعات وعبادات کے مہینے میں بھی دین کی پروا نہیں کرتے، چوں کہ سفر میں رخصت ہے، اس لئے اکثر روزہ بھی نہیں رکھتے اور میں نے تو بعضوں کو پان چباتے تک دیکھا ہے۔ نماز یہ قاعدے سے نہیں پڑھتے چندہ کے چکر میں تراویح یہ ہضم کرجائیں اور تو اور جس نے سالِ گزشتہ سو (۱۰۰) دیا تھا اس سے اس طرح چمٹ کر سو ہی دینے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس طرح اپنی پرانی روداد و رسید دکھاتے ہیں کہ جیسے سالِ گزشتہ قرض دے کر گئے تھے اس سال وصول کرنے آئے ہیں اور اس پر اصرار پر اصرار اس قدر کہ جو الحاف کی حد تک پہنچ جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان لَا تَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (وہ لوگوں سے اصرار کرکے مانگتے نہیں) کے بالکل خلاف ہے۔

یہ سب حالات دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور افسوس بھی کہ آخر دین کے نام پر یہ سب کچھ کیوں ہورہا ہے؟ دین کی خدمت آخر اس طرح سے کرنا کہ تدین وتقویٰ کو بالائے طاق رکھ کر اس حد تک اپنے کو ذلت ورسوائی میں ڈال کر بھلا یہ کونسی دین کی خدمت ہے؟ آخر دین کے نام پر رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں اس قدر بے احتیاطیاں کیوں؟ اسی کے مخفیات پر نظر فرما کر ایک جگہ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا:

علماء کے ظاہری حالات سے محسوس ہوتا ہے کہ مدرسہ سے مقصود دین نہیں

"مہتممین ومنتظمین کی ظاہری حالت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بس مدرسہ سے عزت وجاہ مقصود ہے، کیونکہ مدرسہ نہ رہا تو اہتمام وحکومت جاتی رہے گی۔ (مفاسد چندہ ص: ۷)

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ آج بہت سے اللہ کے بندے ہیں جو محض دین کی خدمت اور

رضائے الٰہی کے لئے چندہ کرتے ہیں، بظاہر ان کو کم ملتا ہے، مگر دین کے کام اور اخلاص کی برکت سے ان کا مدرسہ یا ادارہ روز افزوں ترقی پر ہے۔

مدرسہ رہے یا نہ رہے لیکن کام تو اصول ہی سے ہوگا

بہر حال ہر کام رضائے الٰہی کے لئے توکل واستغناء کے ساتھ کرنا چاہیے، نہ مخلوق اور عوام سے ڈرنے کی کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی امراء سے تملق وچاپلوسی کرنے کی کوئی حاجت، دین کا کام ہے ہم نہ کرسکیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کسی نہ کسی سے کراہی لیں گے، مگر سارا کام اصول ہی سے ہونا چاہیے۔ بقول حضرت تھانویؒ:

''مدرسہ رہے نہ رہے لیکن کام تو اصول ہی سے ہوگا''

حضرت حکیم الامتؒ نے چندہ کرنے کے کچھ شرائط وہدایت بھی تحریر فرمائی ہیں، انہیں بھی پڑھنا چاہیے، بلکہ حرز جان بنانا چاہیے۔ ہم اپنی بات کو حضرت حکیم الامتؒ ہی کے ارشاد پر ختم کرتے ہیں:

چندہ مانگنا ہو تو غریبوں سے مانگو

فرمایا: ''چندہ مانگو تو غریبوں سے مانگو، اس میں کچھ ذلت نہیں، وہ جو کچھ بھی دیں گے نہایت خلوص وتواضع سے دیں گے اور اس میں برکت بھی ہوگی اور امراء تو محصل کو ذلیل اور خود کو بڑا سمجھ کر دیتے ہیں، اس لئے اس میں ذلت بھی ہے، دوسرے یہ کہ وہ تو بے چارے رحم کے قابل ہیں کہ ان کا خرچ آمدنی سے بڑھا ہوا ہے، اس لئے پریشان رہتے ہیں۔

(کمالات اشرفیہ ص: ۱۰۶ر۱۰۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ دین کی صحیح صحیح خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ یارب العالمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(مفتاح الخیر جلد ۲ ر شمارہ ر ۱۵، ۱۶ ۲۰۰۴ء)

خودی کو نہ دے سیم وزر کے عوض

رب کائنات نے اس آسمان کے نیچے ہر قسم کی چیزیں، نوع بنوع اشیاء اور الگ الگ مزاج و مذاق اور مختلف طبیعت و فطرت کے لوگوں کو پیدا فرمایا، ان میں کسی کو بادشاہی عطاء کی تو کسی کو فقیری، کسی کو صحت مند بنایا تو کسی کو بیمار، کسی کو ایمان کی دولت عطا فرمائی، کسی کو کفر کی نحوست دی، کسی کو نکوکار، تو کسی کو خطاء کار، کسی کو عیش و عشرت میں رکھا تو کسی کو نان جویں کا محتاج بنایا، کسی کے اندر زر اندوزی کی ہوس رکھی تو کسی کو دنیا سے بیزاری عطا کی۔

ہزاروں خواہشیں ایسی۔۔۔

غرض ہر ایک اپنی اپنی کوشش و دھن میں ہمہ وقت کوشاں و فکر مند اور رواں دواں ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہر ایک کے پاس مادی خواہشات اور نفسانی لذات کی ایک طویل ترین فہرست ہے، جس کی تکمیل میں شب و روز منہمک و مصروف -- ان تمام خواہشوں میں جاہ و مال کی خواہش بے حد محبوب و مرغوب، کہ اگر آج ایک خواہش برآئی تو کل دوسری نئی خواہش جنم لیتی ہے۔ قصہ مختصر انسان اپنی انھی خواہشات میں غلطاں و پیچاں ہے اور اسی کی تکمیل میں صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے، بالآخر عمر یونہی تمام ہوتی ہے، آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل تو کیا ہوتی بلکہ بہت سی آرزوئیں تو سینے میں دفن ہو کر شہر خموشاں پہنچ جاتی ہیں۔ غالب نے کیا خوب کہا ۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے

تمام ارمانوں اور خواہشوں میں سب سے بڑی اور لامتناہی خواہش مال کی ہے، اگر کسی کے پاس رہنے کا ٹھکانہ ہے تو کل کو خواہش ہوتی ہے کہ پختہ مکان، پھر حویلی وغیرہ، اگر

آج سائیکل سے سفر کرتا ہے تو کل کو موٹر سائیکل و موٹر گاڑی کی تمنا، الغرض روز بروز آرزؤں اور تمناؤں کی دنیا وسیع سے وسیع تر ہوتی رہتی ہے اور انھیں کی تکمیل و تعمیل میں پوری زندگی کی چکی چلتی رہتی ہے، یہاں تک کہ انسان اسی میں پھنس کر اپنے اس تخلیقی مقصد سے بہت دور نکل جاتا ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے اور جو اس کا محور و مقصد ہے، یعنی وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون○ (سورۃ الذاریات، آیت ۵۶)

مال فی نفسہٖ نہ محمود ہے نہ مذموم

واضح رہے کہ قرآن و حدیث میں حصول مال کی مذمت و تعریف میں دونوں طرح کی آیات و روایات وارد ہوئی ہیں۔ اور یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ کسی چیز کی مذمت و تعریف ذات کی نہیں ہوتی بلکہ اس سے پیدا ہونے والے عوارض و نتائج اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات و ثمرات کی ہوتی ہے، اسی سے معلوم ہوا کہ حلال مال کا حاصل کرنا اور اس کا صحیح مصرف پر خرچ کرنا یہ مستحسن و ممدوح ہے، اور اسی طرح حرام مال کا کسب اور غیر مصرف پر استعمال مکروہ و مذموم ہے۔

جو پینترے ہیں فقط حب جاہ والے ہیں

دنیا طلبی و زر اندوزی جس قوم و فرد کو بھا جائے گی تو وہ ہر وہ پینترے کھیلے گی جو اس راہ میں اختیار کئے جاتے ہیں اور جن کے لوازمات پورے کرنا اس کا سب سے پہلا زینہ ہے، اور وہ ہے اہل مال و ثروت کے پاس آنا جانا اور ان سے اپنے روابط مستحکم کرنا، یہی اس کا پہلا زینہ اور پہلی منزل ہے۔

نہ جا ظاہر پرستی پر۔۔۔

زیر نظر مضمون میں ایسے ہی لوگوں سے متعلق کہ جو ظاہری شکل و صورت عالمانہ و زاہدانہ بنائے رکھتے ہیں، اور اس کی آڑ میں وہ وہی کام کرتے ہیں جو ایک دنیادار کرتا ہے، جن کا تعارف صاحب کافی نے ان الفاظ میں کرایا ہے "**ھولاء الجھال الذین تحلو بحلیة العلماء**" یعنی وہ جاہل جو علماء کے لباس سے آراستہ و پیراستہ ہو گئے ہیں۔ (البحر الرائق، ج ا،ص ۳۵۸ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، پاکستان)۔

انھیں حضرات سے متعلق چند آثار وروایات سپر دقلم ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ اگر ہم آپ ﷺ کی تعلیمات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ حضرات صحابہؓ کس قدر دنیا و اہل دنیا سے متنفر رہتے تھے اور ان کے قرب سے کس قدر گریزاں تھے کہ وہ بھوکے پیاسے رہ کر کے بھی استغناء و توکل کے دامن کو اپنے ہاتھوں سے نہیں چھوڑتے تھے۔

صحابہؓ کا فقر اختیاری تھا اضطراری نہیں

چنانچہ آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ امراء طالب اور غرباء مطلوب بن گئے، امراء ان کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگے اور وہ ان کو منہ تک نہ لگاتے تھے، یہ تماشا بھی کس قدر عجیب تھا کہ امیر غریب اور غریب امیر تھا، اور کس بلا کا استغناء اور بے نیازی انھیں حاصل تھی، جس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوتا ہے۔

> ”عبدالعزیز بن مروان نے حضرت ابن عمرؓ کے پاس لکھا کہ اپنی حاجات مجھ سے بیان فرمایا کیجیے، حضرت ابن عمرؓ نے ان کو اس کے جواب میں لکھا کہ: رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ان لوگوں سے ابتداء کرو جو تمہاری کفالت میں ہوں (لہٰذا) میں کسی چیز کا سوال نہ کروں گا باقی اس رزق کو جسے اللہ تعالیٰ مجھے تمہارے ذریعے سے دلائیں رد بھی نہ کروں گا۔

(مفتاح الجنۃ ص ۷۵ بحوالہ نعم الامیر ص ۱۱۔ ۱۲)

صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس طرح کی ہزاروں مثالیں ملیں گی، یہ حضرات تقویٰ و تدین، خاکساری و مسکنت، دولت و ثروت کی گرد سے دور، خلوص و للہیت کے منبع و مرکز، توکل و قناعت اور استغناء و بے نیازی کی دولت سے اس قدر مالا مال تھے، اسی طرح ان کے پیروکار حضرات اکابر و اسلاف کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو سینکڑوں واقعات اس طرح کے نظر آئیں گے کہ بادشاہوں اور بادشاہت کو ٹھوکروں پر اڑا دیا اور انھوں نے کبھی بھی دنیا اور اہل دنیا کو مایہ الافتخار اور باعث عزت نہیں سمجھا، بلکہ انھوں نے فقیری میں بادشاہی کر کے دکھلا دیا، اور کتنے فقراء ایسے گذرے کہ ان کے جھونپڑے کے سامنے شاہی تاج جھکتا نظر آیا، لیکن کوئی فقیر ایسا نہیں گذرا جس نے بادشاہوں کے سامنے کلمہ گدائی کی ہو، ان حضرات کا فقر اختیاری تھا نہ کہ اضطراری، اور ان کے افلاس کا سبب یہ نہ تھا

کہ ان کو کچھ ملتا ہی نہ تھا، حق تعالیٰ نے ان کو بہت کچھ مال و دولت عطا فرمایا تھا، مگر وہ اپنے پاس رکھتے ہی نہ تھے۔ حضراتِ صحابہؓ کی حالت تو یہ تھی کہ حضرت عمرؓ جب ملک شام میں پہنچے تو حضرت ابوعبیدہؓ کے خیمے میں اترے، (کیوں کہ وہ عساکر اسلامیہ کے افسر اعلیٰ تھے) اور ان سے پوچھا کہ اے ابوعبیدہ! تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے روٹی کے سوکھے ٹکڑے سامنے رکھ دیئے اور پانی لا کر رکھ دیا، یہ حال دیکھ کر حضرت عمرؓ رونے لگے اور فرمایا: اے ابوعبیدہ! اب تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فتوحات سے وسعت کر دی ہے، پھر تم ملک شام میں ہو، اب تم اتنی تنگی کیوں کرتے ہو؟...... انھوں نے عرض کیا اے امیر المومنین! دنیا تو محض زاد ہے آخرت میں پہنچنے کے لئے، جس کے لئے یہ بھی کافی ہے تو زیادہ لے کر کیا کریں گے۔

ایک مرتبہ خود حضرت عمرؓ سے عرض کیا گیا کہ اب فتوحات میں وسعت ہوگئی ہے آپ اتنی تنگی کیوں فرماتے ہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہمارے بہت سے بھائی اس فقر کی حالت میں شہید ہوگئے، انھوں نے خدا کے راستے میں عمل زیادہ کیا اور دنیا سے تمتع حاصل نہیں کیا ان کا سارا ثواب آخرت میں ذخیرہ رہا، اور ہم لوگوں نے فتوحات حاصل کر کے بہت کچھ مال و دولت حاصل کر لیا ہے اور ہماری محنت کا کچھ ثمرہ یہاں مل گیا ہے، اب مجھے اس مال و دولت سے متمتع ہوتے ڈر لگتا ہے کہ قیامت میں کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون○ (سورۂ احقاف، آیت ۲۰)

(یعنی تم نے حیات دنیا میں مزے اڑا لئے ہیں اور طیبات سے تمتع حاصل کر لیا ہے اب یہاں تم کو عذاب ذلت کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم بڑا بننا چاہتے تھے۔

(اصلاح ظاہر، ص ۶۶، ۶۷)

مذکورہ واقعات سے اندازہ کیجیے کہ حضرات صحابہؓ کس طرح فقر اختیار کئے ہوئے تھے اور بیشک یہ انھیں حضرات کا حصہ تھا، لیکن ان واقعات کا مطلب یہ بھی نہیں کہ مال طیب حاصل ہی نہ کیا جائے آپ ﷺ نے مال کی منفعت بھی بیان فرمائی ہے، ایک جگہ فرمایا:

لا خیر من لا یحب المال لیصل بہ رحمہ ویؤدی بہ امانتہ، وستغنی بہ عن خلق ربہ۔ (۱)

یعنی جو آدمی دولت کو پسند نہیں کرتا اس میں کوئی خوبی نہیں ہے، کیوں کہ اسکے وسیلہ سے رشتہ داروں کا حق پورے کئے جاتے ہیں اور امانت ادا کی جاتی ہے اور اس کی برکت سے آدمی دنیا کے لوگوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

اور ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

نعم المال الصالح للرجل الصالح۔ (مال طیب صالح انسان کے لئے کیا ہی اچھی چیز ہے)(۲)

خودی کو نہ دے۔۔۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مال طیب کا حاصل کرنا معیوب نہیں بلکہ ممدوح ہے، کلام تو مصرف اور طریق تحصیل میں ہے کہ کسب مال کی ہوس نہ ہو بلکہ بقدر ضرورت کافی رہے۔ اور اسی پر قناعت وتوکل کرے، اور بالخصوص امراء و رؤساء کی حاشیہ برداری اور تملق و چاپلوسی سے اجتناب کلی کرے، اور تحصیل مال کے لئے اپنے عزیز دین کو ذلیل نہ کرے۔۔ کیا خوب کہا اقبال مرحوم نے۔

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض
نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض

ممکن نہیں کہ آگ جلے اور دھواں نہ ہو

بالخصوص عالم دین کو حب مال سے کس قدر اجتناب کرنا چاہئے، اہل ثروت سے ان کا قرب کتنا نقصان دہ ہے، حدیث شریف کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے۔

---

(۱) أخرجه البیهقی فی "شعب الایمان" (باب ۱۳، رقم ۱۲۵۰، ۲:۵۱ ۹۲۵) عن انس رضی الله عنه مرفوعا قال البیهقی: هکذا روی بهذا الاسناد وقال فیه راویه قال: قال رسول الله ﷺ... ولکنی هبته وانما یروی هذا الکلام بعینه من قول سعید بن المسیب. الخ

(۲) (رواه احمد وابن منیع عن عمرو بن العاص ؓ، کشف الخفا، ج۲، ص۳۲۲، ط: دار التراث القاهرة)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال ان اناسا من امتی یتفقھون فی الدین ویقرؤن القرآن یقولون ناتی الامراء فنصیب من دنیاھم ونعتزلھم بدیننا ولا یکون ذلک کما لا یجتنی من القتاد الا الشوک کذالک لا یجتنی من قربھم الا قال محمد بن الصباح کانه یعنی الخطایا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک میری امت میں سے کچھ لوگ تفقہ فی الدین حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امیروں کے پاس آتے ہیں پس ان کی دنیا سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور اپنے دین کو ان سے بچائے رکھتے ہیں حالانکہ یہ ناممکن ہے جیسا کہ خاردار درخت سے نہیں حاصل کیا جا سکتا مگر کانٹا اسی طرح ان امراء کے قرب سے نہیں حاصل کی جا سکتی مگر خطایا--- جس کا حاصل یہ ہوا کہ ان کے قرب سے خطایا کو کسب کریں گے۔ (ابن ماجہ، ص ۲۳)

اور ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

تعوذ باللہ من جب الحزن قالوا یارسول اللہ وما جب الحزن قال وادی جھنم یتعوذ منه جھنم کل یوم اربع مائة مرة قیل یا رسول اللہ ومن یدخل قال اعد للقراء المرائین باعمالھم وان من المعض القراء الی اللہ الذین یزورون الامراء۔

یعنی پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے جب حزن سے صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ جب حزن کیا چیز ہے، آپ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم روزانہ چار سو بار پناہ مانگتی ہے۔ دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ اس میں کون داخل ہوگا آپ نے فرمایا: قراء (علماء) کے لئے بنائی گئی ہے، جو اپنے عمل میں ریاکار ہیں اور بیشک مبغوض ترین قراء (علماء) اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو امیروں کی زیارت کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ، ص ۲۳)

دین کے چور

اور ایک حدیث کی کتاب میں ہے:

اذا رأیت القاری یلوذ بالسلطان فاعلم انه لص واذا رأیته یلوذ

بالاغنياء فاعلم فانه مراء. (١)

یعنی جب کسی عالم کو دیکھو کہ وہ بادشاہ سے ملتا جلتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ (دین کا) چور ہے، اور جب اس کو مالداروں سے ملتا جلتا دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ ریاکار ہے۔

اور ایک جگہ ہے:

العلماء امناء الدين مالم يخالطوا الامراء فاذا خالطوا الامراء فهم لصوص الدين فاحذروهم.

یعنی علماء دین کے امین ہیں جب تک کہ وہ امراء سے مخالطت نہ کریں اور جب امراء میں گھسنے لگیں، تو وہ دین کے ڈاکو ہیں۔ ان سے لوگوں کو بچنا چاہئے۔

اور ایک حدیث شریف میں ہے

بئس الفقير على باب الامير ونعم الأمير على باب الفقير فان الاول مشعر بأنه متوجه الى الدنيا والثانى بانه متقرب الى الاخرىٰ. (٢)

یعنی برا ہے وہ فقیر (عالم) جو امیر کے دروازے پر ہو اور کیا ہی اچھا ہے وہ امیر جو فقیر کے دروازے پر ہو، اس لئے کہ اول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی طرف مائل ہے اور ثانی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ آخرت کا تقرب چاہتا ہے۔

اور علامہ عجلونی رحمہ اللہ علیہ نے کشف الخفاء ومزیل الالباس میں اس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

(١) أخرجه البيهقى فى "شعب الايمان" (باب٢٦، رقم٩٤١٩، ٧/٥١) من طريق يوسف بن أسباط، عن سفيان الثورى من قوله. وأخرجه ابونعيم فى "الحلية" فى ترجمة محمد بن على الباقر (٣/١٥٤) عن محمد بن على من قوله. ولفظه: "اذا رأيتم القارى يحب الاغنياء فهو صاحب الدنيا واذا رأيته فالزم سلطان من غير ضرورة فهو لص قال على القارى فى "الاسرار المرفوعة" (ص١١٥) بعد ذكره: "من قوله الثورى" اهـ.

(٢) ذكره العلامة على القارى فى كتابه "الاسرار المرفوعة فى الأخبار الموضوعة" تحت الرقم ٤٧ (١١٥) بلفظ: وقد قيل: بئس الفقير". (كذا فى متن الكتاب، وفى هامشه: فى الاصول: "الفقير") ولم يعزه الى احد من الأئمة الذين صنفوا فى الحديث. ثم رأيت العلامة على بن سلطان القارى ايضا قد ذكره فى "مرقاة المفاتيح" (العلم الفصل الثالث ١/٢٦٥) بلفظ: قيل: "بئس الفقير على باب الأمير الخ" ولم يذكره حديثا عن النبى ﷺ. او اصحابه. وعنه نقله المحشى فى هامش ابن ماجه. كما هو مصرح فى آخره حيث عزاه الى "مرقاة"

نعم الامير اذا كان بباب الفقير، وبئس الفقير اذا كان بباب الامير۔" (کشف الخفاء ج۲، ص۳۴۴، رقم الحدیث ۲۸۲۴، (ط: دار التراث القاہرہ)

ان آثار و روایات کے علاوہ اس باب میں اس طرح کے بے شمار روایتیں موجود ہیں طوالت کا خوف دامن گیر ہے ورنہ نقل کرتا۔ بہر حال ان حدیثوں کے پیش نظر ہم اپنا محاسبہ کریں اور سوچیں کہ ہم ان حدیثوں پر کہاں تک عامل ہیں اور کیا ہم ان وعیدوں کے مصداق تو نہیں؟ نیز ہم لوگ کس طرح مال داروں سے چپکتے ہیں اور ان سے دنیا حاصل کرنے کے واسطے کس کس طرح ان کی چاپلوسی کرتے ہیں۔ ذرا ہم اپنے اسلاف کی زندگیوں کا مطالعہ کریں کہ انھوں نے دنیا سے کس طرح بے زاری اختیار کی حتیٰ کہ فاقے پر فاقے کئے مگر کسی اہل دولت وثروت کا دست نگر نہ بنے دنیاداروں اور بادشاہوں کی حیثیت ان کے نزدیک مچھر کے پر سے بھی کم تھی۔ سچ ہے۔

ع مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

جب ہمارا یہ طرز عمل تھا تو دنیا ناک رگڑ کر ہمارے پاس آتی تھی اور ہم ٹھوکروں پر اڑا دیتے تھے۔ اور آج ہم اسی دنیا کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، ہمارا اصل مقصود اور نصب العین تو آخرت ہے نہ کہ دنیا، جس کی حقیقت بفرمان نبوی (۱) ایک مچھر کے برابر بھی نہیں۔

ضرورت ہے کہ اپنے اسلاف کے اسوہ کو دیکھیں اور انھیں کو مشعل راہ بنائیں نیز قناعت و استغناء اختیار کریں یہی ایک مومن کی شان و ایمان ہے اور اسی میں خیریت و عافیت ہے۔ اللهم وفقنا لما تحب و ترضى آمین۔

نوٹ: یہ مضمون تعمیر حیات لکھنؤ جلد ۳۸/ شمارہ ۱۰--اذان بلال آگرہ، جلد ۱۱ شمارہ /۱۱-- الاسلام برطانیہ جلد ۸، شمارہ ۶--ریاض الجنۃ گورینی جلد ۱۴--شمارہ نمبر ۱--وغیرہ میں "مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے" کے عنوان سے طبع ہو چکا ہے۔

(مفتاح الخیر جلد ۴ شمارہ ۸، ۲۸/ ۲۰۰۶ء)

---

(۱) ترمذی شریف ج۲، ص۵۸۔ زہد باب ما جاء فی ہوان الدنیا علی اللہ

باب ششم

دارالاقامہ کی شکل میں قائم ہونے والے

مروّجہ

مدارسِ نسواں

شریعت کی روشنی میں

وضاحت

مروجہ مدارس نسواں ... کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۱ء مطابق ۱۴۲۲ھ میں ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر (برطانیہ) کے پتہ سے شائع ہوا تھا۔

دوسرا ایڈیشن سہ ماہی التبلیغ جلد ۷ شمارہ ۱، محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۲۶ھ کے خصوصی نمبر کے طور پر انجمن امدادیہ دار التبلیغ گلوسٹر (برطانیہ) کے پتہ سے شائع کیا گیا اور اس ایڈیشن میں بغیر راقم کی رائے و مشورہ کے اضافے بھی کئے گئے جو مجھے قطعاً ناپسند تھے۔

تیسرا ایڈیشن مزید اضافے کے ساتھ قارئین باتمکین کے ہاتھوں میں ہے، امید کہ اس اضافہ شدہ ایڈیشن کو بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔

محمد نعیم الہ آبادی

□□□

ارشاد عالی

وقار السادات مفتئ گجرات

حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب مدظلہ لاجپوری

بعد حمد وصلوٰۃ! احقر اپنی پیرانہ سالی کی بنا پر کسی کتاب کے دیکھنے سے معذور ہے، جناب مفتی محمد نعیم صاحب مظاہری نے مدارس نسوں کے متعلق ایک رسالہ کی شکل میں مضمون ترتیب دیا ہے جس کو احقر نے مختلف مقامات سے سنا ہے، ماشاء اللہ موصوف نے مدارس نسواں کے متعلق بزرگوں کی آراء کو بڑے اچھے انداز میں قلم بند کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ بہت اہم اور نازک ہے اور ساتھ ہی ان کی تعلیم سے کسی کو انکار کرنے کی گنجائش نہیں لیکن ان کی تعلیم کے لئے وہی طریقہ مناسب ہے جو اسلاف نے بتلایا ہے کہ "گھر کی چاردیواری میں رہتے ہوئے ان کو تعلیم دی جائے" وہ اپنے محارم کی نگرانی میں پردہ کے اہتمام کے ساتھ صبح مدرسہ جائے اور شام گھر واپس ہوجائے رات اپنے گھر گذارے اسی میں عافیت ہے آج کل جو مدارس نسواں طعام وقیام شب باشی کے ساتھ جاری ہیں وہ خطرات سے خالی نہیں "فائدہ کم اور نقصان زیادہ" کے مرادف ہے اور ایسے مدارس کو اسلاف نے پسند نہیں فرمایا اور آج کل کے حالات کے پیش نظر رات کا قیام فتنہ سے خالی نہیں لہٰذا یہ دستور قابل ترک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے اور شرور وفتن سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

بحرمۃ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

(حضرت مولانا مفتی) سید عبد الرحیم لاجپوری

(بقلم احقر سید نصیب الدین) ٢٠ رذوالقعدہ ١٤٢١ھ

کلمات دعائیہ

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب (اتراؤں الہ آباد)
(مجاز صحبت مصلح الامت حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب ؒ)

اپنے دوست مولوی و مفتی محمد نعیم سلمہٗ کا لکھا ہوا مضمون "مدارس نسواں" کے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، بسبب ضعف و بینائی اور بوجہ باریک لکھائی پڑھ نہ سکا، ایک دوست سے پڑھوا کر سنا، گو پورا نہ سن سکا لیکن مضمون کا اندازہ ہوگیا۔ اس سے قبل جناب ابراہیم یوسف باوا صاحب مدظلہ گلاسٹر، برطانیہ اپنے نہایت مفید رسالہ "الاسلام" اور "التبلیغ" میں اس مسئلہ (لڑکیوں اور عورتوں کی تعلیم) سے متعلق علمائے محققین کے فتاویٰ اپنے تبصروں کے ساتھ شائع فرماتے رہتے ہیں پڑھ کر بہت ہی مسرت ہوتی رہتی ہے۔ اب عزیزم مفتی محمد نعیم سلمہٗ، علمائے محققین کے فتاویٰ مع نصوص شرعیہ وفقہیہ سے مدلل و مکمل شائع کر رہے ہیں جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہے انشاء اللہ یہ رسالہ بہت مفید ہوگا۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

دعا ہے حق تعالیٰ مزید خدمات علمیہ و دینیہ کی توفیق عطا فرمادیں۔

اللھم زد فزد ثم زد فزد

محمد فاروق غفرلہ (اتراؤں، الہ آباد)

بندہ بھی مولانا موصوف کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔ فقط

نسیم احمد غازی مظاہری۔ خادم حدیث دار العلوم جامع الہدیٰ مراد آباد۔ ۷۔ ۹۔ ۱۴۲۰ھ

الحمدللہ کافی وافی اور شافی ہے

حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل کچھولوی مدظلہ (برطانیہ)
(خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ مہاجر مدنی)

حضرت مفتی محمد نعیم صاحب مدظلہ کا مضمون (مدارس نسواں سے متعلق) پورالفظ بلفظ پڑھا۔ الحمدللہ! کافی، وافی اور شافی ہے۔ اس میں کچھ عرض کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ اللہ جل شانہ امت مسلمہ کے لئے نافع اور مشعل ہدایت بنائے۔ (آمین)

العبد
اسماعیل کچھولوی غفرلہ

الحمدللہ پسند آئی

حضرت مولانا محمد صفی اللہ خان صاحب مدظلہ
مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم، جلال آباد

حامدا و مصلیا..... عزیزم محمد نعیم الہ آبادی سلمہ کی لکھی ہوئی کتاب "مدارس نسواں" اور اس پر حضرات اکابر کی تحریر فرمودہ تقاریظ کو احقر نے نہایت عجلت میں سرسری نظر سے دیکھا، الحمدللہ پسند آئی۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے لئے اسے مفید وکارآمد بنائے اور مؤلف موصوف کو مزید علمی وعملی ترقیات سے ہمکنار فرمائے۔ آمین

احقر محمد صفی اللہ غفرلہ
۳ر صفر ۱۴۲۲ھ

تقریظ

حضرت مولانا رئیس الدین صاحب مظاہری مدظلہ
(خلیفہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب، ناظم مظاہر علوم سہارنپور)

مدارس نسواں کا قیام بہیئۃ مخصوصہ اکابر نے کبھی بھی بنظر استحسان نہیں دیکھا حتیٰ کہ مفاسد کے پیش نظر عدم جواز (ہی) کے فتاویٰ صادر کئے ہیں۔ اس زمانہ میں آئے دن نت نئے فتنے رونما ہوتے رہتے ہیں نیز ان اہل مدارس سے بھی سنا گیا ہے کہ ہم نے مدارس قائم کر کے غلطی کی ہے اور سد مفاسد بہت مشکل ہے پھر کس طرح مدارس نسواں کی اجازت دی جا سکتی ہے؟

عزیزم مولوی مفتی محمد نعیم سلمہ نے اپنے اس رسالہ (مروجہ مدارس نسواں شریعت کی روشنی میں) میں اہل علم کے اقوال اور صلحاء کی آراء کو جمع فرمایا ہے نیز نصوص شرعیہ اور عبارت فقہیہ سے طریقہ تعلیم نسواں پر مفصل روشنی ڈالی ہے امید ہے کہ آں عزیز کا یہ رسالہ اس مقصد کے لئے بصیرت افروز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع فرمائے۔ آمین

رئیس الدین غفرلہ

استاذ حدیث، مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

توثیق وتائید

حضرت مولانا مفتی محمد ارشد صاحب مدظلہٗ
(خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ، ہردوئی)

احقر نے جناب مولوی محمد نعیم صاحب زید مجدہم کی فرمائش پر ان کا رسالہ مروجہ مدارس نسواں شریعت کی روشنی میں (کا مسودہ) دیکھا جس میں انہوں نے مختلف فتاویٰ اور حضرات اکابر کے فرمودات وارشادات کو جمع فرمادیا ہے اور نصوص وفقہی عبارات کی روشنی میں تعلیم نسواں کے طریقہ کی صحیح نشاندہی فرمادی ہے۔

امید ہے کہ ان کی تحریرامت کے لئے مفید ونفع بخش اور طریق تعلیم نسواں سے متعلق بہت ہی مفید ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اسے بین الخواص والعوام مقبول تام وعام فرمائے اور اللہ تعالیٰ مرتب موصوف کو مزید خدمات دین کی توفیقات خاصہ سے نوازے۔ آمین

احقر محمد ارشد عفی عنہ
خادم التدریس، دار الافتاء جامعہ مفتاح العلوم، جلال آباد
(۹رشعبان المعظم، ۱۴۲۰ھ)

تاثرات

جناب الحاج ابراہیم یوسف باوا تبلیغی مدظلہ

حامداً و مصلیاً و مسلماً اما بعد!

بندہ آپ کے مسودہ سے پوری طرح اتفاق کرتا ہے بلکہ اپنے ٹوٹے پھوٹے مطالعہ، اکابرین سے گفتگو اور اپنے ذاتی تجربات کی بناء پر عرض کرتا ہے کہ مدارس نسواں کا قائم کرنا تو بہت دور کی بات ہے اس بارے میں سوچنا بھی گناہ عظیم ہے، اس سلسلہ میں بندہ چند سال سے عرض کر رہا ہے کہ جن ملکوں میں قانوناً اور جبراً تعلیم نہ ہو وہاں مدرسۃ البنات ہرگز ہرگز قائم نہ کئے جائیں، چاہے اقامتی رہائشی ہوں یا صبح و شام کے مدرسے ہوں، ان مدارس کی کئی برائیاں ظہور میں آچکی ہیں۔

ایک بچی سلمہا کے ناظرہ قرآن پاک کے ختم کرنے کی مجلس میں حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی مدظلہ (خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ) نے فرمایا کہ جب کوئی شخص حضرت شیخ سے ہندوستان میں مدرسۃ البنات قائم کرنے کے بارے میں پوچھتا تو آپ منع فرما دیتے۔

اگر کہیں سے بعض شرائط کے ساتھ جواز مل بھی جائے تو علمی و فقہی باتیں ہوتی ہیں ان پر عمل نہ ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اس لئے مدارس اور نسائی جماعت کے ذریعہ عورتوں کو دینی تعلیم دینے کی بجائے گھر ہی کی تعلیم پر زور دیا جائے اور عمل کیا جائے۔ ہم اس سلسلہ میں حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کے فرمان سے سو فیصد قائل ہیں ان کی بات پر عمل کیا جائے اور کوئی تاویل نہ کریں ورنہ پچھتانا پڑیگا اگر مدارس نسواں اور نسائی تبلیغی جماعت کی ادنیٰ ضرورت بھی حضرت حکیم الامتؒ محسوس کرتے تو آپ اپنی اس بات کو بہشتی زیور میں شامل فرما دیتے شروع شروع میں خاص برائی نظر نہ آوے تو بھی اس سلسلہ کو شروع نہ کیا جائے ہر دور میں اچھے، دیندار، امانتدار، متقی لوگوں نے بعض چیزوں کو اچھی

نظروں سے دیکھا اور جائز قرار دیا لیکن وقت کی کروٹ نے بتادیا کہ بعد میں آنے والے خطرات میں انہوں نے ڈھیل دی تو لوگوں نے کلائیاں پکڑ لیں اور وہ برائیاں قابو میں نہیں آرہی ہیں۔

حضرت مولانا اشرف راندیری" نے مجھے ۱۹۸۵ء میں بتایا تھا کہ کئی مدارس برائیوں کی وجہ سے بند کردینے پڑے۔

حضرت مجدد الف ثانی" کا یہ فرمان مجھے بہت پسند آیا کہ بدعات کا ہر دروازہ مضبوطی سے بند کردیا جائے کہ کوئی اس میں داخل ہی نہ ہوسکے۔

اگر کوئی جہنم میں جانا چاہے تو اسے انبیاء کرام علیہم السلام بھی نہیں روک سکتے۔ جو شخص دنیا میں نجات (یعنی ہدایت) کی راہ دیکھنے سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی نجات (جنت) کی منزل تک پہنچنے میں اندھا رہے گا۔ (مفہوم بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۲)

اللہ تعالیٰ آپ کے مخلصانہ مضمون کو شرف قبولیت بخشے، امت کے لئے نافع بنائے اور عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

بندہ ابراہیم یوسف باوا رنگونی
مدیر ماہنامہ الاسلام، التبلیغ، الاصلاح (برطانیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہ

یہ مقدمہ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کی تالیف لطیف "مدارس اسلامیہ مشورے اور گذارشیں" کے صفحہ ۱۵۸ پر بعنوان مدارس نسواں شائع ہو چکا ہے وہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیہم وعلی آلہم وصحبہم اجمعین۔ اما بعد!

انسانیت کا عروج کیا ہے؟ اس کا بارگاہ اقدس کی جانب مائل پرواز ہونا! اور انسانیت کا زوال کیا ہے؟ اس کا دنیا اور متاع دنیا کو کعبۂ مقصود بنالینا۔ خالق انسانیت جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ○ (الاعراف ۱۷۵،۱۷۶)

ترجمہ: اور سنادو ان کو اس شخص کا حال جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھی، پھر وہ ان کو چھوڑ کر نکل گیا، پھر اس کے پیچھے شیطان لگ گیا، پس وہ گمراہوں کی صف میں شامل ہوا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اس کا رتبہ بلند کرتے، لیکن وہ تو زمین ہی کا ہو رہا، اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کا حال کتے جیسا ہے کہ اس پر بوجھ لاد دو تو بھی ہانپے اور

چھوڑ دو تو بھی ہانپے یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو نہیں مانا، ان کو یہ احوال سنا دو، شاید وہ غور کریں۔

ان دونوں آیتوں میں غور کیجیے، تو صاف معلوم ہوتا ہے، اللہ کی آیات کو ماننا اور ان کے سہارے چلنا انسانیت کے رتبہ کی بلندی ہے، اور اس کی آیات کے ہوتے ہوئے، ان کے احکام سے نکل جانا، دنیا کی پستی کی جانب اوندھا ہو جانا، اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا، انسانیت کی ذلت ہے، جو اسے کتے کی طرح بنا کر چھوڑتی ہے، جیسے وہ ہمہ وقت ہانپتا رہتا ہے ویسے ہی یہ دنیادار آدمی بھی حرص دنیا میں ہانپتا ہی رہتا ہے۔

قرآن کی اس تعلیم اور اسلام کی اس ہدایت کو پیش نظر رکھ کر جب مسلمانوں نے دنیا کے کسی کام کو ہاتھ میں لیا، خواہ وہ تجارت ہو، زراعت ہو، ملازمت ہو، حکومت ہو، غلامی ہو، صلح ہو، جنگ ہو، ہر ایک کو دین بنالیا، عبادت کے رنگ میں ڈھال لیا۔ اسے عروج و ترقی کا زینہ بنالیا اور کفر نے جب اس ہدایت کو قبول نہیں کیا اور اپنے ذاتی نظریات اور طبعی شہوات کے پیچھے دوڑتا رہا، تو اس نے عبادات کو بھی اپنے اوپر وبال جان بنالیا۔

مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہر چہ گیرد علتی علت شود
ہر چہ گیرد کاملے ملت شود

بیمار جو کچھ اختیار کرتا ہے، اسے بھی عیب دار بنا دیتا ہے، اور کامل کسی عمل کو اختیار کرتا ہے، تو وہ ملت بن جاتا ہے، اسلام نے تعلیم و تدریس کو لیا تو اسے ایک عبادت بنا کر برتا، حسن نیت کی تعلیم دے کر اسے تقدس عطا فرمایا، پڑھنے پڑھانے کا مقصد اور حاصل دنیا اور حطام دنیا کو نہیں، آخرت اور رضاء الٰہی کو قرار دیا، اور اسی کو دنیا داروں نے لیا بالخصوص سب سے بڑی مادہ پرست قوم جس نے آخرت سے بالکل ہی رشتہ توڑ رکھا ہے، یعنی انگریزوں نے! تو اسے ہاتھ لگایا نہیں کہ دنیا بنایا نہیں یہ قوم تجارت کو دین تو کیا بناتی، تعلیم ہی کو تجارت بنا دیا۔ اور اس تجارت کو اتنا ترقی دی کہ تعلیم اور تعلیم کے مقاصد و فوائد تو غائب ہو گئے، البتہ تجارت فروغ پا گئی آج اس مادہ پرست دنیا نے شرح خواندگی تو بڑھا دی۔ ہر خطہ زمین پر اسکول، کالج، یونیورسٹی ایک سے بڑھ کر ایک کھلے ہوئے ہیں۔ جن میں ہر ایک کے اندر ہزاروں ہزار طلبہ پڑھتے

ہیں، لیکن اس تعلیم کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ جہالت اور بڑھ گئی، بدنیتی اور بدعملی میں اضافہ ہی ہوا۔ خود غرضی کا دور دورہ ہوگیا، انسان کے اندر جتنے رذائل ہو سکتے ہیں سب اپنی اپنی انتہائی شکل خونخوار درندے اور سانپ، بچھو بن کر انسانیت کو چیر پھاڑ رہے ہیں اور اسے ڈس رہے ہیں۔

اس قوم نے جس طرف توجہ کردی، بنی چیز کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ تعلیم کی بربادی کا ایک رخ تو یہ ہے، ایک دوسرا رخ اور ہے۔ اس طرف اور بھی ستم ڈھایا ہے، ایک پردہ نشین صنف انسانی، جس کو قدرت الہی نے ایسا جذبہ اور ایسا مزاج بخشا ہے کہ وہ ہر ایک کی دستبرد سے بچ کر کسی ایک کی ماتحتی اور اس کی حفاظت میں رہے، خانہ نشین رہ کر ضروری تعلیم حاصل کرے، اپنے شوہر کی اطاعت کرے، اس کی نگرانی میں اولاد کی پرورش کرے، اور اس طرح معاشرہ کے لئے اچھے افراد مہیا کرے۔ اس کا میدان کار فطری اور خلقی اعتبار سے مردوں کے میدان سے بہت حد تک الگ ہے۔ کافروں کی یہ قوم اس کی طرف پلٹی۔ ایک بالکل خلاف فطرت نعرہ دیا کہ عورت و مرد مساوی ہیں۔ بیشک بہت سے حقوق و فرائض میں کسی درجے میں مساوات ضرور ہے، لیکن کیا ہر لحاظ سے دونوں میں برابری ہے، اس کا تصور وہی کرسکتا ہے، جس کا کاسۂ سر عقل و خرد سے بالکل ہی تہی مایہ ہو چکا ہو۔ لیکن عقل و دانش کا بلند آہنگ دعویٰ رکھنے والی کافر قوم، اس نعرہ کو لے کر اٹھی، اور عورتوں کو اس مساوات کے نام پر مختلف حیلوں سے گھر کے باہر نکال لائی۔ اس قوم کی بدنیتی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ یہ امانت کسی اور کی حفاظت میں رہے۔ اس نے سازش کی اس امانت کے تحفظ کو توڑ دو، پھر ہر بوالہوس کو اس میں خیانت کرنے کا موقع مل جائے گا، آج ہم یہی تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

عورت کو باہر نکالنے کا ایک دلفریب حیلہ کفر نے یہ تراشا کہ مردوں کے لئے جو تعلیم گاہیں ہیں، جہاں وہ اجتماعی طور پر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ عورتوں کے لئے کیوں نہ ہوں۔ انھیں گھروں میں کیوں پڑھایا جائے۔ پھر اس نے عورتوں کے لئے اسکولوں اور کالجوں کا دروازہ کھولا اور مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو ان دانش گاہوں میں داخل کیا۔ مگر ان کے داخلے کے بعد دانش گاہوں میں جو بے دانشی کا عفریت ننگا ناچ ناچا ہے، تو خود یہ قوم بھی تھرانے لگی، اس طریقہ تعلیم کو مذہب اسلام پر ایمان رکھنے والا آسانی سے قبول نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان جو خط فاصل قائم کیا ہے، وہ اتنا پختہ ہے کہ

مسلمانوں کا عمومی مزاج اسے توڑ نہیں سکتا تھا اس مخلوط طریقۂ تعلیم سے مسلمان عموماً دور ہی رہے۔ پھر کفر نے اس سے خوبصورت حیلہ نکالا، جس سے مسلمان ابتداءً تو بدکیں گے، مگر پھر آہستہ آہستہ قبول کریں گے وہ یہ کہ مردوں سے الگ صرف عورتوں کے مدارس اور اسکول قائم کیئے جائیں۔ ہندوستان میں جس زمانے میں علی گڑھ میں سر سید مرحوم کالج کی بناڈال رہے تھے، اسی دور میں ایک اور صاحب لڑکیوں کے لیئے اسکول تعمیر کر رہے تھے، سر سید نے اپنی تمام تر روشن خیالی کے باوجود اس کی مخالفت کی تھی [1]۔ مگر ان کی دھری رہ گئی، اور لڑکیاں گھروں سے نکل نکل کر کے اسکول میں آنے لگیں۔ علماء نے تو اس کو کبھی قبول نہیں کیا۔ عام مسلمانوں میں بھی اس کی پذیرائی بہت زیادہ نہیں ہوئی، تاہم سلسلہ چل پڑا، عام طور پر نہ سہی، خاص طور ہی پر لڑکیوں کے اسکول اور کالج کھولنے لگے، کفر نے جب اس میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہیں دیکھی، تو آزادی ہند کے بعد جب کہ کفر کی یلغار بڑھتے بڑھتے طوفان بن گئی تھی، مسلمانوں کے دیندار گھرانے بھی اس کی دستبرد میں آکر دینداری کی روش کو گھروں میں سے اذن رخصت دے رہے تھے، اس وقت کفر نے دینداروں بلکہ علماء کے کان میں پھونکنا شروع کیا کہ اب مسلمانوں میں دینی تعلیم عام کرنی ضروری ہے، اس کے لیئے مردوں کے واسطے دینی مدارس بہت ہیں۔ عورتیں گھروں میں تعلیم تھوڑی بہت حاصل کر لیتی لیکن وہ ناکافی ہے۔

مردم شماری بہت بڑھ گئی ہے، اور دنیا کی معیشت کی پیچیدہ الجھنوں اور مشاغل کے بعد اتنا موقع نہیں مل پاتا کہ گھروں میں بچیاں اب یہ ناکافی تعلیم بھی حاصل کر سکیں، اس لیئے ان کے لیئے علیحدہ دینی درسگاہیں قائم ہونی چاہئیں، جن میں ابتداء سے لے کر عالم وفاضل کے درجے تک تعلیم ہو۔ تاکہ ان مدارس میں مردوں کی طرح اجتماعی نظم کے ساتھ تعلیم ہو سکے، اس درس گاہوں میں پردے کا پورا اہتمام ہو، باہر کی ہوا کا ان میں گزر بھی نہ ہو، اسلام کے ان تمام احکام کی پابندی کے ساتھ جن کا تعلق عورتوں سے ہے، ان مدارس میں تعلیم نسواں کا انتظام ہو کفر کا یہ منتر بہت کامیاب ثابت ہوا عام لوگوں نے نہیں، دنیادار انگریزی

---

(۱) تعلیم نسواں سے متعلق سرسید کے خیالات ونظریات سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیں "نقش سرسید" صفحہ ۶۷ سے ۷۷ تک، مؤلف ضیاء الدین لاہوری، ناشر دار الکتاب کتاب مارکیٹ غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور

دانوں نے نہیں، عالم وفاضل کہلانے والے دینداروں نے اس راگ میں راگ ملائی، اور اس دلفریب نعرے کے مدارس نسواں قائم کرنے لگے۔ ملک کے طول وعرض میں نہ جانے کتنے مدارس نسواں وجود میں آگئے۔ ان میں تعلیم شروع ہوگئی، لوگوں نے اپنے اپنے گھر کی امانت بڑے شوق سے اپنے ہاتھوں لاکر ان مدارس کے حوالے کر دی، جن کے منتظم اجنبی مرد ہیں، اب یہ لڑکیاں اپنے ماں باپ اور اپنے خاندان کی تحفظ میں نہیں ہیں، اجنبی مردوں کے تحفظ میں ہیں، انھیں اجنبی مردوں کے تحفظ میں جن سے بچانے کے لئے اسلام نے عورتوں کو گھروں میں بٹھایا تھا ماں باپ اور خاندان کے آہنی حصار میں محفوظ کیا تھا۔ دینی تعلیم کے عنوان پر لڑکیوں کو گھروں سے نکال کر لانا بہت آسان ہوا۔ ماں باپ نے بچی کو لے جا کر مدارس نسواں کے حوالے کر دیا ان کی ذمہ داری بھی کم ہوگئی، اور وہ زیور تعلیم سے آراستہ بھی ہوگئی کتنا آسان یہ سودا ہے؟ اور پھر حال یہ ہوگیا کہ خاندان کے خاندان ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی لڑکا علم دین حاصل کرنے کے لئے دینی مدارس میں نہیں بھیجا جاتا، لیکن لڑکیاں سب بھیجی جاتی ہیں، لڑکوں کی تعلیم ارزاں ہے مگر ان میں آنے والے بہت کم ہیں، اور لڑکیوں کی تعلیم بہت گراں ہے، ہر مدرسہ نسواں گراں ہیں، مگر وہاں داخلوں کی گنجائش نہیں رہتی، آخر یہ کیا ہے کہ لڑکیوں کو عالمہ، فاضلہ بنانے کا اتنا شوق ہے، اور لڑکوں کے باب میں اتنی بے شوقی ہے۔

اگر دین مطلوب ہے، دینی تعلیم مطلوب ہے، تو اس کا زور لڑکوں کے اندر ہونا چاہئے، کیونکہ مردوں کا دائرہ کار عورتوں سے بہر حال بہت زیادہ ہے۔ مگر معاملہ بالکل برعکس ہے، آثار سے نیتوں کا پتہ چلتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس تعلیم کے زور شور کے پیچھے کوئی دینی جذبہ نہیں ہے، مدارس نسواں تجارت گاہیں ہیں، دین کے نام پر تجارت کا کاروبار چل رہا ہے، اور مسلمان اپنا محفوظ سرمایہ اس میں لگا کر نفع حاصل کرنے کے بجائے رأس المال بھی کھوتے جارہے ہیں۔

عورتوں کے یہ مدارس درحقیقت اللہ ورسول کی نافرمانی کو عام کرنے کے ذرائع ہیں، ان سے اسلامی احکام ٹوٹتے ہیں اگر مدارس نسواں ایسے ہی ضروری ہوتے تو عورتوں کی تعلیم تو قرون اولی ہی سے ضروری ہیں۔ ہمارے اسلاف جس طرح سے مردوں کے مدارس

قائم کرتے اور چلاتے تھے عورتوں کے لئے بھی مدارس قائم کرتے، لیکن یہ بات سرے سے ان کے ذہن میں نہ آئی اور ایسا نہیں تھا کہ بے خبری کی وجہ سے انہوں نے اس کو نہ سوچا ہو، یا اس وقت کے حالات میں مدارس نسواں کی ضرورت نہ رہی ہو جب عورتوں کی تعلیم ضروری ہے، تو بہرحال اس کا کوئی طریقہ ہونا چاہئے تو اگر مردوں کے لئے مدرسے ہو سکتے تھے تو عورتوں کے لئے کیوں نہیں ہو سکتے تھے، مگر انہوں نے اسے سوچا بھی نہیں، ہندوستان میں ہم آزادی سے پہلے دینی مدارس نسواں کا کوئی تصور نہیں پاتے، تو اتنے دنوں تک علماء اتنے بڑے فریضہ سے کیوں غافل رہے؟(۱)

بات یہ ہے کہ ان کے سامنے قرآن کی آیات تھیں، جن میں حکم دیا گیا ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں مستقل جمی رہیں، باہر نہ نکلیں استثنائی صورتیں علیحدہ ہیں، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ گھروں سے نکل کر جاہلیت والی مٹرگشتی سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى" اپنے گھروں میں جم کر رہو، اور سابقہ جاہلیت کی طرح باہر نہ پھرو۔ یہ حکم امہات المومنینؓ کے حق میں نازل ہوا ہے۔ لیکن تمام عورتیں اس کے ذیل میں آتی ہیں۔ اس آیت میں صاف حکم ہے، عورتیں اپنے تمام اوقات گھروں میں ہی رہیں، مجبوری کی بات علیحدہ ہے، مجبوری کبھی کبھی ہوتی ہے اور تعلیم کے لئے باہر نکلتے رہنا اس کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔

حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "المراة عورة فانها اذا خرجت من بيتها استشر فها الشيطان وانها لا تكون اقرب الى الله منها فى قر بيتها" (رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال الصحيح)

عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے، اور بلاشبہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے، تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے، اور یہ بات یقینی ہے عورت اپنے اوقات میں اس وقت سب سے زیادہ

(۱) فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں تعلیم پر خاص توجہ دی گئی اور صرف دہلی شہر میں ۳۰۰۰ (تین ہزار) مدارس قائم کئے گئے، جن پر شاہی خزانہ سے ۳۶ لاکھ روپے سالانہ اخراجات ہوتے تھے مگر لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی مدرسہ نہیں تھا، مغلوں کے دور حکومت میں بھی لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کوئی مدارس نسواں نہیں تھا لیکن مسجد سے ملحق ابتدائی تعلیم کے مکتبوں میں معمولی حروف شناسی اور بقدر ضرورت دینیات کی واقفیت تک کی تعلیم تھی سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت عورتیں نہیں تھیں، یا انکی تعلیم کی ضرورت نہیں تھی (اکبر الہ آبادی اور تعلیم نسواں۔ (ماہنامہ سبق اردو بھدوی، اگست ۲۰۰۳ء)

اللہ سے قریب ہوتی ہے، جب کہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔ عورت گھر سے باہر نکلی نہیں کہ شیطان کی ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بن جاتی ہے، اور مدارس نسواں کے لئے تو جھنڈ کی جھنڈ عورتیں باہر نکل آتی ہیں اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پھر شیطان کا کیا جمگھٹ لگتا ہوگا اور شیطان الانس کا جمگھٹ تو مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ: "لن یصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها" اس امت کے پچھلے لوگوں کا سدھار ٹھیک اسی طریقے میں ہے، جس سے پہلے لوگوں میں سدھار آیا تھا۔ اب خواہ ضرورت، تقاضاء زمانہ اور ماحول کی مجبوری کا نام لے کر کتنا ہی غوغا مچایا جائے، لیکن قرآن کا قطعی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا اور نہ حدیث کا مضمون بدل سکتا ہے۔ اور اب تو یہ بات بکثرت مشاہدہ میں آتی ہے کہ مدارس نسواں مفاسد کا سرچشمہ بن گئے ان میں بناؤ بہت کم اور بگاڑ بہت زیادہ ہے۔ مدارس نسواں کی تعلیم کا فائدہ کیا ہوا؟ کیا مسلمانوں کی نسلیں سدھر گئیں؟ کیا ان میں خیر کی مقدار پہلے سے بڑھ گئی؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ان مدارس کی تعلیم یافتہ خواتین عموماً شوہروں کی فرمانبرداری کرنے کے بجائے ان پر حکومت جماتی ہیں۔ بعض مدارس کے ذمہ داروں سے معلوم ہوا کہ ان میں شرح طلاق بہت زیادہ ہیں، یہ عورتیں خاندان کا اچھا فرد ثابت نہیں ہوتیں۔ بہت عرصہ سے یہ حقیر خادم تعلیم دین، ان مدارس نسواں کو مضر اور غلط سمجھ رہا ہے، عقل کی روشنی میں بھی اور نقل وروایت کی روشنی میں بھی اور مشاہدہ کی روشنی میں بھی، اپنے وعظوں میں اور مجلسوں میں اس کی خرابیاں بیان کرتا رہتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں کچھ لکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔

عزیزی مولوی محمد نعیم الہ آبادی سلمہٗ جن سے چند ماہ پہلے میری ملاقات ہوئی اس موضوع پر اپنے ایک رسالہ کا مسودہ دکھایا، جو انہوں نے جامعہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور میں فتویٰ نویسی کی مشق وتمرین کے زمانے میں لکھا تھا۔ میں نے دیکھا تو الحمد اللہ پسند آیا۔ مرتب سلمہٗ چونکہ تحریر کے میدان میں نو آموز ہیں۔ اس لئے ترتیب و تالیف میں کچھ ناہمواریاں تھیں، جنہیں درست کرنے کی کوشش کی گئی۔ ممکن ہے اب بھی کچھ ناہمواری باقی ہو، لیکن مضامین ماشاء اللہ صحیح اور مفید ہیں زمانہ کے لوگ تو رسالہ کے مضامین کے خلاف زقند بھر رہے ہیں، انہیں یہ رسالہ شاید پسند نہ آئے، لیکن وہ اسے بار بار پڑھیں۔ انشاء اللہ دلائل کے

خلاف کوئی بات نہ پائیں گے۔

رہا یہ سوال کہ مدارس نسواں اگر بند کر دیئے جائیں، تو عورتوں کی تعلیم کیونکر ہو؟ تو اولاً اس سوال کے جواب کی ذمہ داری کسی مفتی اور عالم پر نہیں ہے، مفتی کی ذمہ داری ہے کہ ناجائز کو ناجائز کہے، چاہے اس کا کتنا ہی چلن ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبك كثرة الخبيث" تم کہہ دو کہ پاکیزہ چیز اور گندی چیز برابر نہیں ہو سکتی، چاہے گندگی اپنی کثرت کی وجہ سے تمہیں بھلی معلوم ہونے لگے، تو گندی چیز گندی ہی رہے گی، چاہے احوال میں تعفن کتنا زیادہ ہو گیا ہو اور اتنے زمانے تک رہ گیا ہو کہ لوگوں کی قوت شامہ اس سے مانوس ہو گئی ہو اور اسی کو اچھا سمجھنے لگی ہو۔ تاہم مؤلف سلمہ نے اس کا جائز و مفید متبادل طریقہ بھی پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو امت کے لئے مفید بنائے اور مسلمانوں کو کجروی سے نکال کر راست روی کا ذریعہ بنائے اور ہر طرح شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه آمین یارب العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اعجاز احمد اعظمی
مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور
اعظم گڑھ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (وفی روایۃ) و مُسلمۃٍ

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر یکساں فرض ہے، علم دین کی ضرورت و اہمیت اظہر من الشمس ہے خواہ مرد ہو یا عورت ہر ایک پر اس کا حاصل کرنا فرض عین ہے۔

علم دین ہی دنیا میں انسان کو پستی و ضلالت سے نکال کر بلندی و ہدایت و راہ راست اور صراط مستقیم کی طرف لانے والی واحد شئی ہے اور خالق و مخلوق کے درمیان رابطہ استوار کرنے کا ذریعہ اور سبب ہے ۔لیکن جہاں شریعت کے دوسرے احکام میں کچھ قیود و ضوابط ہیں وہیں تحصیل علم میں بھی کچھ قیود و شرائط ہیں ۔جن کی پابندی از حد ضروری ہے۔

ان دنوں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے باضابطہ مدارس اور ان کے رہنے کے لئے دارالاقامہ (ہوٹل) کے نظم کے ساتھ تعلیم کا انتظام کیا جارہا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے مدارس نسواں کا قیام عمل میں آچکا ہے اور مزید آرہے ہیں ۔ان میں بعض بانیوں کی نیت پر تو ہمیں شبہ نہیں وہ واقعی یہی چاہتے ہوں گے کہ مسلم لڑکیوں کو اسلامی تعلیم وتہذیب سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے اور آنے والی نسل کی پہلی درسگاہ (ماں کی گود) کو صحیح سے صحیح تر بنایا جائے۔ مگر ان مدارس نسواں کا قیام قابل اشکال ہے اور ان کے قائم کرنے والوں کو شرعی نقطہ نظر سے فکر کرنے کا مقام ہے کہ جو طریق و نہج اختیار کیا جارہا ہے وہ کیسا ہے؟ جب کہ اسلاف و اکابر علماء کی تحریریں اس کے خلاف موجود ہیں ۔اور انھوں نے تعلیم وتربیت کا اھون و احوط طریقہ بھی بتایا ہے۔ بفرض محال اگر دوسرے طریقے تحصیل علم دین کی نہ ہوتے تو یہ بات ایک حد تک گوارا کی جاسکتی تھی۔

لیکن جب اس طریق سے ہٹ کر دوسرے بہتر و نفع بخش طریقے بھی ہیں جن میں فتنہ و فساد کا اندیشہ نہیں اور اسی لئے ان طریقوں کو اسلاف و اکابر نے نہ صرف یہ کہ

پسندیدگی کی نظر سے دیکھا بلکہ ان کو اختیار کرنے کی ترغیب وتلقین بھی کی ہے تو کیوں نہ اسی مناسب واحوط طریق کو اختیار کیا جائے جس میں کوئی خطرہ نہیں اور اس طریق کے اختیار کرنے سے بچا جائے جس میں مکارہ یا مفاسد کے رونما ہونے کا اندیشہ ہو۔

دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور میں راقم الحروف کی مشق افتاء کے دوران اس قسم کے کئی ایک استفتاء آئے جن میں مدارس نسواں سے متعلق حکم شرعی معلوم کیا گیا اور مجھ کو بھی ان مسائل کی مشق کرنے کا موقع میسر ہوا۔ اور اس سلسلہ میں اکابر کی تحریرات نظر سے گذریں۔ اسی اثناء میں احقر کے ایک عزیز دوست مولانا ناصر الدین مظاہری (معاون مدیر ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم سہارنپور) نے ناچیز کو اس موضوع پر ایک مقالہ لکھنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اپنی کوتاہ علمی کے باوجود اللہ پر بھروسہ کرکے لکھنے کا آغاز کیا۔ تو مضمون قدرے طویل ہوگیا۔ چونکہ احقر کا ارادہ اس مضمون کو کسی رسالہ میں اشاعت کے لئے دینے کا تھا۔ لیکن مضمون کے طویل ہونے کی وجہ سے کسی رسالہ میں قسط وار ہی آتا اور قاری کی سہولت مطالعہ کے لئے ضروری تھا کہ یہ سب یکجا ہو اس لئے اپنے ایک ہم سبق دوست کے مشورے سے اس کو کتابچہ کی شکل دے دی اور مزید سہولت کی خاطر ان میں ذیلی عنوانات کا بھی اضافہ کر دیا تاکہ استفادہ آسان تر ہو جائے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی صاف صاف واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ناچیز میدان انشاء پردازی (مضمون نگاری) کا مبتدی ہے اس لئے جہاں کہیں کوئی خامی پائیں تو ناچیز کو براہ نوازش زحمت فرما کر آگاہ فرمائیں۔ ع

عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دوستوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے اس میں تعاون فرمایا اور اپنے فضل وکرم سے اس کتابچہ کو شرف قبول سے نوازے اور راقم السطور کے لئے صلاح وفلاح دارین کا ذریعہ اور نجات وکامرانی کا زینہ بنائے۔

آمین آمین لا ارضی بواحدۃٍ　　حتی اضیف الیہ الف آمینا

العبد الراجی رحمۃ الرب الرحیم

الاحقر: محمد نعیم المظاہری

ساکن چندوہاں ڈاکخانہ عمری ضلع الہ آباد (یوپی)

۱۲/۶/۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا ومصليًا ومسلمًا وبالله التوفيق۔ امابعد

اسلام سے پہلے عرب کی تعلیمی حالت

قبل از اسلام عرب کی تعلیمی حالت ناگفتہ بہ تھی ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا نہ صرف یہ کہ پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا بلکہ بعض قبائل تو ایسے بھی تھے جو اُسے معیوب سمجھتے تھے انھیں اپنی جہالت اور قدیم آباء واجداد کی فرسودہ اور دقیانوسی روایات پر فخر تھا اس سلسلے میں ان کے فخریہ اشعار آج بھی تاریخ وادب کی کتابوں اور متقدمین شعراء وادباء کے دیوانوں میں موجود ہیں۔

قبیلۂ قریش جو عرب کے منصب سیادت پر فائز تھا اور جسے اپنی سیاسی وسماجی اور معاشرتی حالت پر ناز تھا اس پورے قبیلے میں معدودے چند [1] افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کے علاوہ دوسرے قبائل میں تو اکّا دکّا افراد ہی تعلیم یافتہ نظر آتے تھے اس دور جاہلیت میں جہاں اسلام نے ایمان وعقیدے کی تعلیم دی وہیں تعلیم پر بھی بھرپور زور دیا۔

اسلام اور تعلیم

آج ساری دنیا میں جو تعلیم نسواں کے نعرے لگائے جارہے ہیں یہ دراصل اسلام اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت آقا ومولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا سکھایا ہوا سبق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: طلب العلم فريضةٌ على كل مسلم (۲)

ترجمہ: علم دین سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

خطبات الاحکام میں حضرت تھانویؒ اس حدیث شریف کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

”ف: یہ حکم دوسرے احکام کثیرہ کی طرح مرد وعورت دونوں کے لئے ہے

---

(۲) صرف ۱۷ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ (فتوح البلدان ص ۴۷۲ البلاذری بحوالہ ”الفاروق“ شبلی نعمانی ص: ۲۸۔

(۳) مشکوٰۃ شریف ص ۳۴ وابن ماجہ

جیسا کہ بعض روایات میں مسلمۃ کا لفظ بھی آیا ہے پس ہر ایک عورت و مرد پر اپنی اپنی ضروریات کے مسائل کا سیکھنا لازم ہے اور علم سے دین کا علم مراد ہے پس جو لوگ اس حدیث شریف کو دنیوی علم حاصل کرنے کے لئے پڑھ دیتے ہیں وہ سخت غلطی اور تحریف دین کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس پر کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں "عیاں را چہ بیاں" لیکن مزید حجت قائم کرنے کے واسطے (باب علم کی بے شمار حدیثوں میں سے دو ایک حدیث) ملاحظہ کرلی جائیں۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

ایک جگہ ارشاد فرمایا: آپ ﷺ نے، جو شخص ایسے علوم میں سے جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے کچھ علم صرف اس واسطے سیکھے کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کا سامان حاصل کیا جائے وہ شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ (۱)

(احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ)

مذکورہ بالا احادیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

اول یہ کہ علم دین صرف اور صرف رضاء خداوندی کے واسطے سیکھنا چاہئے دوسرے جہاں ان حدیثوں میں مردوں کو علم دین سیکھنا فرض قرار دیا وہیں پر عورتوں کو بھی فراموش نہیں کیا گیا مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی علم دین سیکھنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب اور باعث اجر وثواب و دخول جنت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ علم سے مراد وہ علم ہے جو احکام شریعت کی طرف رہنمائی کرے اور انسان کو ضلالت و گمراہی کے گڑھے سے نکال کر راہ راست اور صراط مستقیم کی طرف لائے۔

ع علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

ورنہ تو باوجود ظاہری علم وحکمت کے (عمرو بن ہشام کو) شریعت نے ابوجہل کے لقب سے نوازا۔

---

(۱) خطبات الاحکام ص ۱۱، ۱۲

عورت اور تعلیم

بلاشبہ یہ حقیقت قابل تسلیم ہے کہ عورتوں کے لئے دینی تعلیم کا حصول ایک ضروری اور لابدی امر ہے جس سے ان کی زندگیوں میں نکھار اور ان کا ٹھکانہ دارالقرار ہو۔ لیکن عورتوں کے لئے وہ علوم فنون قطعاً مضر ہیں جس کو حاصل کر کے وہ اپنی حد سے تجاوز کر جائیں اور جو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں رکاوٹ بنیں اور جن علوم سے بچوں کی بہتر پرورش اور اعلیٰ تربیت کو فراموش کر کے شوہر پر حاکم بن جائیں ایسا علم حقیقت میں علم نہیں بلکہ نفس کا فریب اور شیطانی جال ہے۔

کیا خوب کہا علامہ اقبال نے ؂

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

حق تعالیٰ نے تو عورتوں کو اس لئے پیدا کیا تا کہ ان سے افزائش نسل وامور خانہ داری کے نظم وضبط کو صحیح سے صحیح تر بنایا جاسکے۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر
خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں
دیندار متقی ہوں جو ہوں ان کے منصرم
استاد اچھے ہوں مگر "استاد جی" نہ ہوں

اور ایک موقع پر کہا ؂

کون کہتا ہے کہ تعلیم زناں خوب نہیں
ایک ہی بات میں کہتا ہوں فقط حکمت کو
دو انھیں شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

دوکان مغرب سے مول لیکر......

مگر انتہائی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ مغربی تہذیب وتمدن کی ریشہ دوانیوں سے جہاں نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں دنیا کا کوئی بھی طبقہ اس کے دجل

وفریب سے نہیں بچا ؤ ہیں ہمارا معاشرہ بھی محفوظ نہ رہا اور اس کے دجل وفریب کی لپیٹ میں آگیا مغربی تحریک تعلیم کا رنگ جوان دنوں ہمارے طبقے پر اثر انداز ہے وہ نئے نہج پر تعلیم نسواں کے لئے "مدارس نسواں" کا قیام ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جا بجا مدارس نسواں قائم ہوں ان کے رہنے سہنے کے لئے دار الاقامہ (ہاسٹل) کا نظم خورد ونوش کا انتظام مدرسہ ہی میں ہو اور اس طرح کے مدارس نسواں وجود میں آچکے ہیں اور آرہے ہیں اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ان کے دام فریب میں پھنستا جارہا ہے۔

حضرت حکیم الامت ؒ کے حکیمانہ ارشادات

اس سلسلہ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ ارقام فرماتے ہیں۔

"عورتوں کو اسکولوں کے ذریعہ یا زنانہ مدارس کے ذریعہ تعلیم دینا تو سم قاتل ہے میں مدارس نسواں کو بھی پسند نہیں کرتا خواہ کسی عالم ہی کے تحت ہوں میں تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو ورنہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو بعد میں پچھتاؤ گے اسکولوں اور مدرسوں کو چھوڑ کر عورتوں کو گھر ہی میں رکھ کر تعلیم دو اگر عربی میں دو تو سبحان اللہ ورنہ اردو ہی میں دینا چاہئے۔" (۱)

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

"شرفاء نے کبھی اسکول پسند نہیں کیا کہ لڑکیوں کے لئے زنانہ مدرسہ ہو قصبات میں لڑکیاں عموماً لکھی پڑھی ہوتی ہیں مگر سب اپنے اپنے گھروں پر تعلیم پاتی ہیں مدرسہ میں کسی نے تعلیم نہیں پائی گھروں پر تعلیم سے لڑکیوں کا کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا کیونکہ پڑھانے والی بھی نیک اور پردہ نشیں ہوتی ہیں اور لڑکیاں بھی پردہ میں رہکر تعلیم پاتی ہیں" (اصلاح النساء، ص ۲۸۲)

اسی طرح اپنے ایک وعظ بنام اصلاح الیتامیٰ میں فرماتے ہیں:

تعلیم نسواں کا مسئلہ بڑا مشکل ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جہاں لڑکیوں کا مدرسہ ہوتا ہے وہاں مفاسد ضرور ہوتے ہیں کہیں آنکھ لڑ گئی کہیں اور بے حیائی کی باتیں ہوتی ہیں ایسے واقعات بہت ہوتے ہیں اس کا اثر یہ ہوا کہ بڑے بوڑھوں کا طبقہ خود تعلیم نسواں

(۱) اصلاح خواتین، ص ۱۲۸، بحوالہ نوید جاوید، ص ۳۰)

کے مخالف ہوگیا، حالانکہ یہ بھی غلطی ہے کیونکہ اس میں تعلیم کا قصور نہیں بلکہ منتظمین اور طرز تعلیم کا قصور ہے۔ اِنَّمَا یخشی اللہ من عبادہ العلماء (خدا سے ڈرنے والے علماء ہی ہوتے ہیں) لیکن افسوس یہ ہے کہ اکثر ایسے مدارس انھیں لوگوں کے زیر اہتمام ہیں جو علم دین سے بالکل بے بہرہ ہیں اور اسی وجہ سے انکا طرز تعلیم بھی اچھا نہیں اور نصاب ناقص ہے۔ الخ۔ (۱)

تعلیم نسواں سے اگر مقصود دین ہے تو اس کا آسان حل

حکیم الامتؒ کے ان ارشادات کے بعد ذہن میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اگر یہ مدارس نسواں بند کردیے جائیں تو پھر عورتوں کی تعلیم کے مسئلہ کا حل کیا ہے؟ اسی بات کو حضرت حکیم الامتؒ یوں بیان فرماتے ہیں:۔

''فرمایا: ظاہر ہے عورتیں مردوں کی طرح باہر پھر کر علم نہیں سکھ سکتیں اس لئے کہ انکو پردہ سے نکلنا جائز نہیں اب اگر ان کی کوئی سبیل تعلیم کی ہو سکتی ہے تو اس طرح کہ مرد خود توجہ کریں اور انکی تعلیم کا خود ذمہ لیں۔ (۲)

''فرمایا: اور سہل طریقہ اس کا یہی ہے کہ مرد علماء سے پڑھ لیں اور جو کچھ پڑھا ہے عورتوں کو پڑھادیں۔ (حوالہ بالا ۱۸۸)

''نیز فرمایا: سب سے بہتر اور آسان طریقہ تو یہ ہے کہ مرد خود تعلیم حاصل کرے پھر عورتوں کو پڑھائیں اور اگر تم خود پڑھے ہوئے نہ ہو تو علماء سے مسائل پوچھ کر گھر والوں کو (یعنی عورتوں اور بچیوں کو) زبانی ہی تعلیم دو اللہ تعالیٰ دین کتنا سستا اور آسان کردیا ہے محض سننے سنانے سے بھی دین حاصل ہو سکتا ہے (کم از کم) اتنا ہی کرلو کہ اردو میں احکام شرعیہ کے جو مسائل لکھے گئے ہیں ایک وقت مقرر کرکے اپنی مستورات کو وہ رسائل پابندی سے سنادیا کرو مگر ان رسائل کی تعیین محقق عالم سے کراؤ اور یہ بھی نہ ہو سکے تو علماء سے زبانی مسائل پوچھ کر بتلایا کریں۔'' حاصل یہ کہ عورتوں کو ان کے مرد پڑھادیا کریں اور جب ایک عورت تعلیم یافتہ ہو جائے گی تو پھر بہت سی عورتوں کو تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے۔ (۳)

''نیز فرمایا: آسان ترکیب یہ ہے کہ اگر عورتیں لکھ پڑھ نہ سکیں تو ان کو

---

(۱) اصلاح الیتامیٰ ملحقہ حقوق وفرائض: ص ۳۴۹ ناشر مکتبہ اشرفیہ محمد علی روڈ بمبئی ۳۔

(۲) تفصیل التوبہ ملحقہ راہ نجات: ص ۹۷ ناشر مکتبہ اشرفیہ بمبئی، ۳)

(۳) التبلیغ ۱۴/۷، ۲۲، ۲۳۰، التبلیغ ۲۱/۱۶۶ بحوالہ عورتوں کی تعلیم کے مسائل اور ان کا حل ص ۱۴۱ مرتب مفتی محمد زید مظاہری

روزانہ دو چار مسئلہ انکی ضرورت کے بتلادیا کریں اور عقائد کی اور مواعظ ونصائح کی اور حکایات صلحاء کی کوئی کتاب ان کو سنادیا کریں انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں بغیر لکھے پڑھے ہی وہ تعلیم یافتہ ہوجائیں گی''(۱)

نیز تعلیم نسواں کا مزید ایک طریقہ یہ بھی بتایا کہ:

''کتب دینیہ اپنے گھر والوں کو سناؤ نہ ہو تو پندرہ بیس منٹ ہی سہی مگر سناتے وقت یہ بھی نہ دیکھو کون سنتا ہے کون نہیں، بس بشنود یا نشنود پر عمل ہو یعنی کوئی سنے یا نہ سنے مگر تم اپنا کام کئے جاؤ گھر پڑھنا شروع کرو اور روز سنایا کرو اٹھ کر نہ آؤ خواہ بجو بجو پڑیں بہت شخصوں نے بیان کیا کہ کتابیں سناتے سناتے اصلاح ہوگئی، کیا اللہ اور رسول کا نام کھٹائی سے بھی کم ہے کہ کھٹائی کا منہ میں اثر ہو منھ میں پانی بھر آئے اور اللہ کے رسول کے نام کا اثر نہ ہو۔''

(حقوق الزوجین ص ۳۳۱ بحوالہ عورتوں کی تعلیم اور مسائل اور انکا حل ص ۴۲)۔

''نیز فرمایا: مرد عورتوں کی تعلیم اپنے ذمہ ہی نہیں سمجھتے حالانکہ مردوں پر واجب ہے کہ ان کو احکام بتلائیں حدیث میں ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ یعنی تم سب ذمہ دار ہو تم سے قیامت کے دن تمہاری ذمہ داری کی چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے۔ الخ۔

(حقوق الزوجین: ص ۳۵ بحوالہ عورتوں کی تعلیم کے مسائل اور ان کا حل، مفتی محمد زید مظاہری ندوی)

عورتوں کی تعلیم کون سی ہونی چاہئے اس سلسلہ میں فرمایا:

''عورتوں کو وہ تعلیم دو جسکو پرانی تعلیم کہا جاتا ہے اور وہی تعلیم مصلح اخلاق ہے''۔ (وعظ کساء النساء ملحقہ حقوق الزوجین ص ۲۴۵ مکتبہ اشرفیہ محمد علی روڈ ممبئی۔

کیا حضرت حکیم الامتؒ کے ان ارشادات وفرامین کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اگر اقامتی مدارس نسواں بند کردیئے جائیں تو پھر عورتوں کی تعلیم کا انتظام کیا کیا جائے؟ اور کیسے کیا جائے اگر عورتوں کی تعلیم سے مقصود ان کو دیندار بنانا ہے تو حضرت حکیم الامتؒ کے یہ زریں ارشادات وفرمودات کافی اور وافی ہیں ۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرلیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی تھا

---

(۲) التبلیغ، تواصی بالحق ج ۱۶ ص ۳۲ بحوالہ عورتوں کی تعلیم کے مسائل اور ان کا حل، مفتی محمد زید مظاہری ندوی۔

اور اس بارے میں حضرت المحدث الاعظمی کے ارشادات درج ذیل ہیں

مدارس نسواں سے متعلق

وعظ حضرت المحدث الاعظمی

کسی مدرسہ نسواں کے سنگ بنیاد کی تقریب کے موقع پر حضرت محدث کبیر قدس سرہٗ نے فرمائی تھی: مدرسہ نسواں کا اجراء اور اس کا چلانا ایک نازک اور پر خطر کام ہے اس کی ذمہ داریاں اہم ہیں اس کا جہاں قدرے فائدہ ہے وہیں اس میں بڑے مفاسد بھی ہیں اور بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ "اثمھما اکبر من نفعھما" حضرت اقدس نے ان مفاسد کو برملا بیان فرمایا:

حضرت تھانویؒ کے حکیمانہ ارشادات کے بعد فخر الہند محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کے وعظ سے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین باتمکین کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحریر جو مدیر مجلہ المآثر حضرت مولانا اعجاز احمد الاعظمی نے "حرف آغاز" میں بطور تمہید تحریر فرمائی ہے نقل کر دی جائے۔

"تعلیم عورتوں کے لئے بھی اسی طرح ضروری ہے جیسے مردوں کے لئے، ضروری مسائل کا علم جیسے مردوں کے لئے فرض ہے عورتوں کے لئے بھی ہے، ہر دور اور ہر عہد میں اہل توفیق نے اس کا اہتمام کیا ہے لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ عورتوں کے ساتھ کچھ شرعی اور کچھ طبعی اور خلقی مجبوریاں ایسی ہیں کہ جس طرح وہ دوسرے بہت سے مسائل و معاملات میں مردوں کے ہم دوش نہیں ہو سکتیں اسی طرح تعلیم کے میدان میں بھی وہ مردوں کے ساتھ ہم عنان نہیں ہو سکتیں اور ایسا ہونا ان کے مخصوص کام اور منصب کے لحاظ سے ناگزیر بھی ہے یہی وجہ ہے کہ قرون اولیٰ میں جب کہ مردوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہمیں ایسی ملتی ہے جنھوں نے علم دین میں اعلیٰ درجہ کا اختصاص و امتیاز حاصل کیا لیکن ان کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد بس برائے نام ہے صحابہ کرامؓ میں اگر حفاظ قرآن کی تعداد

تلاش کی جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہو جائے گی لیکن خاتون صحابہؓ میں دو تین سے زیادہ حافظہ نہ نکلیں گی اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ علوم و فنون میں کمال حاصل کرنا عورتوں کے لئے سرے سے مطلوب ہی نہیں ہے انھیں تو گھر کی چہار دیواری میں رہ کر بقدر ضرورت دین کا علم حاصل کر لینا کافی ہے اور دنیاوی علوم کی تو قطعاً انھیں ضرورت ہی نہیں ہے اتنا علم اس دور میں ہر پڑھے لکھے گھرانے کی عورتوں کو حاصل کرا دیا جاتا تھا مگر جب سے دنیا میں انگریز اور ”انگریزیت“ نے اپنا اثر پھیلانا شروع کیا اسی وقت سے ایک دوسرا رجحان چل پڑا اس بخدا قوم نے اللہ رسول کی تعلیمات سے یکسر برعکس مرد و زن کی مساوات کا نعرہ لگایا اور اس کی بنیاد پر عورتوں کو گھروں کے حدود سے باہر کھینچ کر مردوں کے دوش بدوش انھیں کھڑا کرنے کی سعی نامشکور کی اس کے لئے ضروری ہوا کہ مردوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے اور جس نظام اور دستور کے مطابق دی جاتی ہے اسی کو عورتوں پر بھی مسلط کر دیا جائے اس سے لاینحل قسم کی صدہا خرابیاں پیدا ہوئیں جو اہل نظر پر مخفی نہیں مگر یہ خرابیاں تو انھیں لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ و رسول کی تعلیمات کا پاس و لحاظ رکھتے ہوں اور جس قوم نے تعلیم نسواں کا یہ ہنگامہ برپا کیا ہے اس کے سامنے اوہام و خیالات کے علاوہ کوئی اور تعلیم سرے سے کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔“

اس کے ذرا آگے تحریر فرماتے ہیں۔

”اب تو ستم یہ ہے کہ انگریزی نسواں اسکولوں کی ریس میں عربی مدارس نسواں کے قیام کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے بلکہ عربی کے یہ مدارس انگریزی اسکولوں سے ایک قدم آگے نکل گئے انھوں نے عربی مدارس میں اقامت گاہیں تعمیر کیں ان میں دور دور کی لڑکیوں کو داخل کیا اور انھیں گھریلو ماحول اور خاندانی اثرات سے باہر نکال کر اپنے نئے مرکب ماحول میں ڈال دیا جو ان کے مخصوص حالات کے لحاظ سے سخت مضر ہے درحقیقت یہ انگریزوں کی اندھی تقلید اور ایک تجارتی دھندہ ہے بات تلخ ہے مگر حق ہے۔

”والحق احق ان یقتدی بہ“

وعظ مذکور کے چند اقتباسات

حضرت المحدث الاعظمیؒ نے خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

”بزرگو! دوستو! اور عزیزو! آج جس کام کے لئے آپ اور ہم اکٹھا ہوئے ہیں اس

تقریب کی اطلاع مجھے بہت پہلے سے تھی لیکن میرے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ اس سلسلے میں مجھ کو کچھ تقریر بھی کرنی ہوگی میں نے یہ سمجھا تھا کہ صرف سنگ بنیاد رکھنا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ میں بھی دو چار اینٹیں اس کی بنیاد کے اندر رکھ دوں گا۔ جو مدرسہ نسواں کہ آج قائم ہو رہا ہے خلاف توقع اس وقت کچھ بولنے کے لئے کہہ دیا گیا اس میں کوئی خاص وجہ شکایت بھی نہیں ہے لیکن یہ بات بتا دینا بھی فرض سمجھتا ہوں کہ اب عموماً اپنے ضعف وعلالت اور دوسرے حالات کی بنا پر تقریر کرنے سے گریز کرتا ہوں اب عادت بھی چھوٹ چکی ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ اس موقع کے لئے میں ایک لمحہ بھی سوچ نہیں سکا کہ مجھے کیا کہنا چاہئے۔ اس کے باوجود بات یہ ہے کہ اس قسم کے مواقع پر کیا کہنا چاہئے کس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہئے کن باتوں پر متنبہ کرنا چاہئے وہ بہت واضح ہیں واقف کاروں کے نزدیک بہت صاف ہیں۔ انھیں باتوں میں سے کچھ باتیں میں آپ کے سامنے کہوں گا۔

آپ کا اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے اور اگر کسی کا ایمان نہیں ہے تو ہونا چاہئے کہ دنیا چاہے جتنی آگے بڑھ جائے، سائنس چاہے جس قدر ترقی کر جائے اور لوگوں کی نگاہوں میں لوگوں کی زبانوں پر چڑھا ہوا لفظ یعنی ''روشن خیالی'' جتنا بھی زیادہ پھیل جائے آج کل ترقی یافتہ لوگ اپنے لئے عربی زبان میں ''متنور'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں یعنی نئی روشنی کے لوگ یہ نئی روشنی جس قدر بھی تیز ہو جائے بہر حال اسلام کے جو احکام ہیں، قرآن کی جو تعلیم ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی جو ہدایات ہیں، وہ آج بھی اسی طرح رہیں گی، جس طرح آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے تھیں، اور قیامت تک اسی طرح رہیں گی وہی احکام رہیں گے، وہی تعلیمات رہیں گی، وہی ہدایات رہیں گی اسلام کا وہی نظریہ رہے گا، اسلام کی وہی ساری حقیقتیں رہیں گی جو اسلام نے ہمارے سامنے کھول کر رکھ دی ہیں، قرآن کریم جن سے مملو ہے، بھرا ہوا ہے، وہ ساری حقیقتیں اپنی جگہ پر رہیں گی، اس نئی روشنی کو اسلام کی روشنی کے سامنے ماند ہونا پڑے گا، اس کے سامنے اسلام کی روشنی ماند نہیں ہو سکتی اس روشنی کے جو تقاضے ہیں اسلام کے تقاضوں کے آگے انھیں دبنا پڑے گا اور اسلام ان کے نیچے نہیں دبے گا، اسلام ہمیشہ کے لئے ایک ابدی تعلیم ہے وہ قیامت تک کے لئے ایک نہ مٹنے والی اور نہ بدلنے والی تعلیم اور ہدایت ہے، اس ہدایت کے اندر کوئی تحریف نہیں ہو سکتی کوئی

تبدیلی نہیں ہوسکتی وہ کوئی تغیر پزیر چیز نہیں۔ ہے اس بات پر ہمارا ایمان ہے اور اگر کسی کا نہیں ہے تو اس کو ایمان لانا ہے وہ مومن اسی وقت ہوگا جب کہ اس بات کے اوپر وہ یقین رکھے، دیکھئے، مثال کے طور پر کہتا ہوں قرآن کہتا ہے:

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً مما قضيت ويسلموا تسليما۔

کوئی ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے باہمی اختلاف اور بحث میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ بنائے، انہیں فیصل نہ مانے، جب وہ لوگ ان کو حکم مانیں گے، انہیں فیصل قرار دیں گے تبھی ایمان دار ہوں گے اور حکم ماننا بھی اس طریقے پر ہو کہ ان کے فیصلہ کے اوپر سر تسلیم خم کر دیں اور سر تسلیم اس طرح خم کریں کہ، اپنے دل کے اندر ذرا بھی تنگی نہ محسوس کریں بالکل کھلے دل اور نیت کی خوشی کے ساتھ اس کو تسلیم کریں۔ آج دنیا میں بہت سے مسائل اٹھے ہوئے ہیں بہت سی بحثیں کھڑی ہیں ان تمام الجھے ہوئے مسائل و مباحث کے اندر صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی حکم ہوگی اور جو کچھ آپ کا فیصلہ ہوگا ایمان والے کے لئے وہی واجب التسلیم ہوگا اس میں نہ کوئی ضیق محسوس ہونی چاہئے اور نہ تنگی۔

میں بتانا چاہتا ہوں کہ آج اس نئی روشنی نے ہمارے سامنے بہت سے مسائل کھڑے کر دیئے ہیں انھیں مسئلوں میں سے یہ عورتوں کی تعلیم کا بھی مسئلہ ہے۔ یہ بات اسلامی ہدایات اور اسلامی تعلیمات کی رو سے مسلم ہے اس میں انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ عورت کی تخلیق اللہ رب العزت نے اس لئے نہیں کی ہے کہ وہ حاکم بنے حتی کہ وہ اس لئے بھی نہیں پیدا کی گئی ہے کہ نبی ہے، کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی، اسلام کی رو سے عورت کو حکومت کا کوئی عہدہ خواہ وہ کلکٹری ہو ڈپٹی کلکٹری ہو نہیں مل سکتا وہ اس واسطے بنی ہی نہیں ہے کہ کلکٹر بنائی جائے، عورت اس کام کے لئے نہیں پیدا ہوئی ہے کہ وکالت کرے بیرسٹر بنے حتی کہ عورت اس کام کے لئے بھی نہیں بنائی گئی ہے کہ وہ کہیں پڑھائے عورت جس کام کے لئے بنائی گئی ہے اسے قرآن اٹھا کر دیکھو "لتسكنوا اليها"۔ عورت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ اس سے تم کو سکون و اطمینان حاصل ہو، وہ اس لئے ہے کہ مسلمان اور مومن اولاد کی تربیت و پرورش کرے، ایماندار بنائے، یعنی اللہ کے احکام کو جاری کرنے، اللہ کے احکام پر

پورے طور سے عمل کرنے، شریعت اسلامیہ کو قائم و باقی رکھنے، شریعت اسلامیہ کے نظام کے مطابق حکومت بنانے، حکومت چلانے، شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق بیع وشراء اور تجارت وزراعت اور دوسرے وہ کام جن کے لئے مرد پیدا کئے گئے ہیں اس قسم کی اولاد پیدا کرے، اور ویسی ہی تربیت ویسی ہی غور و پرداخت ویسی ہی دیکھ ریکھ کرے عورت اسی لئے بنائی گئی ہے، اور اس کے ساتھ وہ احکام بھی بجالائے جو اس کے حلقہ کار تک محدود ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اسی طرح کی دوسری چیزیں پوری کرتی رہے۔"

اس کے آگے فرماتے ہیں:

"میں کہنا یہ چاہتا ہوں زمانہ چاہے جتنا بھی ترقی کر جائے روشنی چاہے جتنی بڑھ جائے، آپ اور ہم چاہے جتنے روشن خیال ہو جائیں۔ لیکن احکام اسلام کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور جو طریقہ کار حائشہ صدیقہؓ اور فاطمہ زہراؓ کے لئے تھا وہی طریقہ تعلیم اور وہی طریقہ تربیت آج ہماری اور آپ کی بیٹیوں کے لئے بھی رہے گا چودہ سو برس پہلے محمد رسول اللہ ﷺ نے جس طرح عورتوں کے رہنے سہنے اور ان کی تعلیم کا انتظام کیا تھا اسی کی روشنی میں، اسی کی مطابقت میں، اسی کی پیروی میں آج ہم کو بھی کرنا ہوگا۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"پہلے زمانے میں عموماً لوگ اپنی لڑکیوں کو خود تعلیم دیتے تھے تاکہ فتنے سے دور رہیں، بہت سے فقہائے کرام ہیں جنھوں نے اپنی لڑکیوں کو پڑھایا اور اتنا پڑھایا کہ جب وہ کوئی فتویٰ لکھتے تو لڑکی سے بھی دستخط کرایا جاتا تھا۔ لوگ اپنے گھروں میں اس کا انتظام کر لیتے تھے یا اپنے گھر میں نہیں تو دوسرے رشتہ داروں کے یہاں پڑھواتے تھے، بہت سی ایسی محدث عورتیں ہیں کہ بزرگ محدثین کے یہاں جا کر انھوں نے پوری بخاری شریف کی سماعت کی، اور ان سے دوسرے لوگ پردے کے پیچھے سنا کر بخاری شریف کی سند حاصل کرتے تھے، وہاں مدارس کا انتظام نہیں تھا اس لئے کہ مدارس کے انتظامات میں ذرا اس کا سنبھالنا مشکل تھا۔ عورت کا مسئلہ بڑا نازک ہے اس کا نباہنا آسان نہیں ہے اس لئے پہلے اس کا انتظام نہیں کیا گیا تھا۔"

مزید ارشاد فرمایا:

''عورت ایک موتی ہے اس کو اپنی سیپ میں رہنا ہے یہی اس کی قدر ہے، یہی اس کا گھر ہے، یہی اس کی منزل ہے، یہی اس کی رفعت ہے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی کتنی پابندی کی ہے اللہ رب العزت نے محمد ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے خاص طور پر حکم دیا "وقرن فی بیوتکن" اپنے گھروں کی چہاردیواریوں کے اندر ہی رہو، محمد رسول اللہ ﷺ جب اپنی بیبیوں کو لیکر حج کرنے کے لئے گئے تو اس کے بعد آپ نے کہہ دیا کہ: ھذہٖ ثم ظھور الحصر (مصنف عبدالرزاق)

دیکھو یہی تمہارا حج ہے جو تم نے ہمارے ساتھ کرلیا اب اس کے بعد چٹائی پر بیٹھ جاؤ اور اسی پر جمی رہو اب حج وج نہیں کرنا ہے حج جیسی چیز کو آپ نے کہا کہ ضرورت سے زیادہ نہیں ہوگا۔ ہر آدمی کی حیثیتوں میں فرق ہے ان کی مشکلات میں فرق ہے، عورتوں کی کیا مشکلات ہیں، مردوں کی کیا مشکلات ہیں ان تمام باتوں کی رعایت کر کے محمد رسول ﷺ نے جو نمونہ پیش کردیا ہے اسی نمونہ کے مطابق عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی ہاتھ میں لینا ہے۔''

(مجلۃ المآثر، ماہ محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۱۵ھ)

تسویل نفسانی

لیکن آج کل کے کچھ نام نہاد "دانشوروں" کا خیال ہے کہ مدارس نسواں قائم ہوں اور اس میں لڑکیوں کو تعلیم دی جائے اور شیطان نے بھی اچھا شیرہ لگایا کہ جب لڑکیاں تعلیم یافتہ ہوں گی تو ان کی اولاد بھی آگے چل کر ترقی کریں گی حالانکہ ان دانش وروں کا یہ خیال تسویل نفسانی اور فاسد نظریہ ہے۔

ان لوگوں کو چاہئے کہ دینی تعلیم گھر گھر عام کریں لڑکیوں سے پہلے لڑکوں کی فکر کریں اس لئے کہ یہی قوم وملت کے علمبردار اور مستقبل کے کھیون ہار ہیں ان کی تعلیم کا معقول نظم کریں جب گھر میں تعلیم دین ہوگی تو عورتوں اور بچوں میں خود بخود دینداری پیدا ہوگی۔

مروجہ مدارس نسواں سے پہلے

آخر آج چودہ سو سال ہوگئے کیا عورتوں میں دین نہیں رہا؟

کیا انھوں نے اپنی گود میں بڑے بڑے اولیاء واصفیاء کی تربیت نہیں کی؟

کیا اس زمانے میں عالمہ وحافظہ نہیں تھیں؟ آخر ان کا کس مدرسۃ البنات میں داخلہ

کرایا گیا تھا؟

قرون وسطیٰ میں مسلم لڑکیوں کو گھر پر ہی تعلیم دی جاتی تھی یہی خیال ابن سحنون کی تصنیف آداب المعلمین کے دیباچہ میں ظاہر کیا گیا ہے جن کے الفاظ یہ ہیں "اکثر و بیشتر باپ اپنی بیٹی کو پڑھایا کرتا تھا جیسا کہ عیسیٰ ابن مسکین (متوفی ۲۷۸ ہجری) نے کہا جو ظہر کے وقت تک اپنے شاگردوں کو درس دیا کرتے اور اسکے بعد اپنی بیٹیوں، بھتیجیوں، پوتیوں اور نواسیوں کو قرآن مجید اور دیگر علوم کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

(التعلیم عند القابسی، ص ۸۷ بحوالہ سہ ماہی دعوت حق، ص ۱۶)

گھر کی چہار دیواری میں تعلیم حاصل کر کے بہت سی عورتوں نے اعلیٰ قابلیت حاصل کی خصوصاً فلسفہ، قانون میں بہت نام پیدا کیا (حوالہ بالا ص ۱۷)۔

ابن حجر نے اپنی تصنیف "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" میں اسلام کے قرون اولیٰ کی پندرہ سو تینتالیس (۱۵۴۳) محدث خواتین کے سوانح حیات جمع کئے ہیں۔

النووی نے اپنی کتاب تہذیب الاسماء میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور سخاوی نے الضوء اللامع میں بہت سا حصہ ان خواتین کے حالات میں وقف کیا ہے جنھوں نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا۔ (سہ ماہی دعوت حق بستی پور، بہار تعلیم نسواں نمبر ص ۔۱۸)

آخر ان خواتین کا کس مدرسۃ البنات میں داخلہ کرایا گیا تو کیا پھر آج ایسا ممکن نہیں کہ مردوں کی تعلیم پر زور دیا جائے وہ پڑھیں اور پھر اپنی خواتین کو بھی پڑھا دیں۔

فتنوں کے اندیشے

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک ادارہ کے چلانے پڑھانے اور عروج و ارتقاء سے ہمکنار کرنے کے لئے عوام الناس سے رابطہ طالبات کے مصارف و تعمیرات کے لئے رقوم کی فراہمی نیز گھر سے مدرسہ اور مدرسہ سے گھر تک کی واپسی کے لئے سواریوں اور گاڑیوں کا نظم یہ وہ کلیدی و بنیادی ضروریات ہیں جن کو عورتیں انجام نہیں دے سکتیں ظاہر ہے اس کے لئے مردوں ہی کا نظم کیا جائے گا۔

پھر نگراں اعلیٰ، سرپرست ناظم و مہتمم تو مرد ہی ہوتے ہیں کیا ایسی صورت میں ان کا غیر مرد سے سابقہ نہیں پڑتا اور اختلاط سے بچا جا سکتا ہے جس میں ہر وقت فتنہ و فساد کا خوف

ہے پردے کی اہمیت میں سیکڑوں آیات وروایات شاہد ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ”وقرن فی بیوتکن الخ......“ (اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو) یہ حکم ازواج مطہراتؓ (جوامت کے مقدس وافضل ترین اور انتہائی درجہ کے پاک باز افراد ہیں) کو تھا پھر آج کے اس پرفتن و پرخطر ماحول ومعاشرے میں ہر شخص اس آیت باری میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

ایک روایت میں ہے لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرۃ

(رواہ الطبرانی کذا فی الکنز: ج۱:ص۲۶)

اور ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو نابینا کے دیکھنے سے منع فرمایا:

عن ام سلمة انها كانت عند رسول الله ﷺ وميمونة اذا قبل ابن ام مكتوم فدخل عليه فقال رسول الله ﷺ احتجبنا منه فقلت يا رسول الله اليس هو اعمٰى لايبصرنا فقال رسول الله ﷺ افعميا وان انتما الستما تبصرانه (مشکوٰۃ شریف،ص۲۶۹)

حضرت ام المومنین ام سلمہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) وہ اور ام المومنین حضرت میمونہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھیں کہ اچانک عبداللہ ابن ام مکتومؓ (نابینا صحابی رسولؐ) آگئے آنحضرت ﷺ نے ابن ام مکتوم کو دیکھ کر فرمایا ان سے پردہ کرو۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر میں نے عرض کیا کہ کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ وہ تو ہمیں نہیں دیکھ رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟

اور ایک روایت میں ہے:

عن علی انه كان عند النبی ﷺ فقال ای شیئٍ خير للمرأة فسكنوا قال فلما رجعت قلت لفاطمة ای شیئٍ خير للنساء قالت لا يرين الرجل ولا يرونهن فذكرت ذٰلك للنبی ﷺ فقال فاطمة لصبغة عنی (بزار، دار قطنی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے (سب سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ) عورت کے لئے کونسی بات سب سے بہتر ہے اس پر صحابہ خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، حضرت علی فرماتے ہیں کہ پھر میں

اپنے گھر پہنچا اور میں نے (اپنی بیوی یعنی آنحضرت ﷺ کی چہیتی لخت جگر) حضرت فاطمہ سے پوچھا کہ عورتوں کے لئے سب سے بہتر بات کیا ہے؟ حضرت فاطمہ نے فرمایا: (عورتوں کے لئے سب سے بہتر بات یہ ہے کہ) نہ وہ مردوں کو کبھی دیکھیں نہ مرد ان کو کبھی دیکھیں، میں فاطمہؓ کا یہ جواب آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تو آپ نے حضرت فاطمہ کی تعریف کرتے ہوئے) فرمایا کہ فاطمہ میری لخت جگر ہے اس لئے وہ خوب سمجھی۔

اسی بنا پر فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ عورتوں کے لئے قرآن کی تعلیم عورت سے دلانی چاہئے کما فی البحر الرائق...صرح فی النوازل بالغة المرءة وبنی علیه ان تعلیها القرآن من المرءة احب من الاعمیٰ۔ (بحرالرائق: ص۔۲۰۷ زکریا دیوبند)

اتنے پر بس نہیں بلکہ پردے کی مزید اہمیت قرآن وحدیث میں بیان فرمائی گئی ہے اور فتنے سے روکنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کیامروجہ مدارس نسواں میں پردے کے بارے میں ان حدیثوں پر عمل کیا جاسکتا ہے؟
بہر حال مدرسہ تو مدرسہ ہے عالمہ وحافظہ بننا تو فرض نہیں ہے اور اس پر بھی پردے کی بے احتیاطی وغیرہ جوسم قاتل ہے! اور قانون شرعی ہے۔

درأالمفاسد اولی من جلب المصالح (کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے) (الاشباہ والنظائر، ص ۱۱۳)

عورت اور مسجد

نماز جو فرض عین ہے جب شریعت نے نماز جیسی عبادت جو حضور ﷺ کو معراج میں بطور تحفہ ملی جو اہم العبادات ہے، حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ چند عورتیں حضرت عمرؓ کے پاس گئیں اور مسجد میں نماز باجماعت کی اجازت طلب کی لیکن حضرت عمرؓ نے اجازت نہ دی تو عورتیں شکایت لیکر حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں حضرت عائشہؓ نے فیصلہ فاروقی سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا:

لو ادرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل (بخاری شریف، ص ۱۲۰، ج ۱، پارہ ۴، مسلم شریف، ص ۱۸۳، ج ۱)

یعنی اگر حضور ﷺ ان باتوں کو دیکھتے جو اس وقت عورتوں نے ایجاد کر لی ہیں تو

آنحضرت ﷺ ان کو مسجد میں جانے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔

اور بخاری شریف کی شرح عینی میں ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز کھڑے ہو کر عورتوں کو کنکریاں مارتے اور ان کو مسجد سے نکالتے تھے۔

ان حالتوں کے پیش نظر حضرات فقہاءؒ نے بھی عورتوں کی مسجد میں حاضری کے ممنوع و مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا، شامی میں ہے۔

(ویکرہ حضورهن الجماعة) ولو لجمعة و عيدٍ وعظٍ (مطلقًا) ولو عجوزًا ليلًا (على المذهب) المفتى به لفساد الزمان

یعنی عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا خواہ جماعت جمعہ کی ہو یا عید کی یا وعظ کی مجلس ہو مکروہ ہے چاہے بوڑھی ہو اور رات کا وقت ہو مفتی بہ مذہب کی بناء پر بوجہ فساد زمانہ کے۔

غور کیجیے: کہ حضرت عمرؓ نے فتنہ و فساد کے سدباب کے لئے یہاں تک کیا کہ کنکریاں مار مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے حالانکہ اگر سوچا جائے تو مسجد میں کسی بھی چیز کا شبہ نہیں آسکتا۔

عورت اور حج و وعظ

علاوہ ازیں حج جو ارکان خمسہ میں ایک رکن عظیم ہے جس کی فضیلت "اظهر من الشمس وابهر من القمر" ہے اس کے سفر کی بھی شریعت نے بغیر محرم کے اجازت نہ دی وعظ جو فوائد کثیرہ و منافع جلیلہ سے خالی نہیں لیکن پھر بھی شریعت نے عورتوں کو شریک ہونے کی اجازت نہ دی۔

بحر الرائق میں ہے: قال المصنف فى الكافى والفتوىٰ اليوم على الكراهة فى الصلوٰة كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوٰة فلان يكره حضور مجالس الوعظ خصوصًا عند هؤلاء الجهال الذين تحلو بحليته العلماء اولى ذكره فخر الاسلام (۲) (البحر الرائق ص ۳۵۸، ج ۱)

یعنی صاحب کنزالدقائق نے کافی میں فرمایا کہ عورتوں کو تمام نمازوں کے لئے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہے اس زمانے میں اسی پر فتویٰ ہے فساد کے واقع ہونے کی وجہ سے

اور جب نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہے تو وعظ کی مجلس میں حاضر ہونا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا خصوصاً ان جاہل لوگوں کی مجلس میں جو علماء کے لباس سے آراستہ ہیں اس کو ذکر کیا فخر الاسلام بزدویؒ نے۔

غور فرمائیے کہ حج جیسی عظیم عبادت کے لئے بھی بغیر محرم کے جانے کی اجازت نہیں! جہاد فرض نہیں!! نماز باجماعت کے لئے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں نیز وعظوں میں بھی شریک ہونے کی اجازت نہیں اور یہ اجازت نہ ملنا صرف اس لئے ہے کہ:

ان المرأة تقبل فی صورة الشیطان وتدبر فی صورة الشیطان الخ

قال المحشی :لان اقبالها داع للانسان الی استشراق النظر الیها کالشیطان الداعی الی الشر والوسواس وعلی هذا ادبارها۔

(مشکوٰۃ شریف، ص۲۶۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔

یعنی عورت شیطان کی صورت آتی ہے اور شیطان ہی کی صورت میں جاتی ہے۔

حضرت محشیؒ فرماتے ہیں اس لئے کہ عورت کا آنا انسان کو دعوت دیتا ہے اپنی طرف دز دیدہ نگاہوں سے دیکھنے کا جیسا کہ شیطان شر اور وسوسے کی طرف دعوت دیتا ہے اور اسی طریقہ سے جانے میں بھی ہوتا ہے۔

المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان (ترمذی شریف، ص۱۴۰، ج۱)

عورت ایک چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔

تو بھلا بتائیے آج شر القرون میں لڑکیوں کو باہر نکلنے اور مدرسہ جانے کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے؟ ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا!

مدارس نسواں۔ کے تباہ کن نتائج

آج جبکہ مرور ایام اور بعد خیر القرون سے آفتاب نبوت و رسالت کی منور کرنیں، جتنی مدھم ہوتی جارہی ہیں، اسی نسبت سے تاریکیوں، سیاہیوں، ظلمتوں، بداحتیاطیوں اور بداعمالیوں کی تہوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، دین سے بے رغبتی و بے توجہی بڑھ رہی ہے، دنیا کی محبت غالب آرہی ہے، ایمان و عمل اور اخلاق و آداب کا دامن ان گنہگار ہاتھوں سے چھوٹ رہا

ہے، حلال وحرام جائز و ناجائز کی تمیز کا احساس مفقود ہوتا جا رہا ہے اور روز مردہ کی زندگی میں ایسی گرہیں پڑتی جارہی ہیں کہ ناخن تدبیر انھیں کھولنے سے عاجز نظر آتا ہے ہر سو فحاشی و عریانیت کا دور دورہ ہے اور ہر خاص و عام مبتلاء دجل و فریب ہے تو ایسی گمبھیر صورت حال میں مذکورہ بالا آیات وروایات کی روشنی میں ارباب مدارس نسواں اور قائلین و حاملین مدارس نسواں اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ایمان سے بتائیں کہ اگر آج صحابہؓ (بالخصوص حضرت عمرؓ جو عورتوں کو مسجد میں نماز باجماعت کے لئے جانے سے منع کرنے میں نہایت متشدد تھے) ہمارے درمیان ہوتے تو کیا مروجہ مدارس نسواں کی اجازت دیتے؟ اور جو قائم ہیں باقی رہ پاتے؟ اور کیا وہ پسند فرماتے کہ ان کے لئے ہوٹل کا انتظام کیا جائے اور اس طرح وہ گھر سے باہر رہ کر تعلیم دین حاصل کریں یقیناً ہرگز اجازت نہ دیتے کیونکہ اس کے مضرات ظاہر و باہر ہیں اہل نظر آج بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جیسا کہ برطانیہ سے شائع ہونے والا ایک رسالہ ''الاسلام'' میں مدارس نسواں کے معائنہ کنندگان کا آنکھوں دیکھا حال اور ان کے ارباب حل وعقد کے تاثرات جو ایک وفد مالیگاؤں معائنہ کے لئے ہوا تھا۔

چنانچہ مختصر روداد سفر کے بعد رقمطراز ہیں۔

جامعۃ الصالحات کے دفتر میں طالبات کا باعث تشویش منظر

''جس وقت ہمارا قافلہ دفتر میں داخل ہو رہا تھا اس وقت طالبات کا جم غفیر دفتر کے دوسرے دروازے کے ذریعہ باہر نکل رہا تھا طالبات ڈھنگ سے ڈوپٹہ میں نہیں، برقع کا پتہ نہیں تھا جس سے اندازہ ہوا کہ طالبات کا اس مدرسے میں دفتر کے عملہ سے آزادانہ میل جول کا رواج ہے ہمارے قافلے کو طالبات کی بے پردگی کے اس بھیانک منظر سے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ اس سے فتنہ وفساد کے چشمے ابلتے ہیں گندی خصلتیں اور کمینہ عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ہمارا قافلہ دفتر میں موجود رہنے کے دوران جامعۃ الصالحات کی طالبات ادھر ادھر چکر لگاتی رہیں دفتر میں مستقل اور مسلسل تاک جھانک رہیں تھیں حالانکہ عورتوں کے لئے یہ جائز نہیں۔

اس کے آگے صفحہ ۳۲ پر رقمطراز ہیں۔

جب ہمارا قافلہ مالیگاؤں کے ایک دوسرے مدرسہ کلیۃ الطاہرات کے معائنہ کے لئے گیا تو اس مدرسے کے مہتمم صاحب کی زبانی باتوں سے جامعۃ الصالحات کے ذمہ داروں کی بیزارگی کے اسباب کا پتہ چلا کہ وہ خود اپنے مدرسہ سے کافی بیزار ہو چکے ہیں جس کا اثر غیر شعوری طور پر مہمانوں کے روبرو بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

کلیۃ الطاہرات کا معائنہ

اور لڑکیوں کے مدرسہ کے بارے میں مہتمم صاحب کے اثرات

ہم لوگوں نے اپنے سفر کی غرض و غایت کو بڑے اہتمام و عظمت کے ساتھ مہتمم صاحب کے سامنے بیان کیا تو مہتمم صاحب گھبراتے ہوئے اور بیزارگی کے ساتھ فرمایا کہ ہم لوگ لڑکیوں کے مدرسہ سے بالکل تنگ آچکے ہیں ہم مدرسہ کھول کر بری طرح پھنس گئے ہیں بس اب اس مدرسے کے بند ہونے کے دن کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں درحقیقت لڑکیوں کا مدرسہ کھولنا دنیا میں جہنم بنانا ہے خدا کے واسطے آپ لوگ لڑکیوں کا مدرسہ کھولنے کا ارادہ ترک کر دیں ورنہ پریشان ہو جائیں گے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے مدرسے میں معلمہ نہ ہونے کی وجہ سے ہفتوں تعلیمی نظام معطل رہتا ہے ہم لوگ آپ کے مدرسہ کے لئے معلمہ کیسے فراہم کر سکتے ہیں ایک قدیم معلمہ کے چلے جانے سے ہم بے حد پریشان ہو گئے تھے مدرسہ کا ہر نظام ہمارے قابو سے باہر ہو چکا تھا پھر مذکورہ معلمہ دو سال کے بعد باہر سے واپس آئیں تو ہماری جان میں جان آئی تاہم حال یہ ہے کہ نہ کوئی طالبہ معلمہ کی بات و ہدایت کو ماننے کے لئے تیار ہے نہ کسی میں معلمہ کا خوف و ہراس ہے نہ مدرسے کے نظام کا احترام ہے اکثر معلمہ طالبات سے تنگ ہو کر چلی جاتی ہیں۔

گیٹ سے باہر مرد اور گیٹ کے اندر عورت چوبیس ۲۴ گھنٹے واچ مینوں کی طرح پہرادار رہنے کے باوجود ہاسٹل میں مستقل نگرانی رہنے کے باوجود معلوم نہیں کیسے اور کب دیوار پھلانگ کر شہر چلی جاتی ہیں (الامان والحفیظ) میں کیا کہوں میں منافق نہیں ہوں سیدھا سادھا مسلمان ہوں اس وجہ سے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ لوگ خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیے بلکہ بہت غور و فکر کرنے کے بعد اور بزرگوں سے مشورہ کے بعد قدم اٹھائیے۔

اور رہا معلمہ کا فراہم کرنا تو یہ ایک دشوار بلکہ ناممکن ہے کیونکہ ہم خود پریشان ہیں پورا سال گزر جاتا ہے معلمہ کے بغیر، آپ لوگ غور کریں کہ تعلیم کیا ہوتی ہوگی نئی فارغات دو ایک کو پکڑتے ہیں ان کی عمریں کم ہوتی ہیں نو آموز ہوتی ہیں ان کے ذمہ بڑی لڑکیوں کے اسباق ہوتے ہیں عجیب الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔

مدرسہ کا معائنہ اور اس کے نتائج

لڑکیوں کے مدرسوں کے معائنہ سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوئے۔(۱) عام طور سے لڑکیوں کے مدارس غیر علماء چلاتے ہیں اور ان ہی کو ایسے مدرسوں سے زیادہ دلچسپی ہے۔(۲) غیر علماء میں بھی ایسے لوگوں کو لڑکیوں کے مدارس سے دلچسپی ہے جن کا دینی تعلیم وتربیت سے دور کا بھی رشتہ وتعلق نہیں ہوتا اور نہ ان کے اندر اس کی ذرہ برابر قابلیت ہوتی ہے۔(۳) لڑکیوں کے مدارس عام طور پر معاشی پیشہ اور کاروبار کے طور پر چلائے جارہے ہیں اور لڑکیوں کے مدرسہ چلانے والے ایک قسم کے کاروباری شغل میں ایک دوسرے کے رفیق بنے بیٹھے ہیں جو ایک بے حد خطرناک صورت ہے۔(۴) لڑکیوں کی تعلیم کا نظام مع قیام وطعام بالکل غلط اور سراسر نقصان دہ بلکہ ہلاکت خیز ہے۔" (ماہنامہ الاسلام، برطانیہ، محرم الحرام ۱۴۲۰ھ، ص ۳۲، ۳۳)

حکیم محمد اختر صاحب کا چشم دید واقعہ

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ (خلیفہ اجل محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم) کا چشم دید مدرسۃ البنات میں بے راہ روی کا واقعہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جسے پڑھ کر مزید ان مدرسوں کے حالات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، ارشاد فرمایا:

"ایک لڑکیوں کے مدرسہ میں میں گیا اور چشم دید دیکھا کہ مہتمم صاحب سرمہ لگائے ہوئے اور پان کھائے ہوئے بالغ لڑکیوں کے کمرے میں جارہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ آپ لوگوں کو کوئی ضرورت تو نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ آپ کمرے میں جا جا کر کیوں پوچھتے ہیں کیا آپ کے لئے پردہ معاف ہوگیا ہے بعد میں اس بستی کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب رات کو مدرسے ہی میں سوتے ہیں اور مدرسے میں جس عورت کو نائب مہتمم رکھا ہے اس کا کمرہ مہتمم صاحب کے کمرے سے ملا ہوا ہے اور بیچ میں ایک دروازہ ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ مخلوق کے نفع کی خاطر اپنے لئے دوزخ کا راستہ مت اختیار کرو نہایت بین الاقوامی گدھا اور بے وقوف ہے وہ شخص جو دوسروں کو نفع پہنچانے کے لئے اپنے واسطے دوزخ کا راستہ بنارہا ہے ایسے نفع متعدی پر لعنت بھیجو جس سے تمہارا نفع لازمی برباد ہوجائے۔"

(انعامات ربانی، ص ۴۸)

ایک دوسرے موقع پر اپنے صاجزادے مولانا محمد مظہر صاحب اور انکی اولاد کو مدرسۃ البنات سے متعلق نصیحت کرتے ہوئے کچھ ہدایات ارشاد فرمائیں، طوالت کا خوف دامن گیر ہے اس لئے یہاں پورا نقل نہیں کر رہے ہیں۔ صرف دو ہدایتیں پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) فرمایا:۔ دارالاقامہ نہ قائم کیا جائے کہ احتیاط میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔

(۲) پورے مدرسۃ البنات میں عورتوں کا رابطہ صرف عورتوں سے رہے مہتمم اپنے محرم یعنی بیوی یا والدہ اور بہن سے دریافت حال تعلیمی یا دریافت حال انتظامیہ کرے، اگر اتنی ہمت نہ ہو تو مدرسۃ البنات مت قائم کرو مدرسہ بند کردو، دوسروں کے نفع کے لئے خود کو جہنم کی راہ پر مت ڈالو مخلوق کے نفع کے لئے پڑھانا یا پردہ سے بھی بات چیت کرنا فتنہ سے خالی نہیں تجربہ سے معلوم ہوا کہ گفتگو پردہ سے کرنے والے بھی عشق مجازی میں مبتلا ہو گئے، لہٰذا اسلامی کی راہ صرف یہی ہے کہ خواتین سے ہر طرح دوری رہے۔ (احقر محمد اختر عفا اللہ عنہ۔ ۱۰ شوال ۱۴۲۰ھ ماہنامہ الابرار انٹرنیشنل ص ۷ ۴ کراچی پاکستان)

مدارس نسواں اور حضرت باندویؒ

عارف باللہ حضرت اقدس قاری صدیق احمد باندویؒ کی سوانح حیات میں مفتی محمد زید صاحب رقمطراز ہیں:

''ایک سلسلہ گفتگو اور خاص نوع کے اجلاس میں اور ایک شخصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے احقر سے فرمایا میرا حال تو یہ ہے کہ میں سب سے ملاقات کرتا ہوں مہمان نوازی کرتا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ان کے نظریات سے بھی متفق ہوں اور ان کے کام میں بھی شریک ہوں میں تو بالکل اپنے اکابر کے طرز پر ہوں اور اسی پر سختی سے قائم ہوں لوگوں کو دھوکہ نہ ہونا چاہئے ملاقات مہمان نوازی دلجوئی تو میری شروع سے عادت ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنے اکابر کے طرز سے ہٹ گیا''۔

مدرسۃ البنات کا آج کل بہت رواج ہوگیا ہے لوگوں کی دعوت پر میں ان کے مدرسہ بھی گیا ہوں اور تقریر بھی کی لیکن میں اس سے متفق نہیں ہوں اور نہ ہی اس کو پسند کرتا ہوں اس میں بہت مفاسد ہیں میرے طرز عمل سے لوگوں کو دھوکہ نہیں ہونا چاہئے۔

(حیات صدیق ص ۳۳۳)

اس کے علاوہ مفتی محمد زید مظاہری ندوی نے اپنی ایک دوسری تالیف میں حضرت باندوی ؒ کی آراء و مکتوبات تحریر فرماتے ہیں۔

لڑکیوں کی تعلیم اور مدرسۃ البنات کے متعلق حضرت ؒ کی رائے:

"آج کل لڑکیوں کی تعلیم اور ان کے لئے دارالاقامہ کے نظم کے ساتھ مدرسۃ البنات کا بڑا رواج ہو رہا ہے ایک صاحب نے کسی بہانے سے حضرت کو اپنے یہاں مدرسہ کے سنگ بنیاد اور دعاء کے لئے بلایا وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ مقصد کچھ اور ہے لڑکیوں کا مدرسہ قائم کیا ہے اور افتتاح کے ساتھ تائید میں حضرت والا سے تقریر کرانا چاہتے ہیں حضرت نے فرمایا جب میں پہنچا تو ایک صاحب بڑی زورداری سے لڑکیوں کی تعلیم کی اہمیت اور اس کے فضائل پر تقریر فرما رہے تھے مجھ سے بھی تقریر کے لئے کہا میں نے کہا کہ میں تقریر کرنے تو آیا نہیں اور ایسی تقریر مجھ سے نہ کرائیے نہ میں کرسکتا ہوں جس سے اس قسم کے مدارس رواج دینے کی تائید ہو میں اس سے متفق نہیں ہوں تردید بھی نہیں کرتا پھرتا، تائید بھی نہیں کرسکتا، ان صاحب نے بہت اصرار کیا میں نے خیال کیا کہیں یہ نہ سمجھیں کہ ناراض ہو کر چلا گیا تھوڑی دیر بیان کردیا میں نے کہا لڑکیوں کی تعلیم کی اہمیت وفضیلت کا کون انکار کرسکتا ہے اور کون اس کا مخالف ہوگا لیکن اصل مسئلہ طریقۂ تعلیم کا ہے ہمارے اکابر نے اس طرح دارالاقامہ کی شکل میں طریقۂ تعلیم کو پسند نہیں فرمایا اس میں مفاسد زیادہ ہیں لڑکیوں کے نظام کو قابو میں رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے ان کا معاملہ تو بڑا نازک ہوتا ہے نظام قابو میں رکھنا مشکل ہے کہیں نہ کہیں بے احتیاطی ضرور ہو جاتی ہے جس سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں مردوں سے بات ہوگی، کبھی لڑکی درخواست دیگی، کبھی بات چیت کریگی، ایسے مواقع سامنے آتے ہیں کہ بات چیت بھی ہوتی ہے آمنا سامنا بھی ہوتا ہے اور میرے سامنے ایک دو نہیں کئی واقعات ہیں کہ مدرسہ کے منتظم صاحب خود بدکاری میں ملوث ہو گئے اور یہی ان کی عادت ہوگئی ۱۲ ربجے رات ہی کو لڑکیاں اپنا سامان لے کر مدرسہ سے بھاگیں ہمارے اکابر نے لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں جو طریقہ مقرر فرمایا وہ بہتر ہے کہ مقامی طور پر ان کی تعلیم کا نظم ہو لڑکیاں یا تو گھر میں تعلیم پائیں یا مدرسہ میں لیکن پورے پردے کے اہتمام کے ساتھ ہو اور دارالاقامہ کی شکل میں نہ ہو، پڑھ کر گھر واپس آجائیں، دارالاقامہ کی شکل

میں مفاسد زیادہ ہیں احقر نے عرض کیا کہ حضرت مقامی طور پر ہر جگہ نظم نہیں ہو سکتا پڑھانے والے لوگ نہیں ہوتے حضرت نے فرمایا اس کا نظم کیا جائے جو لوگ نظم کرتے ہیں کوشش کرتے ہیں اس کی بھی کوشش کریں کہ جگہ جگہ مقامی مدارس قائم ہوں احقر نے عرض کیا کہ حضرت اقدس مفتی محمود الحسن صاحب سے ایک مرتبہ احقر نے اس کے متعلق سوال کیا تھا حضرت نے فرمایا تھا "اخف الضررین" کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو گوارہ کرلیا جائے حضرت نے فرمایا ہر جگہ کے حالات جداگانہ ہوتے ہیں شہروں میں جہاں لڑکیاں کالج میں جاتی ہوں ان کے لئے تو یہی بہتر ہوگا کہ بجائے کالج کے ایسے مدرسوں میں جائیں یہ حالات کے لحاظ سے ہے شہر کے واقعی ایسے، حالات ہوتے ہیں میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکیوں کی تعلیم کے اور بھی طریقے ہیں اکابر نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس میں مفاسد کا کم احتمال ہے دوسرے اور طریقوں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی طریقے کے پیچھے کیوں چل پڑے اور اصل بات یہ ہے کہ اس عنوان سے مدرسہ قائم کرنے میں باہر سے پیسہ بہت ملتا ہے ورنہ قوم کی ہمدردی مقصود نہیں پیسہ کمانا مقصود ہے لڑکوں کے مدرسوں کے لئے اتنا پیسہ نہیں ملتا جتنا لڑکیوں کے مدرسوں کے لئے مل جاتا ہے۔

لڑکیوں کا نصاب تعلیم

اس ضمن میں نصاب کی بات چلی احقر نے عرض کیا کہ عموماً مدرسۃ البنات میں شرح وقایہ، ہدایہ، اور دورۂ حدیث وغیرہ سب پڑھاتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ غور کر کے نصاب مقرر کرنا چاہئے یہ تو مناسب نہیں کہ یہ نصاب سب کو پڑھا دیا جائے البتہ بعض واقعی سمجھدار ہوتی ہیں ان کو پڑھا دیا جائے جس طرح مردوں میں سمجھدار ہوتے ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی بعض سمجھدار ہوتی ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ ہردوئی میں حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی سے ایک مرتبہ احقر نے عرض کیا تھا حضرت نے فرمایا یہ طریقۂ تعلیم مناسب نہیں ہے لیکن اگر کسی کو کرنا ہی ہے تو اسطرح نہیں، اس طرح کے، اس کی نظیر بیان فرمائی کہ عورتوں کی باجماعت نماز ممنوع ہی ہے لیکن اگر کرنا ہی ہے تو ان کا امام وسط میں کھڑا ہوگا، اسی طرح یہاں بھی سمجھنا چاہیے۔

تعلیم نسواں اور مدرسۃ البنات کے متعلق حضرتؒ کے بعض خطوط

لڑکیوں کی دینی و دنیوی تعلیم کے سلسلہ میں حضرت اقدسؒ کے متعدد مکاتیب ہیں، جو انشاء اللہ ''علمی و اصلاحی مکاتیب'' میں شائع ہوں گے چونکہ لڑکیوں کی تعلیم اور اس کے نصاب ونظام سے متعلق گذشتہ ملفوظ میں تفصیل آئی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس سلسلہ کے بعض اہم خطوط، حضرتؒ کے مع تمہید نظر ثانی کردہ ہیں۔

مکتوب: ایک صاحب کافی دور سے مدرسۃ البنات جس کا آج کل بڑا رواج ہو چکا ہے، جس میں لڑکیاں اپنے وطن سے آآ کر دار الاقامہ کی شکل میں رہ کر درس نظامی کا پانچ سالہ کورس حاصل کرتی ہیں اس قسم کے ایک مدرسہ سے ایک صاحب حضرت کی خدمت میں ختم بخاری شریف کے لئے حضرت کو دعوت دینے آئے تھے اور عرض کیا کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شیخ الحدیثؒ بھی تشریف لے جائیں گے آپ کو بھی وہاں چلنا ہے اس وقت حضرت اقدس نے حضرت شیخ الحدیث کے نام مندرجہ ذیل مکتوب تحریر فرمایا:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مخدومی حضرت اقدس دامت برکاتہم....... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہو، ایک صاحب یہاں تشریف لائے تھے اور اصرار کیا کہ مدرسۃ البنات میں ختم بخاری شریف ہے تم کو وہاں چلنا ہے ان سے احقر نے عرض کیا کہ میرے بڑے وہاں موجود ہیں اگر وہ حضرات وہاں تشریف لے جائیں گے تو احقر حاضر ہو جائیگا اب تک تو احقر کے ذہن میں یہ بات ہے کہ لڑکیوں کی اس قسم کی تعلیم کو اپنے بڑوں نے پسند نہیں کیا حضرت والا اس کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں حضرت کا کیا حال ہے وہاں حضرت کی موجودگی میں اس کام کے لئے احقر کا حاضر ہونا کس طرح جائز ہوگا احقر کی ہمت نہیں ہے خادم کی حیثیت سے حاضر ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہاں حاضری حضرت والا پسند فرمائیں دعاء کی درخواست ہے۔ احقر صدیق احمد، مدرسہ عربیہ ہتھورا، باندہ

مدرسۃ البنات کے متعلق حضرتؒ کی رائے

ایک صاحب نے تحریر فرمایا کہ مجھے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے وہ یہ کہ کیا لڑکیوں کے لئے مدارس کا قیام موجودہ حالات میں ضروری ہے؟ جو لوگ رہائشی مدرسہ کے قیام کی خواہش مند ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ اچھی بدعت ہے چونکہ گھر گھر آج کل سینما، ٹی وی کا رواج ہے گھروں میں دینی تعلیم مشکل ہے اس لئے یہ صورت بہتر ہے حضرت والا اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ حضرت نے جواب تحریر فرمایا:

مکرمی زید کرمکم............ السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

اکابر نے اس کو پسند نہیں کیا لیکن حالات کے بدلنے سے رائے بدل جاتی ہے دارالاقامہ میں تو فتنہ معلوم ہوتا ہے۔ لڑکیاں پڑھ کر روانہ اپنے گھر آجایا کریں ایسا نظام ہو جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ افادات صدیق ص ۱۴۳ تا ۱۴۸

صدیق احمد (جامعہ عربیہ ہتورہ، باندہ)

حضرت موصوف کے ان ارشادات کو جناب مفتی مجد القدوس زید مجدہم نے فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم کو سنایا تو حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا ''یہی میرا بھی معاملہ ہے۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ اور حضرت مفتی صاحب اس بارے میں بالکل متفق الرائے ہیں

نیز اس سلسلہ میں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور سے دیئے گئے فتاوی بغرض افادیت نظر قارئین ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں آج کل اسلامی مدارس نسواں کھل رہے ہیں جس میں بالغ و نابالغ لڑکیوں کے رہنے سہنے کے لئے دارالاقامہ نیز کھانے پینے کا نظم وضبط مدرسہ ہی میں ہوتا ہے اس طرح بالغ و نابالغ لڑکیاں دور دراز سے سفر کر کے ان مدرسوں میں آتی ہیں اور ان مدارس میں تعلیم حاصل کرتی ہیں ان مدرسوں کا نصاب تعلیم وہی ہے جو دیگر مدارس اسلامیہ میں درس نظامیہ کا

ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ مروجہ مدارس ناجائز ہیں، کیوں کہ اس سے فتنہ وفساد کا قوی اندیشہ ہی نہیں بلکہ بہت سے حیاسوز واقعات بھی سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں جب عورتوں کو (بوجہ فتنہ وفساد) مسجد میں جا کر نماز باجماعت کی اجازت نہیں تو بھلا ان مدرسوں میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ عمرو کہتا ہے کہ آج کل تعلیم کا دور دورہ ہے ہر امیر و غریب اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دینے میں کوشاں ہے کالجوں میں پڑھ کر ان کا ایمان وعقیدہ بھی محفوظ رہنا مشکل ہوتا ہے جن کے مضرات روز روشن کی طرح عیاں ہیں جس میں ملحدانہ و مشرکانہ تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور وہاں ان کے دل میں اسلامی تعلیمات سے نفرت پیدا کی جارہی ہے اور ان کو طرح طرح کے شکوک وشبہات میں ڈالا جارہا ہے اس لئے "اھون البلیتین" کے قاعدے سے یہ اسلامی مدارس نسواں جائز ہی نہیں بلکہ وقت کی اہم ضرورت ہے مزید یہ بھی کہتا ہے چونکہ مسلم لڑکیوں میں تعلیم نہیں ہے اس لئے وہ اپنے ایمان و عقیدے کو محفوظ رکھنے کے لئے ان کے شکوک شبہات کی تردید نہیں کر پاتیں آج ضرورت اس بات کی ہے کہ لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے اور عالمہ حافظہ بنانے کے لئے ان مدارس میں داخلہ کرانا چاہئے ان مدرسوں میں اکثر وبیشتر معلمہ خواتین ہوتی ہیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید کا نظریہ صحیح ہے یا عمرو کا اور "اھون البلیتین" کے بارے میں علماء وفقہاء کی کیا رائے ہے اور "اھون البلیتین" کب اور کس وقت معتبر ہے؟ کیا مروجہ مدارس نسواں کے جواز کے سلسلہ میں یہ قاعدہ معتبر ہے؟ اور اسلاف واکابر کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے اور اگر یہ مدارس نسواں جو کھلے ہیں اس میں اپنی لڑکیوں کو تعلیم نہ دی جائے تو پھر لڑکیوں کی تعلیم کا کیا نظم کیا جائے نیز اگر اس میں مضرات ہیں تو اسکو بھی اور منافع کو بھی واضح طور سے بیان فرمادیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر جزیئے کا جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا و توجروا

فتویٰ دارالعلوم دیوبند

الجواب نمبر ۱۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سلسلہ میں اکابر علماء دیوبند میں سے حضرت تھانویؒ نے "رسالہ اصلاح معاملہ بہ تعلیم نسواں" کے نام سے تحریر فرمایا ہے جو بہشتی زیور حصہ اول میں بطور ضمیمہ شامل ہے اہل علم و دانش اسے ملاحظہ فرما کر شریعت کی روشنی میں مذکورہ مدارس سے متعلق خود فیصلہ فرما سکتے ہیں۔

الجواب الصحیح محمد ظفیر الدین غفرلہ	الجواب الصحیح محمد عبد اللہ غفرلہ	کفیل الرحمٰن نشاط نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۸-۱-۱۴۲۰ھ

فتویٰ دارالعلوم (وقف) دیوبند

الجواب الف نمبر ۹۵۷

اور اسی استفتاء کا جواب دارالعلوم (وقف) دیوبند سے یہ دیا گیا جو درج ذیل ہے۔

الجواب وباللہ التوفیق

اصولی طور پر اسلام نے لڑکیوں پر دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کے حاصل کرنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے" (خواہ مرد ہو یا عورت) لیکن سب سے پہلے لڑکیوں کو تعلیم دلانے کا مقصد متعین ہونا چاہئے اگر مقصد وہی ہے جو عام طور پر لوگوں کی زبان پر ہے کہ عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کریں اور معاشی میدان میں مردوں سے پیچھے نہ رہیں تو اس کی قطعاً اجازت نہیں کیونکہ مرد و عورت دونوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ ذمہ داریاں رکھیں ہیں بیوی اور بچوں کی معاشی کفالت مردوں کے ذمہ ہے اور اگر مقصد یہ ہے جو سوال میں مذکور ہے کہ "عام

کالجوں اوراسکولوں میں ملحدانہ ومشرکانہ تعلیم سے نہ صرف ایمان وعقیدہ محفوظ نہیں رہتا بلکہ اسلامی تعلیم سے نفرت پیدا کی جاتی ہے اور یہ لڑکیاں علم نہ ہونے پر ایمان وعقیدہ پر کئے جانے والے اعتراضات اور شکوک وشبہات کی تردید نہیں کر پاتیں'' اس مقصد کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اس لئے ایسے اداروں اور مدارس کا قیام لڑکیوں کے لئے بہت ضروری ہے لیکن اس کے لئے بھی اسلامی تعلیمات اور شرعی حدود وقیود کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

شریعت نے عورت پر بغیر محرم کے سفر کرنے پر پابندی لگائی ہے حتیٰ کہ حج جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے بھی محرم کی قید لگائی ہے کہ بغیر محرم کے اس پر حج فرض ہی نہیں ہے۔

ایسے مدارس اور ادارے جن میں مقامی اور دوسرے شہروں کی لڑکیاں (بالغ یا قریب البلوغ) بغیر محرم کے رہتی ہیں اگرچہ وہ پردہ کی اور آمد ورفت کے موقع پر محرم کے ساتھ ہونے کی شرط کو پورا کردیں اور ایسے اداروں میں پڑھانے اور انتظام پر عورتیں مامور ہوں کسی نہ کسی درجہ میں غیر محرم سے واسطہ پڑتا ہے یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ ایسے اداروں کے منتظمین ہفتہ میں ایک دن شاپنگ کرانے بازار لیجاتے ہیں یا تفریح وغیرہ کے بہانے لیجاتے ہیں اس میں فتنہ وفساد پھیلنے کا اندیشہ ہے اس لئے بہتر ہے کہ مقامی طور پر ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبات میں ایسے ادارے قائم کیے جائیں جہاں دینی وعصری تعلیم کا عورتوں کے لئے خصوصی انتظام ہو اور عورتوں کے لئے مردوں سے الگ تعلیمی نظام وضع کیا جائے کیونکہ یہ بچیاں مستقبل کی مائیں ہیں اور بچوں کا ابتدائی مدرسہ گھر ہی ہوتا ہے اگر ماں باپ دین اور دینی اور عصری تعلیم یافتہ ہوں تو اولاد کی تربیت بھی صحیح انداز سے کرسکتے ہیں لیکن ان اداروں میں ہاسٹل بنانا مقامی اور غیر مقامی لڑکیوں کے لئے جس میں وہ مستقل رہائش پذیر ہوں تجرباتی بنیاد پر فتنوں کا سبب بنتا ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب الصحیح	محمد عارف قاسمی
خورشید عالم	رکن دارالافتاء (وقف) دارالعلوم دیوبند

۲-۶-۱۴۲۰ھ

فتویٰ مظاہر علوم (وقف) سہانپور

الجواب نمبر ۳۱۱
مذکورہ بالا استفتاء کا جواب مظاہر علوم (وقف) سہانپور کی طرف سے یہ دیا گیا ہے۔
الجواب بعون الملهم للصدق والصواب.

لڑکیوں عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں دریافت طلب امور کا جواب مجموعی طور پر لکھا جاتا ہے اس سلسلہ میں حضرات اکابر علماء ومفتیان کرام کی رائے چھپ چکی ہے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی "ضمیمہ بہشتی زیور حصہ اول اور اصلاح متعلقہ بہ "تعلیم نسواں" تحریر فرمایا ہے جناب مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی احسن الفتاویٰ جلد ہشتم صفحہ ۵۹ پر باب الحظر والاباحہ کے تحت جامعۃ البنات کا حکم تفصیل سے تحریر فرما دیا ہے اسی طرح افادات صدیق میں حضرت الاستاذ مولانا صدیق احمد صاحب باندوی" اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی" کی آراء نقل کی گئی ہیں جن سے علی الاطلاق مدرسۃ البنات کی تائید نہیں ہوتی اس سلسلہ میں خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ عورتیں انسانی برادری کا نصف حصہ ہیں ان کی جہالت اور لاعلمی کا مطلب یہ ہے کہ آدھی انسانیت ان سے بے بہرہ رہے لہٰذا ان کی تعلیم وتربیت سے اغماض واعراض برتنے کا کوئی جواز نہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ تعلیم وہ تربیت کے لئے مردوں کے دوش بدوش چلائی جائیں ایسا کرنا شرعاً وعقلاً ناجائز ومضر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کو وہی تعلیم دی جائے جس کی ان کو دنیا وآخرت میں ضرورت شرعاً وعقلاً ثابت ومسلم ہے مثلاً ان کی ضروری مذہبی ومعاشرتی تعلیم وتربیت کا انتظام ان کے والدین اپنے گھر پر ہی کریں کھانا پکانا کپڑے سینا اور دیگر امور خانہ داری کے طور طریقے ڈھنگ اور سلیقہ سکھائیں جس سے لڑکیاں اولاً اپنے والدین اور بھائی بہنوں کی اور ثانیاً اپنے شوہر اور بچوں کی گھریلو ضروریات پوری کرسکیں۔ جو گھرانے ایسے نہیں ہیں وہاں ان کی تعلیم وتربیت کرنے پر ان کے والدین قادر نہیں ہیں جہل وناواقفیت طاری ہے اور لڑکیاں الحاد وبے دینی کے نصاب ونظام تعلیم سے وابستہ ہیں یا اس کا خطرہ ہے وہاں "اهون البليتين" اور اخف الضررين" کا تقاضہ یہی ہے کہ انہیں ایسے دینی مدارس میں داخل کرا دیا جائے جہاں مکمل

طور پر استانیاں و طالبات اور کارکنان سب عورتیں ہوں غیر محرم مردوں کا عمل و دخل نہ ہو پردے کے شرعی تقاضوں کا پورا خیال رکھا جاتا ہو۔ نیز یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ہر مسلمان کی اتنی حیثیت اور مالی وسعت نہیں کہ وہ اپنی لڑکی کو دار الاقامہ میں رکھ کر اس کے اخراجات برداشت کر سکے اس لئے کہ رائج الوقت مدارس البنات کے اخراجات و مصارف اسکولوں اور کالجوں سے کچھ زائد مختلف نہیں ہیں ایسی لڑکیوں کے والدین و سرپرستان (بڑے بھائی اور بعد میں شوہر بھی) انہیں ضروری دینی و دنیوی احکام و مسائل سے آگاہ کرنے کے لئے روزانہ گھنٹہ آدھ گھنٹہ نکال کر ان کو کم از کم قرآن پاک ناظرہ صحت و مخارج و صفات کے ساتھ پڑھائیں اسی طرح ''بہشتی زیور'' اور ''حسن معاشرت''، ''مسلم خواتین'' کے لئے بیس سبق وغیرہ معتبر دینی ضروریات اور اسلامی معاشرت پر مشتمل کتابیں پڑھائیں یا سنادیا کریں یا وقتاً فوقتاً کسی اچھے متدین عالم سے عورتوں کے مناسب حال وعظ کہلوادیا کریں اس طرح بھی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کا نظم ہوسکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دورحاضر کے گوناگوں شرور و فتن جس سے لڑکوں کو بچانا دشوار ہورہا ہے ان سے لڑکیوں کی حفاظت از حد ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ جو کام ان کی اصلاح کے لئے کیا جارہا ہے وہی ان کے لئے فساد کا باعث ہو۔ ہمارے موجودہ علماء محتاطین اور اکابر مصلحین کا فکر ونظر یہی ہے اس سلسلے میں ہمارے یہاں سے دو جواب پہلے بھی دیئے جاچکے ہیں۔ فقط

واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق

الجواب الصحیح محمد امین غفرلہ خادم مظاہر علوم (وقف) سہارنپور ۱۸/ جمادی الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ	الجواب الصحیح احقر محمد القدوس عفا اللہ عنہ مفتی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور ۸/ جمادی الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ

فتویٰ مظاہر علوم (دار جدید) سہارنپور

الجواب نمبر ۴۴

مذکورۃ الصدر استفتاء کا جواب مظاہر علوم (دار جدید) سے یہ دیا گیا۔

الجواب و باللہ التوفیق

لڑکیوں کے لئے باقاعدہ مدارس کا نظام اکابر نے نہیں بنایا ان کے لئے تعلیم کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے۔ مگر گھروں میں رکھ کر ہی ان کی تعلیمی ضرورت کو پورا کیا گیا ہے بالغ لڑکیوں کا مدارس میں قیام فتنہ سے خالی نہیں ہے فتنہ کے واقعات آئے دن پیش آتے ہیں اگر کسی فعل میں مصلحت بھی ہو اور مفسدہ بھی تو دفع مفسدہ کی خاطر اس فعل کو ترک کر دیا جائے یہ بھی فقہی قاعدہ ہے۔ پس عافیت اسی میں ہے کہ بالغ لڑکیوں کو مدرسہ میں نہ رکھا جائے کمسن بچیوں کو مدرسہ میں تعلیم دی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمد طاہر عفا اللہ عنہ

مظاہر علوم سہارنپور

الجواب الصحیح العبد محمد اسرار ۲۲ / محرم ۱۴۲۰ھ	الجواب الصحیح مقصود احمد محرم ۱۴۲۰ھ

احقر کو بھی اس جواب سے اتفاق ہے۔

عبد القدوس رومی، مفتی آگرہ

۱۷۔۴۔۱۴۲۰ھ

اسی سلسلے کا ایک دوسرا سوال مظاہر علوم (دار جدید) میں آیا جس کا جواب مع سوال من وعن درج ذیل ہے۔

باسمہ تعالیٰ

سوال: گرامی قدر مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ......

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ آج کل ہندوستان میں بالخصوص گجرات میں مدرسۃ البنات کی کثرت ہوتی جارہی ہے جس میں لڑکیاں دارالاقامہ میں مستقل قیام کرتی ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) کیا اس طرح لڑکیوں کے مدارس کا قیام شرعاً درست ہے؟

(۲) کیا بالغ لڑکیوں کا اس طرح مسافت شرعی کے باوجود بغیر محرم کے گھر سے دور رہنا صحیح ہے؟ جب کہ حج جیسا اہم فریضہ کی ادائیگی بھی بغیر محرم کے درست نہیں ہے نیز نماز کے لئے بھی قعر بیت کا حکم دیا گیا ہے تو کیا تعلیم نسواں حج ونماز سے بھی زیادہ اہم وضروری ہے؟

(۳) اور اگر مسافت شرعی سے کم مقدار پر مدرسہ ہے تو کیا وہاں لڑکیوں کے قیام کی بغیر محرم کے گنجائش نکل سکتی ہے؟ اور نابالغ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۴) اس طرح معلمات بغیر محرم کے دور دراز سے پڑھانے آتی ہیں اور قیام بھی کرتی ہیں ان کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

(۵) اگر معلمات کی قلت کی وجہ سے معلمین رکھے جائیں تو کیا یہ درست ہے اور اگر درست ہے تو تعلیم کی کیا شکل ہوگی؟

(۶) نگراں ومنتظم مرد حضرات بغیر حجاب کے معلمات وطالبات سے گفتگو وملاقات کرسکتے ہیں؟

(۷) کیا عورتوں کا جماعت تبلیغ میں محرم کے ساتھ عشرہ و چلہ وغیرہ میں نکلنا درست ہے جب کہ محرم ہر وقت عورت کے ساتھ نہیں رہتا بالخصوص شب میں مندرجہ بالا مسئلہ کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل عنایت فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

فقط والسلام مع الاکرام

فتوی مظاہر علوم (دار جدید) سہانپور

جواب نمبر: ۲۲۱

الجواب وبالله التوفيق

(۱) عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ طلب العلم فريضةٌ على كل مسلم (وفی رواية) و مسلمة (مشکوٰۃ مع حاشية. صفحه ۳۴)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان مرد و عورت پر اتنا ہی علم حاصل کرنا فرض ہے جس سے ایمان کی بنیاد، توحید و رسالت اور عقائد کی اصلاح ہو سکے اسی طرح اعمال نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ درست اور صحیح طریقہ پر ادا ہو سکیں معاملات معاشرات اور اخلاق بھی درست ہو جائیں پس لڑکوں کی طرح لڑکیوں کے لئے بھی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہوا مگر اس کے لئے مدرسۃ البنات قائم کرنا جس میں دارالاقامہ بھی ہو، لڑکیاں وہاں مستقل قیام کریں۔ یہ طریقہ سلف صالحین اور اکابر علماء سے ثابت نہیں عورت کا گھر سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے۔

المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان۔ (رواه الترمذی. ص ۲۲۶)

حضرات فقہاء نے مسجد کی جماعت "جمعہ، عیدین اور وعظ" وغیرہ کے لئے عورتوں کا نکلنا ناجائز قرار دیا ہے جب ایسی اہم عبادات کی خاطر تھوڑے سے وقت کے لئے قریب تر مقام میں نکلنے پر اس قدر پابندی ہے تو مدرسۃ البنات جس میں دارالاقامہ ہو اور دور دراز سے طالبات آئیں بدرجہ اولیٰ ممنوع ہونا چاہیے ہمارے اکابر و اسلاف نے بھی اس طریقہ کو اختیار نہیں کیا نہ اس کو پسند کیا جب کہ غلبہ جہل اور دین سے ناواقفیت کچھ کم نہ تھی اگر اس میں بھلائی ہوتی تو اکابر اس کی طرف ضرور متوجہ ہوتے خیر و برکت اکابر کے نقش قدم پر چلنے میں ہے، پس لڑکیوں کے لئے تعلیم کا نظم ان کے مکانوں میں ہی ہونا چاہئے حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی ؒ نے تحریر فرمایا کہ گھر کے مرد ذی علم ہوں تو وہ پڑھا دیں ورنہ اگر مستورات پڑھی ہوئی ہوں تو وہ خود پڑھائیں ورنہ دوسری بیبیوں سے پڑھوائیں۔ آگے تحریر فرماتے ہیں۔ اور یہ میری سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا کہ زنانہ مکتب قائم کیا جائے جیسے مردانہ مکتب باقاعدہ ہوتے ہیں اس باب میں واقعات اس کثرت سے ہیں کہ ان واقعات نے یقین دلایا ہے کہ ایسے مکتبوں کا اثر اچھا نہیں ہوتا۔ (اصلاح النساء، ص ۱۵۳)

ایک دوسرے موقع سے فرمایا کہ عورتوں کو اسکولوں کے ذریعہ سے یا زنانہ مدارس کے ذریعہ تعلیم دینا تو سم قاتل ہے میں مدرسہ نسواں کو بھی پسند نہیں کرتا خواہ کسی عالم کے تحت

ہوں میں تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ ہر گز ہر گز ایسا نہ کرو ورنہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو بعد میں پچھتاؤ گے اسکولوں اور مدرسوں کو چھوڑ کر عورتوں کو گھر میں ہی تعلیم دو، اگر عربی میں تعلیم دو تو سبحان اللہ ورنہ اردو میں ہی دینا چاہیے۔ (اصلاح النساء، ص ۱۲۸)

چنانچہ آج کل مدرسۃ البنات میں آئے دن زنا اور غلط کاری کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اس لئے حضرت تھانویؒ کی ہدایت بالکل بجا اور درست ہے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

(۲ و ۳) لڑکیوں کا بغیر محرم کے دار الاقامہ میں قیام کرنا فتنہ سے خالی نہیں بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے اگر چہ وہ دار الاقامہ شرعی مسافت سے کم دوری پر واقع ہو۔

(۴) معلمات کا دور دور سے بغیر محرم کے آنا بھی فتنہ کا باعث ہے ان کے لئے وہاں قیام کا حکم بھی وہی ہے جو اوپر متعلمات کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔

(۵) درست نہیں۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۲۳۵ (احسن الفتاویٰ)

(۶) نگراں و منتظم حضرات غیر محرم ہوں تو ان کے سامنے بے پردہ آنا بالکل جائز نہیں اور بے تکلفی سے گفتگو کرنا اور ملاقات کرنا سخت فتنہ کا موجب ہے۔ حدیث شریف میں اس کی شدت سے ممانعت آئی ہے۔ لا یخلو رجل بامرأۃ الا ومعہا محرم (عمدۃ القاری، ۱۲۶/۷) ایک اور روایت میں ہے ایاکم والدخول علی النساء (اعلاء السنن، ۱۷/۳۸۵)

(۷) عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ تبلیغ کا کام بھی مقامی طور پر اپنی بستی میں کریں ہر ہر جگہ اس کا اہتمام ہوگا تو مقصد تبلیغ حاصل ہو جائے گا۔[۱] فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب الصحیح العبد محمد اسرار ۱۷۔ ۳۔ ۱۴۲۰ھ	الجواب الصحیح مقصود احمد ۱۷۔ ۳۔ ۱۴۲۰ھ	حررہ العبد محمد طاہر عفا اللہ عنہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۷۔ ۳۔ ۱۴۲۰ھ

(۱) استاذ محترم مفتی مجد القدوس رومی مفتی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور نے جب اس فتویٰ کو دیکھا تو فرمایا کہ نمبر ۶ تک جوابات بالکل صحیح و درست ہیں، نمبر ۷ کے تحت سوال کا مکمل حکم شرعی لکھنے سے گریز محسوس ہوا، طالبات مدرسۃ البنات اور مسافرات دعوت و تبلیغ مروجہ کے حکم شرعی میں فارق کیا ہے؟ جو صورت سوال میں ہے اس کا حکم ممانعت لکھنا چاہیے جیسا کہ استاذی حضرت مفتی محمد یحیٰ صاحبؒ اس سلسلہ میں اب سے تقریباً ۴۲ سال قبل عورتوں کے مقامی و بیرونی تبلیغی کام کے متعلق حکم شرعی تحریر فرما چکے ہیں کہ "عورتوں کو تبلیغی جماعت بنا کر باہر جانا فتنہ سے خالی نہیں ہے خصوصاً اس زمانہ میں اس لئے عورتوں کو تبلیغ۔ کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے نہ اپنے شہر کے دوسرے محلہ میں جانا بہتر ہے۔" الخ

(فتاویٰ مظہریہ، ص ۲، استفتاء نمبر ۵، ج ۱۹، جواب نمبر ۳۵ مورخہ ۱۸۔ ۵۔ ۱۳۷۸ھ)

اس سلسلہ میں اکابر مفتیان ہند (مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مفتی مہدی حسن شاہ جہانپوریؒ، مفتی سعید احمد اجراڑویؒ، اور حضرت استاذی مفتی مظفر حسین صاحب مدظلہ العالی) کے فتاویٰ شائع ہو چکے ہیں ان کا مطالعہ کر لیا جائے وہی ہمارے قدیم دار الافتاء کا معتمد فتویٰ بھی ہے۔

حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ لڑکیوں کے مدرسہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"فتنوں کا علم جگہ جگہ کے خطوط سے بھی ہوتا رہتا ہے جو بصورت استفتاء آتے ہیں، اگر چھوٹی بچیاں ہوں تو ان میں فتنہ نہیں، بڑی لڑکیوں کا حال دوسرا ہے ان کو نہ اس طرح تعلیم دی جائے نہ تقریر کرائی جائے"۔

(فتاویٰ محمودیہ، ج ۶ ص ۔ ۶۷ مکتبہ محمودیہ، میرٹھ)

نیز اس قسم کے ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"دینی مسائل کی تعلیم جس طرح لڑکوں کیلئے ضروری ہے اسی طرح لڑکیوں کیلئے بھی ضروری ہے جو لڑکی مراہقہ ہو وہ بالغہ کے حکم میں ہے اس کے لئے پردہ ضروری ہے اس کو مکتب یا مدرسہ میں بھیجنا فتنہ سے خالی نہیں لہٰذا ایسی لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام خود ان کے مکانوں پر ہونا چاہئے لان المرأة عورة. فاذا خرجت من بيتها. استشرفها الشيطان" (رواہ الترمذی) طلب العلم فريضة على كل مسلم: أي ومسلمة كما في الرواية اه" هامش مشكوٰة(۱۱) حررہ العبد محمود غفرلہٗ

(فتاویٰ محمودیہ جلد ۶: ص ۶۷ مکتبہ محمودیہ میرٹھ)۔

مذکورہ فتاویٰ کے بعد حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہم کا فتویٰ درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو موصوف اپنے معرکۃ الآراء مجموعہ احسن الفتاویٰ ج ۸، ص ۹۵ پر باب الحظر والا باحہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

جامعات البنات کا حکم

احکام شریعت کے علم اور ان پر عمل کرنے میں تصلب و پختگی کی تحصیل کی غرض سے کسی ایسے مدرسۃ البنات میں پڑھنا جائز ہے جس میں شرائط ذیل کی پابندی کا اہتمام ہو۔

(۱) پڑھانے والی صرف خواتین ہوں نامحرم مرد سے پڑھنا جائز نہیں وجوہ عدم جواز کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲) معلمات روزمرہ کی زندگی سے متعلقہ مسائل و احکام شرع کے علم میں کمال رکھتی ہوں۔

---

(۱۱) مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۲۸۴ کتاب العلم، مکتبہ امدادیہ، ملتان

(۳) عمل میں پختہ ہوں اور متعلمات میں بھی عملی پختگی پیدا کرنے کی فکر رکھتی ہوں معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدعات اور منکرات وفواحش سے خود بچنے اور دوسروں کو بچانے کا درد رکھتی ہوں بالخصوص منکرات جو عام معاشرہ میں داخل ہو گئے ہیں جیسے بے پردگی، تصویر، ٹی وی، غیبت وغیرہ۔

(۴) نصاب تعلیم اور طریق تعلیم کا مقصد ومحور یہی ہو جو اوپر بیان کیا گیا، یعنی روزمرہ کی زندگی سے متعلقہ احکامِ شریعت کے علم اور اس کے مطابق عمل میں پختگی پیدا کرنا بالفاظ دیگر فکر آخرت پیدا کرنا، اصطلاحی عالمات اور فاضلات بنانے والا نصاب واجب الترک ہے اور ایسے القاب حاصل کرنے کی ہوس واجب الاصلاح۔

(۵) مدرسہ میں کوئی محرم چھوڑ کر آئے اور واپسی پر بھی کوئی محرم مرد ساتھ لائے موجودہ جامعۃ البنات میں شرائط مذکورہ مفقود ہیں۔ علاوہ ازیں ان جامعات کی تعلیم میں مندرجہ ذیل فسادات بھی ہیں:

(۱) جامعات تک آمد و رفت کے لئے گھر سے روزانہ خروج و دخول اور جامعہ میں دخول وخروج کے اوقات اور آمد ورفت کا راستہ متعین ہونے کی وجہ سے بدمعاش لوگ تعاقب کرتے ہیں اور اگر کوئی گاڑی متعین ہو تو ڈرائیور شرارت کرتا ہے۔ یہ صرف خطرات ہی نہیں واقعات ہیں۔

(۲) گھر سنبھالنے کی صلاحیت سے محرومی۔

(۳) گھریلو کام کاج کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا۔

(۴) گھریلو کاموں کے لئے ملازمہ رکھتی ہیں جو فاسقات ہوتی ہیں اور، دین، جان و عزت اور مال کے لئے مہلکات ثابت ہو رہی ہیں۔

(۵) گھروں میں فارغ پڑی رہنے سے نفسانی وشیطانی خطرات کے علاوہ جسمانی ورزش نہ ہونے کی وجہ سے قلب وقالب دونوں کی صحت برباد۔

(۶) جامعات سے فارغ ہونے والی عالمات وفاضلات میں مرض عجب وکبر

(۷) قرآن وحدیث سے براہ راست تخریج مسائل کا شوق رکھتی ہیں جو دین کی تباہی اور شیوع الحاد کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ کتب فقہ سے بھی کسی غیر مفتی کے

لئے مسائل نکالنا جائز نہیں۔

(۸) ان عالمات و فاضلات کو علماء وفضلاء کے رشتے نہیں ملتے تو جہلاء بلکہ فساق و فجار اور بے دین ملحدین مبتدعین سے بھی شادی کرلیتی ہیں جس میں علم دین کی سخت توہین ہے جو درحقیقت دین کی توہین ہے۔

حالات مذکورہ کے پیش نظر ان جامعات کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ کرنا علماء پر فرض ہے بہتر اور بے ضرر طریقہ صرف یہ ہے کہ بچیوں کو اپنے گھروں ہی میں رکھ کر مقصد مذکورہ تک پہنچانے کی کوشش کی جائے جس کے لئے مندرجہ ذیل امور اربعہ کا اہتمام کافی ہے۔

(۱) تجوید قرآن۔

(۲) بہشتی زیور کی تعلیم۔

(۳) کسی شیخ کامل کے مواعظ کی خواندگی۔

(۴) گھر سنبھالنے کی صلاحیت اور گھر کا کام خود کرنے کا سلیقہ پیدا کرنا اور اس کی عادت ڈالنا۔

امور مذکورہ کی پابندی پر کچھ محنت تو کرنا پڑے گی مگر فکر آخرت ہو تو اتنی سی محنت کچھ بھی نہیں، تحصیل دنیا کے لئے اس سے ہزاروں درجہ زیادہ محنتیں اور مشقتیں برداشت کی جارہی ہیں۔

نامحرم مرد سے پڑھنا بوجہ ذیل ناجائز ہے۔

(۱) روزانہ نامحرم کی صحبت میں بیٹھنا۔

(۲) زیادہ دیر تک بیٹھے رہنا۔

(۳) اشکالات علمیہ حل کرنے اور فہم وتفہیم کے لئے استاد طالبات کے درمیان بار بار مراجعہ۔

(۴) قرب مکانی مجلس وعظ کی بنسبت زیادہ ہوتا ہے۔

(۵) طالبات معدودات ہوتی ہیں اور استاد کی نظر میں مشخصات اور معہودات، مجلس وعظ میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔

(۶) معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ استاد رجسٹر میں حاضری لگانے کے لئے ہر

طالبہ کا نام پکارتا ہے اور وہ جواب دیتی ہے اس سے جانبین کے درمیان خصوصی معرفت اور مزید تعلق پیدا ہوتا ہے۔ (احسن الفتاوی جلد ۸ ص ۹۵ باب الحضر والاباحۃ)

نیز حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی مدظلہ (استاد حدیث و رئیس دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ خٹک پاکستان) اپنی تالیف "کشف الغطاء عن تبلیغ النساء" میں رقمطراز ہیں "عورتوں کے لئے تحصیل علم کے لئے گھر سے باہر نکلنا ناجائز وحرام ہے۔"

طوالت کے خوف سے موصوف کی پوری تحریر نقل نہیں کر رہا ہوں تفصیل کے لئے کتاب مذکور کا مطالعہ فرمایا جائے۔

مذکورہ بالا اقتباسات و اقوال اور فتاوی کے پیش نظر مروجہ مدارس نسواں کے کھولنے کا ارادہ ترک کر دینا چاہئے اور جو کھل گئے ہیں ان کی اسلاف واکابر کے اقوال و ارشادات کے مطابق اصلاح کرنی چاہئے اور اسلاف واکابر جو خطوط و نقوش ہمارے لئے اس سلسلے میں بنا گئے ہیں انہیں پر کاربند رہنا چاہئے۔

جیسا کہ علامہ منذری نے "ترغیب وترہیب" میں ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ "البرکۃ مع اکابر کم" (۱)

یعنی خیر و برکت اکابر کے نقش قدم پر چلنے میں ہے اس لئے اکابر کے ارشادات کے مطابق لڑکیوں کو گھر ہی میں رکھ کر تعلیم دینا چاہئے اسی میں خیر وعافیت ہے۔

جیسا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

عورتوں کو علم دین گھر پر ہی پڑھنا چاہئے

جس کی روح دو امر ہیں ایک یہ کہ ان کو صرف علم دین پڑھایا جائے دوسرے یہ کہ تعلیم خاص طرز سے متفرق طور پر گھر میں ہونا چاہئے مدارس کے طرز پر مجتمع طور پر نہ ہونا چاہئے کہ شریعت نے بلا ضرورت شدیدہ ان کے اجتماع و "خروج عن البیوب" (گھر سے نکلنے) کو پسند نہیں کیا اور واقعات نے بھی اس کے مفاسد ایسے دکھلا دیئے کہ بجز متعامی (خود اندھا بننے والا) کے اعمیٰ (اندھے) نے بھی ان کو دیکھ لیا اور راز اس میں یہ ہے کہ اس

(۱) الترغیب والترہیب، ص ۱۱۳، ج ۱، مجمع الزوائد، ص ۱۵، ج ۸، مستدرک حاکم، ص ۶۲، ج ۱، تاریخ بغداد، ص ۱۶۵، ج ۱۱، و دیگر کتب احادیث میں یہ روایت منقول ہے۔

اجتماع کو جس درجے کی نگرانی کی ضرورت ہے وہ عورتوں سے بن نہیں پڑتا کہ وہ خود مستور ہیں (پردے میں رہنے والی ہیں) اور مردوں کے دخل میں وہ نگرانی بھی کہاں رہی اس نگرانی کا حاصل یہی اختلاط بالرجال (مردوں سے میل جول رکھنا) تو تھا ہی نگرانی تو کم اور خروج عن البیب کے بعد مواقع فساد میں وسعت ہوگئی دوسرے اگر معلمہ شریف ومتدین و شفیق وذی اثر وباوجاہت وبارعب ہو تو اس کا نوکر رکھنے کے لئے میسر ہونا قریب محال ہے اور جو نوکر رکھنے کے لئے مل سکتی ہے۔ وہ ان اوصاف سے معریٰ (خالی) جس کی صحبت مردوں سے زیادہ خطرناک ہے۔ (۱)

علاوہ ازیں بہشتی زیور ص ۹۱۔ پر حضرت تھانویؒ طریقۂ تعلیم یوں تحریر فرماتے ہیں اور یہ طریقہ زیادہ احوط واہون ہے۔ فرمایا

طریقۂ تعلیم

''اسلم طریق لڑکیوں کے لئے یہی ہے جو زمانہ دراز سے چلا آتا ہے (اور اسی طریقۂ تعلیم سے بڑی بڑی عالمہ اور حافظہ پیدا ہوئیں) کہ دو دو چار چار لڑکیاں اپنے تعلقات کے مواقع میں آویں اور پڑھیں اور حتی الامکان اگر ایسی استانی مل جائے جو تنخواہ نہ لے تو تجربہ سے یہ تعلیم زیادہ بابرکت وبااثر ثابت ہوئی ہے اور بدرجہ مجبوری اس کا بھی مضائقہ نہیں اور جہاں کوئی ایسی استانی نہ ملے تو اپنے گھر کے مرد پڑھا دیا کریں پڑھانے کا تو یہ طرز ہو۔

نصاب تعلیم

اور نصاب تعلیم یہ ہو کہ اول قرآن مجید حتی الامکان صحیح پڑھایا جاوے پھر کتب دینیہ سہل زبان کی جن میں تمام اجزائے دین کی مکمل تعلیم ہو (میرے نزدیک اس وقت بہشتی زیور کے دسوں حصے ضرورت کے لئے کافی ہیں) (۲) اور اگر گھر کا مرد تعلیم دے تو جو مسائل شرمناک ہوں ان کو چھوڑ دے اور اپنی بیوی کے ذریعہ سمجھا دے اور اگر یہ انتظام بھی نہ ہو سکے تو ان پر نشان کر دے تاکہ ان کو یہ مقامات محفوظ رہیں پھر وہ سیانی ہو کر خود سمجھ لیں گی یا

(۱) اصلاح انقلاب امت، ص ۳۸

(۲) کچھ دینی اصلاحی کتابوں کے نام تحفۂ خواتین ص ۴۹۵ پر مذکور ہیں ان کے علاوہ جو جس وقت جہاں حالات کے پیش نظر مناسب سمجھیں متدین علماء دین سے صلاح ومشورہ کر کے تجویز کر لیا جائے۔

اگر عالم شوہر میسر ہو اس سے پوچھ لیں گی یا شوہر کے ذریعہ کسی عالم سے تحقیق کرالیں گی چنانچہ بندہ نے اختری بہشتی زیور کے دستور العمل میں جو دیباچہ کے صفحہ ۳ کے حاشیہ پر شروع ہوا ہے اس کا خلاصہ لکھ دیا ہے مگر بعضے لوگ اس کو دیکھتے نہیں اور اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ اگر کوئی مرد پڑھانے لگے تو ایسے مسائل کس طرح پڑھاوے اس لئے ان کا لکھنا ہی کتاب میں مناسب نہ تھا۔ کیسی کچی سمجھ ہے اختری بہشتی زیور کے دسویں حصہ کے ص ۴۹ پر مفید رسالوں کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے جن کا پڑھنا اور مطالعہ عورتوں کو مفید ہے اگر سب نہ پڑھیں تو ضروری مقدار پڑھ کر باقیوں کو مطالعہ میں ہمیشہ رکھیں اور تعلیم کے ساتھ ان کے عمل کی بھی نگرانی رکھیں اور اس کا بھی انتظام کریں کہ ان کو تدریس کا شوق ہو تا کہ عمر بھر علمی شغل رہے تو اس سے علم و عمل کی تجدید و تحریص ہوتی رہتی ہے اور اس کی بھی ترغیب دیں کہ مطالعہ کتب مفیدہ سے کبھی غافل نہ رہیں اور ضروری نصاب کے بعد اگر طبیعت میں قابلیت دیکھیں تو عربی کی طرف متوجہ کریں تا کہ قرآن و حدیث وفقہ اصلی زبان میں سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور قرآن کا خالی ترجمہ جو بعض لڑکیاں پڑھتی ہیں میرے خیال میں سمجھنے میں زیادہ غلطی کرتی ہیں اس لئے اکثر کے لئے مناسب نہیں۔

نیز فرمایا:

عورتوں کے نصاب میں چند رسالے ایسے ہونے چاہئے جن میں عقائد ضروریہ ہوں دینیات کے مسائل طہارت نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور نکاح وطلاق اور بیع وشراء وغیرہ کے ضروری احکام ہوں اور کچھ قیامت کے واقعات ہوں مختصر میں نیک بیبیوں کی تاریخ اور کچھ سلیقہ کی باتیں سینے پرونے وغیرہ جو خانہ داری کیلئے ضروری ہیں کچھ بیماریاں اور ان کے علاج کا بھی بیان ہونا چاہئے کہ بال بچے والے گھر میں اس کی بھی ضرورت ہے۔

یہ ہے نصاب کامل جس کی تعلیم نسواں کے لئے ضرورت ہے۔

(حقوق وفرائض: ص ۳۴۹ مکتبہ اشرفیہ ۲۶ محمد علی روڈ بمبئی ۳۷)

نیز فرمایا:

عورتیں اکثر کم فہم اور کج فہم ہوتی ہیں یا تو کتاب کا مطلب سمجھیں گی نہیں یا کچھ کا کچھ سمجھ لیں گی اس لئے اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے گھر کا کوئی مرد سب کو اکٹھا

کر کے وہ کتاب پڑھایا کرے اگر وہ نہ پڑھ سکتی ہوں تو ان کو سنایا کرے مگر تعلیم کی غرض وغایت پر نظر رہے صرف ورق گردانی نہ ہو۔ (الخ) (۱)

عورت کی تعلیم کتنی ہو

عورت کی تعلیم کتنی ہونی چاہئے اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں۔

میں نے امریکن ڈاکٹر کا قول دیکھا ہے کہ عورت کو زیادہ تعلیم دینے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو بہت کمزور ہوتی ہے۔ (جو جلد مرجاتی ہے) تو قدرتی طور پر عورتوں کے قویٰ دماغیہ زیادہ تعلیم کے متحمل نہیں ہیں۔

(حقوق الزوجین ص ۵۰۔ ناشر مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ بمبئی ۳۔

لکھنا کب سکھلائیے

لڑکیوں کو لکھنا سکھانے سے متعلق ایک تحریر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی نظر سے گذری جو آپ نے والیٔ افغانستان کو ان کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمائی تھی۔

فرمایا: یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ لڑکیوں کو لکھنا بھی سکھلایا جائے یا نہیں؟ تو میرے علم میں ایک حدیث تو ایسی ہے جس سے اسکا جواز معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کو لکھنے کی تعلیم دی جا سکتی ہے، دوسری حدیث سے مخالفت مفہوم ہوتی ہے محققین نے ان دونوں حدیثوں کو مختلف حالات پر محمول کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکیوں کو لکھنا مت سکھاؤ، البتہ سورۂ نور ضرور پڑھاؤ جسے پڑھ کر ان کے دل و دماغ میں عصمت وعفت کی اہمت قائم ہوگی اور پردہ کا وہ اہتمام کریں گی، یہ حدیث حاکم نے مستدرک کی کتاب التفسیر میں ذکر کی ہے اور خود اس کے صحیح ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ مگر حاکم تصحیح میں چنداں قوی نہیں اس لئے عرض کردوں کہ بیہقی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور ابن حجر مکی نے اسے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے ثقہ محدثین کی اس تصحیح سے میں یہ سمجھا کہ عبدالوہاب ابن ضحاک جو اس حدیث کی سند میں ہیں وہ نیشاپوری ہیں ناقدین نے حدیث میں ان کی ثقافت کا اعلان کیا ہے، ایک اور عبدالوہاب ابن ضحاک سلمی ہیں وہ محدثین کے

(۱) دعوت عبدیت منازل الھوای ص ۸۸ بحوالہ عورتوں کی تعلیم کے مسائل اور اس کا حل ص ۳۲ مفتی زید مظاہری ندوی)

یہاں معتبر نہیں ہیں تو جن محدثین کو اس حدیث کی صحت میں تردد ہوا وہ وہی ہیں جو دونوں عبدالوہاب میں فرق نہیں کرسکے یہ بڑا کارآمد نکتہ ہے اسے ملحوظ رکھئے اور جس حدیث میں عورتوں کے لئے تعلیم کتابت کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ ابوداؤد کی کتاب الطب میں ہے راویہ شفا بنت عبداللہ ہیں وہ کہتی ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ حفصہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اتنے میں آنحضور ﷺ تشریف لے آئے مجھ سے فرمایا کہ "تم نے حفصہ کو لکھنا تو سکھا دیا لیکن وہ جھاڑ و پھونک کیوں نہیں سکھاتیں جو ایک خاص بیماری کا تم جانتی ہو" یہ حدیث ناطق ہے کہ تحریر کی تعلیم دی جاسکتی ہے اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ دونوں حدیثیں اختلاف احوال پر محمول کی گئی ہیں اس لئے اگر فتنوں کے تحفظ کے امکانات ہیں تو تعلیم کتابت کا جواز ہے اور اگر فتنوں کے ابلنے کا ہلکا سا بھی اندیشہ ہے تو لکھنا سکھانا ممنوع ہوگا۔

(ماہنامہ النور جون ۱۹۹۲ء ۱۸۔۱۹ قسط دوم، قسط اول دستیاب نہ ہوسکی)

یہ تھی لڑکیوں کو کتابت سکھانے سے متعلق حضرت علامہ کشمیریؒ کی تحقیقی تحریر اس کے بعد حضرت حکیم الامت کی حکیمانہ تحریر بھی پڑھ لیجئے فرماتے ہیں:۔

رہا لکھنا تو اگر قرائن سے طبیعت میں بے باکی معلوم نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ضرورت خانگی کے لئے اس کی بھی حاجت ہوتی ہے اور اگر اندیشہ خرابی کا ہو تو مفاسد سے بچنا جلب مصالح غیر واجبہ سے اہم ہے ایسی حالت میں لکھنا نہ سکھائیں اور نہ خود لکھنے دیں اور یہی فیصلہ کیا ہے عقلاء نے اس اختلاف کا کہ لکھنا عورت کے لئے کیسا ہے۔ (۱)

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے احسن الفتاوی ج ۸ ص ۳۴ ملاحظہ فرمائیں۔

حرف آخر

یہ قابلِ عمل خطوط و نقوش جو اسلاف و اکابرؒ ہمارے لئے متعین فرما گئے انھیں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے اسکے علاوہ حضرت حکیم الامتؒ کے طرز و طریق پر جیسا کہ حضرت نے لڑکیوں کا غیر اقامتی مدرسہ قائم کیا تھا، ہر محلہ، ہر قریہ اور ہر بستی میں چھوٹے چھوٹے مکاتب دینیہ قائم کئے جائیں تاکہ چھوٹی بچیاں روزانہ آئیں اور پڑھ کر گھر چلی جائیں نیز متدین علماء دین سے مشورہ کر کے اگر دوسرا کوئی احسن طریقہ ہو تو اسے بھی اپنائیں بشرطیکہ فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت مطہرہ پر عمل کرنے اور صحیح طریقہ و پاک جذبہ سے دین و ملت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بحرمت سید الابرار محمد النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

العبد

محمد نعیم مظاہری بن عبد الحق

ساکن چندوہاں، ڈاکخانہ عمری، ضلع الہ آباد (یوپی)

۲۹ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

تعلیم نسواں سے کیا مراد ہے؟

''تعلیم نسواں سے میری مراد یہ ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کی بہو، بیٹیاں عالم، فاضل اور مفتی کی ڈگریاں حاصل کریں بی۔اے، ایم۔اے پاس کر کے گھر کے لئے مصیبت کا باعث ہوں بلکہ تعلیم نسواں سے میری مراد یہ ہے کہ بچی اتنی تعلیم حاصل کر لے کہ اپنے گھر کی اچھی منتظمہ بن سکے۔ماں، باپ، ساس، خسر، بہن، بھائی اور شوہر کے دکھ درد میں شریک ہو سکے۔آمدنی اور خرچ پر اسکی نگاہ ہو۔فضول رسموں کی دشمن ہو، اپنے بچوں کی تعلیم کی نگرانی کر سکے، انہیں سبق یاد کرا سکے، قرآن شریف کو ترجمے کے ساتھ پڑھ سکے، اردو حدیثوں کو سمجھ سکے، گھر کا حساب وکتاب لکھ سکے، خط لکھنے اور پڑھنے میں دوسروں کی محتاج نہ ہو، بچوں کو چوٹ لگ جائے تو مرہم پٹی کر سکے، بیماروں کی تیمارداری عقل سے کر سکے، اپنے بچوں کو اخلاقی تعلیم وتربیت اس طرح دے سکے کہ وہ جوان ہو کر اپنی قوم کے لئے باعث فخر ہوں۔''

(عربی مدارس اور نظام چندہ، ص ۳۰۔ از مولانا محمد اسلم قاسمی)

چند اوراق کتب اور بزرگوں کے خطوط

"مدارس نسواں" کے طبع ہونے کے بعد ہند بیرون ہند کے رسالوں میں اس پر ما ٔثرات وتبصرے شائع ہوئے تھے جن میں سے دو رسالوں کے تبصرے مجھے موصول ہوئے ان کے علاوہ ماہنامہ اذان بلال آگرہ اور ایک رسالہ دہلی سے غالباً اردو بک ریویو کے نام سے شائع ہوتا ہے، اس میں بھی دوسرے ایڈیشن پر تبصرہ طبع ہوا تھا مگر مجھے دستیاب نہ ہوسکا، مذکورہ عنوان کے تحت ہم مدارس نسواں پر شائع شدہ تبصروں کو من وعن نقل کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب الحسینی امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے اپنی تصنیف لطیف علماء مظاہر علوم اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات کے جلد ۵ ص ۲۹۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"مروجہ مدارس نسواں شریعت کی روشنی میں -- اس کتاب میں عصر حاضر میں مدارس نسواں کے مضر اثرات پر گفتگو کی گئی ہے...."

نیز اسی کتاب کے ص ۳۲۱ پر راقم الحروف کے زیر ادارت شائع ہونے والے مجلہ المفتاح کا تعارف کرتے ہوئے احقر سے متعلق تحریر فرمایا"...

مولانا مفتی محمد نعیم صاحب الہ آباد مظاہری استاذ جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد مدیر تحریر ہونے کی حیثیت سے اس بزم صحافت میں شامل ہیں چنانچہ موصوف کے قلم سے متعدد مضامین کے علاوہ ہر ماہ اداریہ بھی مختلف عنوانات اور متنوع مضامین پر شامل ماہنامہ ہوتا ہے"۔

نام کتاب مروجہ مدارس نسواں شریعت کی روشنی میں

مؤلف مفتی محمد نعیم صاحب مظاہری الہ آبادی

کتابت وطباعت، عمدہ، قیمت، درج نہیں، صفحات، ۷۲،

ناشر ادارہ اشاعت الاسلام مانچسٹر (برطانیہ)

کتاب دیوبند وسہارنپور کے سبھی کتب خانوں پر دستیاب ہے:

زیر تبصرہ کتاب "مروجہ مدارس نسواں شریعت کی روشنی میں" فاضل مولف نے عورتوں کی تعلیم وتربیت کو موضوع بناتے ہوئے عصر حاضر میں رائج مدارس نسواں کے

مضر اثرات پر بحث کی ہے اور بزرگان ملت کے فرمودات و اثرات اور ان کے واقعات وفتاویٰ کی روشنی میں مدلل بحث کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ عصر جدید میں عورتوں کی تعلیم وتربیت کا یہ انداز غیر شرعی بھی ہے اور غیر مفید بھی اسکا نقصان اسکے نفع سے بڑھ کر ہے۔

اسلاف نے تعلیم نسواں پر پوری توجہ دی ہے اور اسلام کی تاریخ؛ میں ایک سے ایک مایۂ ناز عالمہ فاضلہ محدثہ مؤرخہ اور شاعرہ پیدا ہوئی ہیں۔ مگر پوری اسلامی تاریخ اس قسم کے مدارس ومراکز کے قیام کی نفی کرتی ہے۔ بلکہ مروجہ درس گاہیں مغربی تہذیب کا چربہ ہیں مولف کتاب نے صرف مدارس نسواں پر تنقید ہی نہیں کی ہے بلکہ مروجہ مدارس کے نظام اور طریقہ تعلیم کی قباحت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس کی طرف بھی توجہ دلاتی ہے کہ اسلام جس طرح مردوں کو زیور علم سے آراستہ کرنے کی طرف توجہ دیتا ہے۔ اسی طرح عورتوں کو بھی اس کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن عورتوں کی تعلیم وتربیت کس انداز سے ہونی چاہئے اور یہی وہ بنیادی چیز ہے جس پر اسلامی نقطۂ نظر سے سوچنے اور کوئی مفید ومؤثر طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ایک تعلیم یافتہ صالح اسلامی معاشرہ وجود میں آئے اکابرین امت کے فرمودات کی روشنی میں مصنف نے کچھ طریقے پیش کئے ہیں۔

یہ کتاب ہے تو ایک فاضل نوجوان کی لکھی ہوئی مگر انھوں نے موضوع کی نزاکت کا پورا پورا لحاظ کیا ہے اور اسکو مستند ومفید بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اگر عدل وانصاف کا دامن ہاتھ میں رہے تو انشاء اللہ یہ کتاب تعلیم نسواں کے شیدائیوں، داعیوں، حمایتیوں کو ایک سلجھی راہ دکھانے میں بے حد کارآمد ثابت ہوگی۔

(ماہنامہ ضیاء الاسلام جلد ۱۱ اگست ۲۰۰۳ء شمارہ ۲)

تبصرہ نگار: مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

رسالہ کا نام: مروجہ مدارس نسواں شریعت کی روشنی میں:
مولفہ: مفتی محمد نعیم مظاہری الہ آبادی
تبصرہ: ماہنامہ ریاض الجنۃ، ص ۴۴
ناشر: ادارہ اشاعت الاسلام برطانیہ،
صفحات: ۷۲
تبصرہ نگار: مولانا اشتیاق احمد صاحب قاسمی

اپنے مقصد کے لحاظ سے ایک مفید رسالہ کہے جانے کا مستحق ہے اور قابل قدر کوشش ہے، اس کے مضامین سے اختلاف وہی کرسکتا ہے، جسکو تعلیم وتعلم کے عنوان سے دی جانے والی فریب کاریوں کا علم نہ ہو کچھ ایسے مدارس نسواں کا علم ہمیں بھی ہے جہاں دارالاقامہ کے تحت تعلیم وتربیت کا انتظام ہے وہاں سے کچھ ایسی اطلاعات ہیں جو مایوس کن بھی ہیں اور شرمناک بھی، یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ جو حضرات تعلیم نسواں کے لئے انتہائی سرگرم ہیں وہی بچوں کو دینی تعلیم دلانے کے سلسلے میں بالکل ہی بے فکر نظر آتے ہیں اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات بہت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ جو لوگ بھی بچیوں کو تعلیم دلاتے ہیں ان میں بیشتر تعداد ان حضرات کی ہوتی ہے جو دینی ضرورت سمجھ کر نہیں بلکہ کسی مجبوری کیوجہ سے تعلیم دلاتے ہیں۔ منجملہ مجبوریوں کے ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ ایسی بچی جو گھریلو امور میں انتہائی سلیقہ مند نیک سیرت اور اس کے پاس بقدر ضرورت علم دین بھی ہو لیکن اس کے ہاتھ میں بھاری بھرکم ڈگری اور پشت پر بیش قیمت سامانوں کا جہیز نہ ہو تو ایسی لڑکی کو ہمارا مسلم نوجوان معاشرہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اگرچہ خود پرائمری درجہ دوم فیل کیوں نہ ہو کیونکہ اسے معلوم ہی نہیں کہ عورت کے انتخاب کے سلسلہ میں ہمارے آقا ﷺ نے کن کن چیزوں کو باعث ترجیح قرار دیا ہے اور معلوم بھی ہو تو کیونکر ہو یہ بات بھی ناقابل انکار ہے کہ اس بدلے ہوئے زمانہ میں تعلیم کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسا عملی متبادل پیش کیا جائے جس سے ہر خاص وعام کے لئے یکساں طور پر مستفید ہو اور جو لوگ اس مسئلہ کے تعلق سے مبتلاء کشمکش ہیں، سمت سفر متعین کرنا آسان ہو، تجربات شاہد ہیں کہ صرف تحریری طور سے حلت وحرمت بیان کردینا اور مفاسد کی نشاندہی کردینا کافی نہیں بلکہ کسی بھی فتنہ کو روکنے کے لئے عملی جد وجہد ناگزیر ہے۔

(ریاض الجنۃ اگست ۲۰۰۱ء)

خطوط

حضرت مولانا رشید احمد صاحب میواتی علاقہ میوات کی ایک اہم شخصیت ہے، موصوف راقم سے بہت محبت فرماتے تھے اور اورگاہِ بگاہِ اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازتے رہتے تھے، راقم کی کتاب مدارس نسواں کے بہت مداح تھے خود موصوف نے بھی مدارس نسواں سے متعلق ایک مضمون لکھا تھا مگر طبع نہیں ہوسکا میری کتاب دیکھنے کے بعد وہ مسودہ راقم کے حوالے کردیا کہ اس میں سے اپنے مفید مطلب چیزیں لے کر اگلے ایڈیشن میں شامل کرلو، مگر چونکہ حضرت مفتی صاحب نے جن باتوں کو لکھا تھا ان میں اکثر و بیشتر باتیں راقم کی کتاب میں آچکی تھیں پھر بھی کچھ باتیں موصوف کے مسودہ سے لی ہیں جس کے ہم شکرگذار ہیں حضرت مفتی صاحب کے خطوط تو بہت آتے تھے مگر اکثر مفتاح الخیر سے متعلق ہوا کرتے تھے ذیل میں ہم کچھ اقتباسات ان کے خطوط سے نقل کر رہے ہیں۔

اسی طرح ضلع مظفرنگر کے قصبہ جانسٹھ کی ایک معتبر شخصیت حضرت مولانا نذیر احمد صاحب قاسمی کی بھی ایک تحریر راقم کے پاس موجود ہے اس میں سے بھی ایک پیراگراف پیش خدمت ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم
مہتمم مدرسہ عبدیہ قصبہ پھتھین میوات

مکرم بندہ جناب مفتی محمد نعیم صاحب زید شرفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی بعد سلام مسنون عرض ہے کہ آپ کا گرامی نامہ بعد از انتظار مدید و شدید جو شکایت تک پہونچ گیا تھا مورخہ ۱۹ اگست ۲۰۰۳ء کو موصول ہو کر کاشف احوال ہوا میری باتوں سے آپ کی حوصلہ افزائی ہوئی اس سے کافی مسرت ہوئی اور آئندہ بھی اس قسم کے مشاورت کے لئے حوصلہ ہوا دریافت طلب امور کے بارے میں عرض ہے کی بندہ نے مدارس بنات کے سلسلہ میں جو مضمون کی فوٹو کاپی بھیجی ہے۔

اس میں سے انتخاب کرلیا جائے اور اپنی کتاب کے اگلے ایڈیشن میں ان کو مناسب ترتیب سے شامل کرلیا جائے اور اگر کہیں کوئی نقطہ نہ پڑا جاسکے تو کتابوں کے حوالے لکھے ہیں اور یہ کتابیں مل جاتی ہیں نایاب نہیں ہیں، ان سے مراجعت کرلی جائے۔ رشید احمد غفرلہ

۲۱ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰ اگست ۲۰۰۳ء

دوسرا مکتوب جو مفتی صاحب نے ۱۴ جمادی الاول ۱۴۲۴ کو تحریر فرمایا تھا اس میں بعد سلام مسنون اور دیگر احوال کے مدارس نسواں کے سلسلہ میں تحریر فرمایا:

...مدارس بنات کے سلسلے میں ایک سوال و جواب کی صورت میں کچھ لکھا تھا کچھ حوالہ جات اکابرؒ کی تالیفات اور فقہاء کرام کی تصریحات سے جمع کئے تھے مستقل کتاب کی شکل نہ دی جاسکی وہ من وعن ارسالِ خدمت ہے آپ اپنے رسالہ کے دوسرے ایڈیشن میں مناسب ترتیب سے ان حوالہ جات کو اصل مراجع سے ملا کر شائع کریں تو بہت مناسب ہے یہ سلسلہ بڑھتا بھی جارہا ہے، اور اس کے مقابلے میں نکیر یا تو ہے نہیں اور ہے تو بڑے اداروں یا اکابر امت کی طرف سے نہیں ہے چلئے ہم سے اور آپ سے جتنا کچھ ہو سکے کیا جائے۔ انشاء اللہ العزیز یہ بھی نفع سے خالی نہیں ہے۔ قال الحواریون نحن انصار اللہ۔

بالخصوص ان مدارس بنات کے سلسلہ میں جو صورت مسئلہ ہے یعنی جو مفاسد پیش آئے ہوئے ہیں ان کو وضاحت کے ساتھ لکھنے کی ضرورت ہے ابھی حال میں ایک استفتاء افریقہ سے بندہ کے پاس آیا ہے کل ہی اسکا جواب بھیجا ہے اس میں لکھا ہے کہ مولوی اور مولویات اندر ساتھ ملکر والی بال تک کھیلتے ہیں بلا کسی حجاب کے اسی طرح سے اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں، (۱) حضرت تھانویؒ نے ان مدارس کے انتظام کے سلسلے میں، جن مفاسد کا تذکرہ فرمایا ہے ان کو بھی مستقل باب کے تحت لکھا جائے، مثلاً الافاضات الیومیہ جلد سوم ص ۹۸ پر ہے۔

''عورتیں نگراں ہوتی ہیں، ان کا تعلق غیر مردوں سے ہوتا ہے ان کے واسطے سے لڑکیوں کا بھی تعلق ہوتا ہے یہ بھی سخت خطرناک ہے''۔

حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہ اس قسم کے منکرات پر تفصیل کے ساتھ ہم خدام سے لکھوایا کرتے تھے نہایت اہتمام کے ساتھ روزانہ مسودات سماعت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن جانسٹھ، ضلع مظفر نگر (یوپی)

...میرا بھی کچھ ارادہ اپنے مدرسہ تعلیم القرآن جانسٹھ کے شعبہ طالبات میں بیرونی طالبات کے قیام گاہ کا ہوا تھا؛ مگر مختلف معلومات ومشاہدات وتجربات کے باعث اس ارادہ کو ترک کر کے صرف مقامی طالبات کی تعلیم پر ہی اکتفاء کرلیا گیا تھا جو اب تک جاری ہے چند سال قبل آپ کا رسالہ (مدارس نسواں) نظر سے گذرا تو مزید شرح صدر ہوا کہ واقعی دار الاقامہ کی شکل میں مدارس نسواں کا قیام کسی بھی طرح درست نہیں ہے، لڑکیوں کی تعلیم وتربیت اسی طریقہ پر ہونی چاہیے جسے اکابر نے اختیار کیا تھا۔...

نذیر احمد قاسمی

۶ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ

(۱) سزا دینے کی صورت یہ اختیار کی جاتی ہے کہ کان پکڑوا کر اٹھاتے بٹھاتے ہیں جس سے شہوت انگیز بے پردگی ہوتی ہے (ماخوذ از مضمون مفتی رشید احمد صاحب میواتی) نیز مساحقت (چپٹی بازی) کی بیماری بھی پائی جاتی ہے۔ نعیم

باب ہفتم

رسوم و بدعات

- مسلک اعلیٰ حضرت
  (یعنی بریلوی مکتبۂ فکر اپنے بانی اور ہمنوا و ہم مسلک علما کی نظر میں)
- عاشورۂ محرم اور ہم
- ماہ محرم الحرام اسلامی تاریخ کا آغاز
- ربیع الاول کا پیغام
- یہ امت خرافات میں کھوگئی
- رسومات شادی

کچھ اس مضمون کے بارے میں

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔اما بعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے یآایھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون، کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون○

(سورۃ: الصف آیت:۲)

یعنی اے ایمان والوں ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

حق تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان سے واضح ہوا کہ تم جو کچھ کہو اس پر خود بھی عمل کرو اگر خود عمل نہیں کرتے اور صرف کہتے ہی ہو تو یہ نص قرآنی کے سراسر خلاف ہے جو موجب عتاب ہے۔

نبی پاک ﷺ سے عشق اور اولیاء کرام ؒ سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے ارشادات وفرامین پر عمل پیرا ہوا جائے اگر ایسا نہیں تو یہ محض نبی پاک ﷺ سے عشق کا جھوٹا دعویٰ اور تعلیمات اسلام کے منافی عمل ہے صرف چند مخصوص چیزوں پر عمل کرکے اپنے آپ کو سنی، حنفی اور عاشق رسول کہنا دوسروں کو دھوکہ دینا اور اپنے کو دھوکے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت سے عشق محبت کا دعویٰ صرف مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد کا نعرہ لگانے سے کچھ حاصل نہیں، مسلک اعلیٰ حضرت زندہ ہوگا انکی تعلیمات پر عمل کرنے سے جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے خود وصایا شریف میں فرمایا کہ

”حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے“۔

اعلیٰ حضرت کی اس وصیت سے معلوم ہوا کہ انکی کتابوں سے جو دین و مذہب ظاہر ہے اس پر ہر بریلوی مسلک والے کو عمل پیرا ہونا نہایت اہم

اور ضروری ہے۔

ذیل کے مضمون میں اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو جو انکی کتابوں یا انکے ہم نوا و ہم مسلک علماء کی کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں پیش خدمت ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگانے والے انکی محبت کا دم بھرنے والے انکی تعلیمات پر کتنا عمل کرتے ہیں؟

ہمارے گاؤں (چندوہاں ڈاکخانہ عمری (سہسوں، الہ آباد) میں سارے لوگ مسلک بریلوی ہی سے تعلق رکھنے والے ہیں میرے برادر خورد کے گاؤں کے لڑکوں سے یارانہ و دوستانہ تعلقات ہیں اس کے ہم عمر لڑکے اسے مذاق مذاق میں چھیڑتے ہیں کہ تم لوگ فاتحہ کیوں نہیں دلاتے، نبی پاک ﷺ کے نام نامی اسم گرامی آنے پر انگوٹھا کیوں نہیں چومتے، تیجا و چالیسواں کیوں نہیں کراتے، عرس وغیرہ میں کیوں نہیں جاتے، وغیرہ وغیرہ۔ وہ مجھ سے سوالات کرتا اور میں اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے حوالہ دکھاتا اور ان رسوم و بدعات کی ممانعت خود اعلیٰ حضرت کی تصنیفات میں دکھاتا وہ تو خیر مان جاتا مگر اس کے ساتھی لوگ بحث و مباحثہ کا دروازہ وا رکھتے، اس کے بار بار کے سوالات نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کیوں نہ اعلیٰ حضرت کی ان تعلیمات کو یکجا کر کے شائع کر دیا جائے چنانچہ میں نے اعلیٰ حضرت کی مزید کتابیں تلاش کرنا شروع کیا اور ہر ایک بات کو بحوالہ نقل کر ڈالا اس مضمون میں ساری ہی باتیں بحوالہ لکھنے کا میں نے کافی اہتمام اور انتھک محنت کی ہے اور ہر بات بحوالہ لکھی ہے، اگرچہ مجھے اس میں کافی دقت برداشت کرنی پڑی تاہم اسے پورا کیا ہے اور صفحہ نمبر و ایڈیشن کے ساتھ ساتھ ہر کتاب کا تعارف بھی کرا دیا ہے نیز وہ کتاب اس وقت کہاں دستیاب ہے اس کی بھی نشاندہی کر دی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ان تعلیمات کو مسلک بریلوی والے کتنا مانتے ہیں ۔

ہم نے تو دل جلا کے سرِعام رکھ دیا
اب جس کا جی کرے گا وہی پائے روشنی

توحید تو یہ ہے

اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں نہ اسماء میں، واجب الوجود یعنی اس کا وجود ضروری ہے، عدم محال، قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے، ازلی کے بھی یہی معنی ہیں، باقی ہے یعنی ہمیشہ رہے گا اور اس کو ابدی بھی کہتے ہیں وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت و پرستش کی جائے وہ بے پرواہ ہے کسی کا محتاج نہیں اور تمام جہاں اس کا محتاج ہے۔ (بہار شریعت حصہ اول، ص ۳)[۱]

عبادت کی غایت

عبادت وہ غایت تعظیم ہے جو بندہ اپنی عبدیت اور معبود کی الوہیت کے اعتقاد و اعتراف کے ساتھ بجالائے۔ (حاشیہ ترجمہ قرآن مجید از مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی)[۲]

مزار کو بوسہ نہ دینا چاہیے

مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے۔ مزار کو بوسہ نہ دینا چاہیے۔ علماء اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور اسی میں ادب زیادہ ہے...... الخ (فتاویٰ رضویہ جلد ۴، ص ۸)[۳]

قبر پر لوبان اگر بتی جلانے سے بچنا چاہیے

قبر پر لوبان اگر بتی جلانے سے احتراض کرنا چاہیے، عود لوبان وغیرہ (مثلاً اگر بتی) کوئی چیز نفس قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز (بچنا) چاہیے اگرچہ کسی برتن میں، ...... اور قریب قبر

---

(۱) یہ کتاب مولانا امجد علی صاحب اعظمی کی تالیف لطیف ہے، جو مطبع اہل سنت والجماعت بریلی سے طبع ہوئی ہے، بہار شریعت اس کا تاریخی نام ہے جس سے تیرہ سو سینتیس کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ حصہ اول کل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، میرے پیش نظر اس وقت اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ایک ہزار نسخہ طبع ہوا، قیمت صرف ۴/ ہے یہ کتاب مدرسہ کنز العلوم ۷۰ بکسی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ میں موجود ہے ان شاء فلیراجع

(۲) ترجمہ قرآن مجید مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی، صفحہ ۸، زیر آیت یا ایہا الناس اعبدوا، سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۱، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور کراچی، سن طباعت درج نہیں ہے۔ یہ ترجمہ قرآن پاک بآسانی دستیاب ہے۔

(۳) العطایا نبویہ فی فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص ۲۲/ ۲۲ے مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی ۳ سن طباعت ۲۵ صفر المظفر ۱۴۱۵ھ ۳ اگست ۱۹۹۴ء یہ کتاب کل ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مشمولہ رسائل کی تعداد ۷ عدد ہیں یہ کتاب مدرسہ وصیۃ العلوم بخشی بازار الہ آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ان شاء فلیراجع

سلگانا اگر نہ کسی تالی (تلاوت کرنے والا) ذاکر یا زائر حاضر ہو خواہ عنقریب آنے والے کے واسطے ہو بلکہ یوں کہ صرف قبر کے لئے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ اسراف و اضاعت مال ہے، میت صالح اس غرفے (کھڑکی) کے سبب جو اس کی قبر میں جنت سے کھولا جاتا ہے اور بہشتی نسیمیں بہشتی پھولوں کی خوشبوئیں لاتی ہیں دنیا کے اگر لوبان سے غنی ہے اور معاذ اللہ جو دوسری حالت میں ہو (یعنی عذاب کی حالت سے) اسے اس سے انتفاع نہیں۔

(فتاویٰ افریقہ، ص ۷۰)[۱]

قبر پر چراغ رکھنا مطلقاً ممنوع ہے

قبر پر چراغ چلانے سے اگر اس کے معنی حقیقی مراد ہیں یعنی خاص قبر پر چراغ رکھنا تو مطلقاً ممنوع ہے، اور اولیاء کرام کے مزارات میں اور زیادہ ناجائز ہے کہ اس سے بے ادبی و گستاخی اور حق میت میں تصرف و دست اندازی ہے۔ الخ (ارشادات اعلیٰ حضرت ص ۳۸)[۲]

فرضی مزار:

''فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا معاملہ کرنا ناجائز و بدعت ہے اور خواب کی بات خلاف شرع امور میں مسموع نہیں ہو سکتی'' (فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۱۴۱)[۳]

جالی شریف کو بوسہ دینے کے متعلق اعلیٰ حضرت کا فیصلہ کن ارشاد:

خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو، کیوں کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔'' الخ[۱]

---

(۱) ارشادات اعلیٰ حضرت ص ۷۳ مرتبہ مولانا عبدالمبین نعمانی المجمع الاسلامی مبارکپور، ناشر اعجاز بکڈپو نمبر ۱۰۸، منشی نور لین (تکیہ پاڑہ) ہوڑہ۔ یہ کتاب تاج آفسٹ پریس الہ آباد سے سن ۱۹۷۹ء مطابق ۱۳۹۹ھ میں الہ آباد سے طبع ہوئی ہے، ملنے کے پتوں میں مبارکپور اعظم گڈھ، بنارس اور الہ آباد درج ہے یہ کتاب راقم کے پاس موجود ہے۔ ان شاء فلیراجع۔

(۲) ارشادات اعلیٰ حضرت ص ۳۶ مرتبہ مولانا عبدالمبین نعمانی المجمع الاسلامی مبارکپور، ناشر اعجاز بکڈپو نمبر ۱۰۸، منشی نور محمد لین (تکیہ پاڑہ) ہوڑہ سے طبع ہوئی ہے۔ سن ۱۹۷۹ء۔ ۱۳۹۹ھ میں تاج پریس الہ آباد سے طبع ہوئی ہے، قیمت فی جلد دو روپے پچاس پیسے ہیں بار اول میں ایک ہزار طبع ہوئی ہے یہ کتاب راقم کے پاس موجود ہے۔ ان شاء فلیراجع۔

(۳) العطایا النبویہ فی فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۲۲۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی نمبر ۳، سن طباعت ۲۵ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ، اگست ۱۹۹۴ء) یہ کتاب کل ۷۲۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مشمولہ رسائل کل ۷ عدد ہیں یہ کتاب مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت ہے:

روضۂ انور کا نہ طواف کرو نہ سجدہ نہ اتنا جھکو کہ رکوع کے برابر ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔ (حوالہ بالا ص ٢٤٧)

غیر کعبہ کا طواف ناجائز ہے:

"بلاشبہ غیر کعبہ معظمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر میں علماء کا اختلاف ہے اور احوط منع ہے خصوصاً مزار طیبہ اولیاء کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو یہی ادب ہے۔ پھر تقبیل (بوسہ دینا) کیونکر متصور ہے۔ الخ (احکام شریعت حصہ سوم، ص ٣)(٢)

سارے انبیاء بشر تھے:

"بہارِ شریعت میں ہے عقیدہ انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔" (بہارِ شریعت، ج ا ص ١٠ از مولانا امجد علی اعظمی) (٣)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بشر ہونے کا انکار کرنا کمالِ بے عقلی ہے:

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے فرمایا:

---

(١) العطایا نبویہ فی فتاوی رضویہ، ج ٣، ص ٢٢٧، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی نمبر ٣، سن طباعت ٢٥ صفر المظفر، ١٤١٣ھ، اگست ١٩٩٢ء) یہ کتاب کل ٣٢٧ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں مشمولہ رسائل کل ٢٧ عدد ہیں، یہ کتاب مدرسہ وصیۃ العلوم الٰہ آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(٢) اس کتاب کتب خانہ سمنانی مدرسہ عربی اسلامی اندرکوٹ میرٹھ نے اسرار کریمی پریس میں چھپوایا ہے باردوم ایک ہزار نسخے طبع ہوئے قیمت اور سن اشاعت درج نہیں یہ کتاب کل ٧٦ صفحات پر مشتمل ہے، آخری صفحہ پر مطبوعات کی فہرست ہے اس کتاب کا عکس راقم کے پاس موجود ہے۔

(٣) یہ کتاب مولانا امجد علی صاحب اعظمی کی تالیف لطیف ہے، جو مطبع اہل سنت والجماعت بریلی سے طبع ہوئی ہے، بہار شریعت اس کا تاریخی نام ہے جس سے تیرہ سو سینتیس کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ حصہ اول کل ٨٠ صفحات پر مشتمل ہے، میرے پیش نظر اس وقت اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ایک ہزار نسخہ طبع ہوا، قیمت صرف ٣/ ہے یہ کتاب مدرسہ کنزالعلوم ٦٠ بکسی کلاں دارا گنج الٰہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ میں موجود ہے۔ ان شاء فلیراجع

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا (پارہ ۲۸، سورۃ تغابن، رکوع ۱)

ترجمہ: تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے تو کافر ہوئے۔

فائدہ ۱۱: یعنی انھوں (کافروں) نے بشر کے رسول ہونے کا انکار کیا اور یہ کمال بے عقلی اور نافہمی ہے پھر بشر کا رسول ہونا تو نہ مانا پتھر کا خدا ہونا تسلیم کر لیا۔ (۱)

انا بشر مثلکم

مولانا احمد رضا خانصاحب نے فرمایا:

قل انما انا بشر مثلکم الخ (پارہ ۱۶، آخری رکوع سورہ کہف)

(۱) ترجمہ: تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں (تو) میں تم جیسا ہی ہوں مجھے وحی آتی ہے، کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ (کنزالایمان)

(۱) قل انما انا بشر مثلکم (پارہ ۲۴، سورہ حم سجدہ)

ترجمہ: تم فرماؤ آدمی ہونے میں میں تم جیسا ہوں (کنزالایمان) (۲)

نیز مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا:

فائدہ ۲۱۲: کہ مجھ پر بشری اعراض و امراض طاری ہوتے ہیں۔ (۳)

مفتی احمد یار خاں صاحب نے فرمایا:

انما انا بشر مثلکم لوگو (گھبراؤ نہیں) میں تم جیسا ہی بشر ہوں فرشتہ یا جن کی جنس سے نہیں ہوں۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین ایک ہی مٹی سے بنے ہیں

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) (ترجمہ قرآن کنزل الایمان، از مولانا احمد رضا خانصاحب، حاشیہ و تفسیر خزائن العرفان، ص ۸۰۷، پارہ ۲۸، سورہ تغابن، از مولانا نعیم الدین مراد آبادی صاحب، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور کراچی سن طباعت درج نہیں ہے)

(۲) یہ ترجمہ ہر جگہ دستیاب ہے خود راقم کے پاس بھی موجود ہے جس کا جی چاہے وہ آئے دیکھ لے۔

(۳) خزائن العرفان زیر آیت سورہ کہف قل انما انا بشر مثلکم الخ آیت ۱۱۰، ص ۴۳۱، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، کراچی سن طباعت درج نہیں راقم کے پاس موجود ہے جس کا جی چاہے وہ آئے دیکھ لے

ما من مولود في سرته من تربته التي منها حتى يدفن فيها وانا ابوبكر وعمر خلقنا من تربة واحد فيها تدفن۔

ترجمہ: ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا، یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے گا اور میں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابو بکر و عمر ایک ہی مٹی سے بنے ہیں، اسی میں دفن ہوں گے۔ (فتاویٰ افریقہ ص ۳۵) (۲)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود عنصری خاکی ہے:

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے فرمایا:

خاکی و بر اوج عرش منزل
امی و کتاب خانہ در دل (۳)

نبی سب مرد تھے

نبی وہ انسان ہیں جو خدا کی طرف سے دنیا میں ہدایت کے واسطے بھیجے گئے نبی سب مرد تھے کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ (۴)

عبدیت کا درجہ رسول ہونے کے درجہ سے بڑھا ہوا ہے:

اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

دین یہ ہے "اشهد ان محمداً عبدهٗ و رسولهٗ" "عبدهٗ" پہلے ہے اور رسولہ بعد کو

(۱) (رحمت خدا بوسیلۂ اولیاء قیمت ۵۰ روپیہ ملنے کا پتہ کتب خانہ اہل سنت ناظر باغ کانپور۔ پن کوڈ۔ ۲۰۸۰۰۱۔

(۲) ارشادات اعلیٰ حضرت ص ۳۵ مرتبہ مولانا عبدالمبین نعمانی المجمع الاسلامی مبارکپور، ناشر اعجاز بک ڈپو نمبر ۱۰۸، منشی نورلین (تکیہ پاڑہ) ہوڑہ۔ یہ کتاب تاج آفسٹ پریس الہ آباد سے سن ۱۹۷۹ء مطابق ۱۳۹۹ھ میں الہ آباد

(۳) (بر تفسیر سورۂ اعراف رکوع ۱۹، آیت ۱۵۷، ص ۲۴۶ کے حاشیہ ۲۹۷، پر مطبوعہ ترجمہ قرآن مجید از مولانا احمد رضا صاحب اور حاشیہ و تفسیر از مولانا نعیم الدین مراد آبادی، تاج کمپنی لاہور، کراچی سن طباعت درج نہیں ہے یہ تفسیر راقم کے پاس موجود ہے جس کا جی چاہے وہ آئے دیکھ لے)

(۴) ضروریات اسلام کا پہلا حصہ دربیان عقائد مصدقہ مولانا ابو العلام محمد امجد علی صاحب، ۵ جمادی الآخر ۱۳۰۴ھ خاص مطبع اعلیٰ حضرت طبع ہوا)

کہ عبد کے درجہ سے نہ بڑھا دینا۔ (الملفوظ ص ۷۳)[1]

فضلیت عبدیت:

جب سید عالم ﷺ شب معراج درجات عالیہ و مراتب رفیعہ پر فائز ہوئے تو رب عزوجل نے خطاب فرمایا: اے محمد یہ فضیلت و شرف میں نے تمہیں کیوں عطا فرمایا؟ حضور ﷺ نے عرض کیا، اس لئے کہ تو نے مجھے عبدیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا۔[2]

آپ ﷺ ایسے نور ہیں جیسا کہ اسلام اور قرآن نور ہے:

حضرت مفتی احمد یار خانصاحب نے فرمایا

حضور ﷺ کے نور ہونے کے نہ تو یہ معنی ہیں کہ (الف) حضور خدا کے نور کا ٹکڑا ہیں (ب) نہ یہ کی حضور ﷺ خدا کی طرح ازلی، ابدی، ذاتی نور ہیں۔ (ج) نہ یہ کی رب تعالیٰ حضور ﷺ میں سرایت کر گیا ہے تا کہ شرک و کفر لازم (نہ) آئے آپ ایسے نور ہیں جیسا کہ اسلام اور قرآن نور ہیں۔[3]

نور سے مراد قرآن مجید ہے:

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے فرمایا: "فآمنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا۔

ترجمہ: تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر جو ہم نے اتارا۔

(ترجمہ از مولانا احمد رضا خانصاحب بنام کنز الایمان سورۂ تغابن آیت ۸)

فائدہ ۱۴: نور سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ اس کی بدولت گمراہی کی تاریکیاں

---

(۱) الملفوظ (۱۳۳۸ھ) اس کتاب میں مولانا احمد رضا خانصاحب کے ملفوظات ہیں حصہ چہارم کے صفحہ ۷۳ پر یہ ملفوظ مرقوم ہے جو باہتمام مولوی محمد حسنین رضا خانصاحب حسنی پریس بریلی میں چھپ کر رضوی کتب خانہ رجسٹرڈ نمبر ۲۰۴۴ بہاری پور بریلی سے شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب کل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے سن اشاعت ۱۰، ۱۲، ۱۳۳۸ھ ہے بار اول ۱۰۰۰ جلد طبع ہوئی ہے قیمت درج نہیں ہے یہ کتاب مدرسہ کنز العلوم ۶۰ بلکی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ میں موجود ہے جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔

(۲) خزائن العرفان حاشیہ و مختصر تفسیر کنز الایمان (ترجمہ قرآن مولانا احمد رضا بریلوی) زیر آیت سبحان الذی اسریٰ (رکوع ۱، پ ۱۵، ص ۴۰۸، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، کراچی سن طباعت درج نہیں ہے

(۳) رسالہ نور مصنفہ مفتی احمد یار خانصاحب گجراتی المتوفی ۱۹۷۱ء، ص ۷، مطبوعہ مشہور آفسیٹ لیتھو پریس کراچی)

دور ہوتی ہیں اور ہر شی کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نورِ ہدایت ہیں:

(۱) قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین۔

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب (۲)

(پارہ ۶، سورہ مائدہ، رکوع ۳، ترجمہ از مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی)

فائدہ ۱۵: سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نور فرمایا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہِ حق واضح ہوئی۔

نورِ نبوت سے مراد نورِ ہدایت ہے:

(۲) وداعیا الی اللہ باذنہٖ و سراجاً منیرا

ترجمہ: اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا ہے اور چمکا دینے والا آفتاب ہے۔

(ترجمہ از مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی)

سراج کا ترجمہ آفتاب قرآن کریم کے بالکل مطابق ہے اس میں آفتاب کو سراج فرمایا گیا ہے جیسا کہ سورہ نوح میں "وجعل الشمس سراجا" اور آخری پارہ کی پہلی صورت میں ہے "وجعلنا سراج وھاجا" اور درحقیقت ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی آپ کے نورِ نبوت نے پہنچائی اور کفر و شرک کے ظلمات شدیدہ کو اپنے نورِ حقیقت افروز سے دور کر دیا اور خلق کے لئے معرفت و توحید الٰہی تک پہنچنے کی راہیں روشن اور واضح کر دیں اور ضلالت کے تاریک وادی میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے نورِ ہدایت سے راہ یاب فرمایا اور اپنے نورِ نبوت سے ضمائر و بصائر اور قلوب و ارواح کو منور کیا حقیقت میں آپ کا وجود مبارک ایسا آفتاب عالم تاب ہے جس نے ہزار ہا آفتاب بنا دیئے اسی لئے اس کی صفت میں منیر

---

(۱) تفسیر و حاشیہ بنام خزائن العرفان از مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی، آیت ۸، سورہ تغابن، پ ۲۸، ص ۸۰۷، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، کراچی سن طباعت درج نہیں ہے)

(۲) خزائن العرفان، از مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی، برحاشیہ مختصر تفسیر کنزالایمان، ترجمہ قرآن از مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی، ص ۱۶۰، آیت ۱۴، سورہ مائدہ مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور کراچی راقم کے پاس یہ کتاب موجود ہے۔

ارشاد فرمایا گیا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے:

اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

(۱) ہم اہل سنت والجماعت کا مسئلہ علم غیب میں یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علم غیب عنایت فرمایا، رب عزوجل فرماتا ہے "وھو علی الغیب بضنین" یہ نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں۔

تفسیر معالم و تفسیر خازن میں ہے......

یعنی حضور ﷺ کو علم غیب آتا ہے اور وہ تمہیں بھی تعلیم فرماتے ہیں۔ (ملفوظات مولانا احمد رضا خانصاحب، حصہ اول، ص ۳۹)

(۲)......میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرے کے کروڑویں حصہ کو کروڑ سمندر سے ہے۔۔۔ (ملفوظات حصہ اول، ص ۴۰) (۲)

تمام مخلوقات کے علوم علم الٰہی کے برابر نہیں ہو سکتا:

خالص الاعتقاد میں ہے:

"ہماری تقریر سے روشن و تاباں ہو گیا کہ تمام مخلوق کے جملہ علوم مل کر بھی علم الٰہی سے مساوی ہونے کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ گزرے اسی میں ہے

---

(۱) حاشیہ و تفسیر از مولانا نعیم الدین مراد آبادی بنام خزائن العرفان، ص ۶۱۴، سورۃ احزاب، آیت ۴۶، پ ۲۲، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، کراچی سن طباعت درج نہیں ہے یہ تفسیر و ترجمہ راقم کے پاس موجود ہے)

(۲) الملفوظ (۱۳۳۸ھ) یہ کتاب ملفوظات اعلیٰ حضرت کا مجموعہ ہے، جس کو مولوی محمد مصطفیٰ رضا خانصاحب نے مرتب کیا ہے اور جو باہتمام مولوی محمد حسنین رضا خانصاحب حسنی پریس بریلی محلہ سوداگران میں طبع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن ۵۰۰ عدد طبع ہوا قیمت فی جلد ۸/ رقم ہے یہ کتاب کل ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرے ایڈیشن کی سن طباعت لکھی نہیں ہے یہ کتاب مکمل طور پر مدرسہ کنز العلوم، ۷ بسکی کلاں، دارا گنج الہ آباد میں موجود ہے، جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔

قد قمنا الدلائل القاھرۃ علی ان احاطۃ علی المخلوق بجمیع المعلومات الالھیۃ محال قطعاً عملاً و سمعاً ہم قاہر دلیل قائم کر چکے ہیں کہ علم مخلوق کا جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہونا عقل و شرع دونوں کی رو سے یقینا محال ہے اس کی نظر ثالث میں ہے العلم الذاتی والمطلق المحیط التفصیلی مختص باللہ تعالیٰ و ماللعباد الامطلق العلم العطائی علم ذاتی اور علم بالاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہیں بندوں کے لئے صرف ایک گونہ علم بعطاء الٰہی ہے اس کی نظر خامس میں ہے لا نقول بمساواۃ علم اللہ تعالیٰ ولا بحصولہ بالاستقلال ولا نثبت بعطاء اللہ تعالیٰ ایضاً الا البعض ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع میر المختصر فتویٰ انبائے المصطفیٰ بمبئی و مراد آباد میں تین بار (پھر چہارم و پنجم بار بریلی میں طبع ہوا) ۱۳۱۸ھ سے ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر شائع ہوا ایک نسخہ اس کا کہ رسالہ الکلمۃ العلیا کے ساتھ مطبوع ہوا مرسل خدمت ہے اس سے بڑھ کر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے مفتری کذاب ہے اور اللہ کے یہاں اس کا حساب۔ (خالص الاعتقاد ص ۲۳ شائع کردہ حسنی پریس بریلی)[۱]

علم غیب کے بارے میں اعلیٰ حضرت کا فیصلہ کن فرمان

علم غیب بالذات اللہ عزوجل کے لئے خاص ہے کفار اپنے معبودانِ باطل وغیرہم کے لئے مانتے تھے لہٰذا مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے سے امور غیب پر انھیں اطلاع ہے۔ (الامن والعلی لناعتی المصطفی بدافع البلاء، ص ۲۰۳)[۲]

---

(۱) اس پوری کتاب کا عکس راقم الحروف کے پاس موجود ہے جس کا جی چاہے آئے دیکھ لے۔

(۲) یہ کتاب مطبع اہل سنت والجماعت واقع بریلی میں طبع ہوئی مصنف اس کے مولانا مولی احمد رضا خانصاحب ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۱۱ میں طبع ہوئی یہ نام اسکا تاریخی نام ہے۔ ۱۳۱۱ھ اور نامی بھی اس کا تاریخی ہے قیمت درج نہیں ہے کتنے نسخے چھپے اس کی بھی تصریح نہیں ہے نقل کردہ عبادت کا عکس احقر کے پاس موجود ہے۔ جس کا جی چاہے آئے دیکھ لے۔

ماہ محرم میں نکاح کرنا صحیح ہے

ملفوظات میں ہے:

عرض! کیا محرم، صفر میں نکاح کرنا منع ہے؟

ارشاد: نکاح کسی مہینہ میں منع نہیں یہ غلط مشہور ہے۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص ۳۱) (۱)

ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کی بدعات

علماء دین متین وارثان حضور سید المرسلین مسائل ذیل میں کیا ارشاد ہے بینوا وتوجروا۔

ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کی بنسبت جو یہ مشہور ہے کہ سید عالم ﷺ نے اس میں غسل صحت فرمایا، اسی بناء پر تمام ہندوستان کے مسلمان اس دن کو روزِ عید سمجھتے اور غسل و اظہار فرح وسرور کرتے ہیں، شرع مطہرہ میں اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

المستفتی۔ ابوالمساکین ضیاء الدین متوطن پیلی بھیت

جواب سوال اول: یہ محض بے اصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(عرفان شریعت حصہ دوم، ص ۷، ۳، از مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی) (۲)

---

(۱) الملفوظ (۱۳۳۸ھ) یہ کتاب ملفوظات اعلیٰ حضرت کا مجموعہ ہے۔ جس کو مولوی محمد مصطفیٰ رضا خانصاحب نے مرتب کیا ہے اور جو باہتمام مولوی محمد حسنین رضا خانصاحب حسنی پریس بریلی محلہ سوداگران میں طبع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن ۵۰۰ عدد طبع ہوا قیمت فی جلد ۸ رمرقوم ہے یہ کتاب کل ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرے ایڈیشن کی سن طباعت لکھی نہیں ہے یہ کتاب مکمل طور پر مدرسہ کنز العلوم ۷۰ بسکی کلاں دارا گنج الہ آباد میں موجود ہے۔ جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔

(۲) عرفان شریعت حصہ دوم جس کو جناب مولانا مولوی محمد ابراہیم رضا خانصاحب قادری نوری رضوی خلف اکبر حضرت اقدس زیب سجادۂ آستانہ عالیہ قدسیہ رضویہ نے اپنے اہتمام سے چھپوایا بصرف زر جماعت رضا مصطفیٰ بریلی محلہ سوداگران مطبوعہ رضویہ پریس بریلی محلہ سوداگران، بار دوم۔ ۲۵ جلد طبع ہوا قیمت ۰۳/ درج ہے یہ کتاب کل چالیس صفحات پر مشتمل ہے اور کتب خانہ......میں موجود ہے۔ جس کا سلسلہ وار نمبر ۲۷۷۸ ہے اور علم وار نمبر ۹۳۶/ا ہے نقل کردہ اقتباس کا عکس احقر کے پاس موجود ہے۔ یہ کتاب مدرسہ کنز العلوم ۷۰ بسکی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ میں بھی دستیاب ہے۔ جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔

عورتوں کا مزاروں پر جانا سخت منع ہے

ملفوظات حصہ دوم ص ۱۱۶ پر ہے۔

عرض۔ حضور! اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد: غنیہ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے۔ جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائیکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضہ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ الخ

(ملفوظات حصہ دوم، ص ۱۱۶) (۱)

تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے

مسئلہ: بعض دفن کر دینے میت کے حافظ کو اس کی قبر پر واسطے تلاوت سوم تک یا کچھ کم وبیش بٹھاتے ہیں اور وہ حافظ اپنی اجرت لیتے ہیں پس اس طرح اجرت دے کر قبروں پر پڑھوانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے نہ کہ ثواب پہنچے۔ (۲)

ریا کی طرح اجرت لے کر قرآن مجید کی تلاوت بھی حرام ہے

بہار شریعت میں ہے: ریا کی طرح اجرت لیکر قرآن مجید کی تلاوت بھی ہے کہ کسی میت کے لئے بغرض ایصال ثواب کچھ لیکر تلاوت کرتا ہے کہ یہاں اخلاص کہاں؟ بلکہ تلاوت سے مقصود پیسے ہیں کہ وہ نہیں ملتے تو پڑھنا بھی نہیں اس پڑھنے میں کوئی ثواب نہیں پھر میت کے لئے ایصال ثواب کا نام لینا غلط ہے کہ جب ثواب ہی نہ ملا تو پہنچائے گا کیا؟

(۱) الملفوظ ۱۳۳۸ھ ملفوظات مولانا احمد رضا خانصاحب جس کو مولوی محمد مصطفی رضا خانصاحب نے مرتب کیا اور جو باہتمام مولوی محمد حسنین رضا خانصاحب حسنی پریس بریلی محلہ سوداگران میں طبع ہوا، بار اول ۱۰۰۰ نسخہ ہوا قیمت فی جلد ۸ ر ہے اور سن اشاعت ۱۳۳۸ھ ہے، یہ کتاب کل ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے اور مدرسہ کنز العلوم ۷۰ بسکی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ میں موجود ہے جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔

(۲) (احکام شریعت اول، ص ۱۱۵، جسیم بکڈپو، جامع مسجد دہلی یہ کتاب عام طور پر دستیاب ہے تینوں حصے ایک ساتھ چھپے ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے)

اس صورت میں نہ پڑھنے والے کو ثواب اور نہ میت کو بلکہ اجرت دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہیں بعض مرتبہ پڑھنے والے کو پیسے نہیں دیئے جاتے مگر ختم کے بعد مٹھائی تقسیم ہوتی ہے اگر اس مٹھائی کی خاطر تلاوت کی ہے تو یہ بھی ایک طرح کی اجرت ہے کہ جب ایک چیز مشہور ہو جاتی ہے تو اسے بھی مشروط کا حکم دیا جاتا ہے اس کا بھی وہی حکم ہے، جو مذکور ہو چکا۔
(بہار شریعت جلد ۱۶، ص ۲۴۰، از مولانا امجد علی صاحب مصدقہ مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی) (۱)

معاوضہ پر ایصال ثواب ناجائز ہے

مولانا امجد علی صاحب فرماتے ہیں: ایصال ثواب جائز بلکہ محمود البتہ کسی معاوضہ پر ایصال ثواب کرنا مثلاً بعض لوگ کچھ لیکر قرآن مجید کا ثواب پہنچاتے ہیں یہ ناجائز ہے کہ پہلے جو پڑھ چکے اس کا معاوضہ لینا یہ بیع ہوئی یہ بیع قطعاً باطل و حرام ہے اور اگر اب پڑھے گا اس کا ثواب پہنچائے گا تو یہ اجارہ ہوا اور اطاعت پر اجارہ باطل سوائے ان تین چیزوں کے جن کا بیان آئے گا۔ (بہار شریعت، حصہ دوم، ص ۱۵۷) (۲)

تلاوت قرآن پر اجارہ ناجائز ہے:

تلاوت قرآن پر اجارہ جس طرح قدماء کے نزدیک ناجائز ہے، متاخرین کے نزدیک بھی ناجائز ہے لہٰذا سوم وغیرہ کے موقع پر اجرت پر قرآن پڑھوانا ناجائز ہے دینے والا لینے والا دونوں گنہگار، اسی طرح اکثر لوگ ۴۰ روز تک قبر کے پاس یا مکان پر قرآن پڑھوا کر ایصال ثواب کراتے ہیں، اگر اجرت پر ہو یہ پڑھوانا ناجائز ہے بلکہ اس صورت میں ایصال ثواب بے معنی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لئے عمل نہ ہو تو ثواب کی امید بے کار۔

(۱) یہ کتاب مولانا امجد علی صاحب اعظمی کی تالیف لطیف ہے، جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تصدیق کے بعد طبع ہوئی ہے، بہار شریعت اس کا تاریخی نام ہے جس سے تیرہ سو سینتیس کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ حصہ اول کل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، میرے پیش نظر اس وقت اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ایک ہزار نسخہ طبع ہوا، قیمت صرف ۴ ر ہے یہ کتاب مدرسہ کنز العلوم ۷، بسکی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ میں موجود ہے ان شاء فلیراجع

(۲) یہ کتاب مولانا امجد علی صاحب اعظمی کی تالیف لطیف ہے، جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تصدیق کے بعد طبع ہوئی ہے، بہار شریعت اس کا تاریخی نام ہے جس سے تیرہ سو سینتیس کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ حصہ اول کل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، میرے پیش نظر اس وقت اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ایک ہزار نسخہ طبع ہوا، قیمت صرف ۴ ر ہے یہ کتاب مدرسہ کنز العلوم ۷، بسکی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ میں موجود ہے ان شاء فلیراجع

ہے مقصد یہ ہے کہ ایصال ثواب جائز بلکہ مستحسن ہے۔ مگر اجرت پر تلاوت قرآن مجید یا کلمہ طیبہ پڑھوا کر ایصال ثواب نہیں ہوسکتا بلکہ پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھیں اور ایصال ثواب کریں یہ جائز ہے۔ (۳) ختم پڑھنے کے لئے اجارہ کرنا ناجائز مثلاً کوئی آیت کریمہ کا ختم کراتا کوئی خواجگان پڑھواتا کوئی کلمہ طیبہ ختم کرواتا ہے یہ سب کام اجرت پر کروانا ناجائز ہیں۔ (بہار شریعت، ج۱۶، ص۲۳۹، ۲۴۰)(۱)

عرس اور قوالی کی شرعی حیثیت:

احکام شریعت مسئلہ نمبر ۲۹، ص ۸۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ میں ہے: بعالی خدمت امام اہل سنت، مجدد دین وملت معروض کہ میں آج جس وقت سے رخصت ہوا اور واسطے نماز مغرب مسجد میں گیا بعد نماز مغرب کے ایک میرے دوست نے کہا چلو ایک جگہ عرس ہے میں چلا گیا، وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول دو سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوال پیران پیر دست گیر کی شان میں اشعار کہہ رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی نعت کے اشعار اور اولیاء اللہ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں کیا اس فعل سے رسول اللہ ﷺ اور اولیاء خوش ہوتے ہوں گے اور یہ حاضرین جلسہ گنہگار ہوئے یا نہیں؟ اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طرح کی؟

الجواب: ایسی قوالی حرام ہے۔ حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے۔ اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والوں پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے، ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف نہیں بلکہ حاضرین میں سے ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر، ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علاحدہ وجہ یہ ہے کہ حاضرین کو عرس کرنے والوں نے بلایا اس کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انھیں سنایا اگر وہ سامان نہ کرتا یہ ڈھول سارنگی نہ

(۱) بہار شریعت پر تعارف گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے اس لئے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا وہ نہ کرتا نہ بلاتا تو یہ کیوں کر آتے بجاتے لہٰذا قوالوں کا بھی گناہ اس بلانے والے پر ہوا۔ الخ۔ (احکام شریعت مسئلہ نمبر ۲۹، ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ)[۱]

آج کا عرس:

عرض: حضور بزرگانِ دین کے اعراض میں جو افعال ناجائز ہوتے ہیں ان سے حضرات کو تکلیف ہوتی ہے؟

ارشاد: بلاشبہ (ان حضرات کو تکلیف ہوتی ہے) اور یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے بھی توجہ کم فرمائی ورنہ جس قدر فیوض ہوتے تھے وہ اب کہاں۔ (الملفوظ، ج ۳، ص ۴۶)

امام قاضی سے استفتاء ہوا کہ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز ہے یا نہیں، فرمایا ایسی جگہ جواز وعدم جواز نہیں پوچھتے، یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے۔

(۱) جب گھر سے قبر کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے۔

(۲) جب گھر سے باہر نکلتی ہے سب طرفوں سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں۔

(۳) جب قبر تک پہنچتی ہے میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے۔

(۴) جب واپس آتی ہے اللہ تعالیٰ کی لعنت میں ہوتی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص ۱۷۳)[۲]

قبر کا اونچا بنانا خلافِ سنت ہے:

اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

عرض! قبر کا اونچا بنانا کیسا ہے؟

---

(۱) احکام شریعت پر تعارف ما سبق میں گذر چکا ہے اب یہ کتاب تینوں حصے یکجا کر کے مجیم بکڈپو جامع مسجد دہلی سے بھی شائع ہو چکی ہے، جدید ایڈیشن کے صفحہ ۸۰ پر یہ عبارت مرقوم ہے۔ ان شاء فلیراجع۔

(۲) العطایا نبویہ فی فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۲۲۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی نمبر ۳، سن طباعت ۲۵ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ اگست ۱۹۹۳ء) یہ کتاب کل ۲۴۷ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مشمولہ رسائل کل ۷ عدد ہیں، یہ کتاب مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ارشاد: خلاف سنت ہے میرے والد ماجد، والدہ ماجدہ میرے بھائی کی قبریں دیکھئے ایک بالشت سے اونچی نہ ہوگی۔ (ملفوظات، حصہ سوم، ص ۷۹) (۱)

صدقہ کا کھانا برادریوں کو نہ کھلائیں:

عرض! زید اپنی زندگی میں اپنے لئے ایصال ثواب کرسکتا ہے یا نہیں؟

ارشاد: ہاں کرسکتا ہے، محتاجوں کو چھپا کر دے یہ جو عام رواج ہے کہ کھانا پکایا جاتا ہے اور تمام اغنیاء و برادری کو دعوت ہوتی ہے ایسا نہ کرنا چاہیے۔

(ملفوظات مولانا احمد رضا خانصاحب، حصہ سوم، ص ۵۲) (۲)

صدقہ کا کھانا محتاجوں ہی کو دیں:

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ نیک اعمال کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے اور یہ بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ ثواب پا کر خوش ہوتا ہے اور ثواب پہنچنے کا منتظر رہتا ہے تو قرآن شریف اور کلمہ طیبہ پڑھ کر ثواب پہنچانا اچھی بات ہے...... اور جو کچھ تقسیم کیا جائے محتاجوں کو دیا جائے کہ یہ بھی ثواب کی بات ہے غنی لوگ اس میں سے نہ لیں باقی جو بے ہودہ باتیں لوگوں نے نکالیں ہیں مثلاً اس میں شادی کی سی تکلف کرنا عمدہ عمدہ فرش بچھانا، یہ باتیں بے جا ہیں اور اگر یہ سمجھتا کہ ثواب تیسرے دن پہنچتا ہے یا اس دن زیادہ پہنچے گا اور روز کم تو یہ عقیدہ بھی اس کا غلط ہے اسی طرح چنوں کی کوئی ضرورت نہیں چنے بانٹنے کے سبب کئی برائی پیدا ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(الحجۃ الفائحہ بطیب التعین والفاتحہ، ص ۱۲، ۱۳) (۳)

---

(۱) ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص ۷۹، حصہ سوم جس کو مولوی محمد مصطفی رضا خان نے مرتب کیا اور جو باہتمام سید فدا حسین ہاشمی، بی اے (علیگ) نے یونائیڈ انڈیا پریس لکھنؤ سے رضوی کتب خانہ محلہ بہاری پور بریلی میں شائع ہوا بار دوم ۵۰۰ نسخہ طبع ہوا قیمت درج نہیں سن اشاعت درج نہیں، یہ کتاب کل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب مدرسہ کنز العلوم ۷۰ بسکی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ میں بھی موجود ہے۔ ان شاء فلیراجع۔

(۲) ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص ۵۲، حصہ سوم جس کو مولوی محمد مصطفی رضا خان نے مرتب کیا اور جو باہتمام سید فدا حسین ہاشمی، بی اے (علیگ) نے یونائیڈ انڈیا پریس لکھنؤ سے رضوی کتب خانہ محلہ بہاری پور بریلی میں شائع ہوا بار دوم ۵۰۰ نسخہ طبع ہوا قیمت درج نہیں سن اشاعت درج نہیں، یہ کتاب کل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب مدرسہ کنز العلوم ۷۰ بسکی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ میں بھی موجود ہے۔ ان شاء فلیراجع۔

(۳) اس کتاب کے مصنف اعلیٰ حضرت ہیں ۱۳۰۷ھ میں حسنین رضا خان نے مطبع واقع آستانہ عالیہ رضویہ محلہ سوداگران بریلی سے طبع کرایا یہ کتاب مدرسہ کنز العلوم ۷۰ بسکی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ کے علاوہ احقر کے پاس بھی موجود ہے۔ جس کا جی چاہے آئے دیکھ لے۔

تیجہ و چالیسواں وغیرہ بدعت ہے:

جمع ہونا مقبرہ پر تیسرے دن اور تقسیم کرنا گلاب کے پھولوں اور اگر کا اور کھانا کھلانا خاص دنوں میں جیسے تیسرا، پانچواں، نواں، دسواں، بیسواں اور چالیسواں، چھٹا مہینہ، اور برسواں دن یہ بدعت ممنوعہ ہے۔ (حاشیہ انوار ساطعہ درحد بیان مولود و فاتحہ، ص ۱۰۵)[۱]

بوقت فاتحہ کھانا سامنے رکھنا بے کار بات ہے

......وقت فاتحہ کھانا کا قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے۔۔۔

(الحجۃ الفائحہ بطیب التعیین والفاتحہ، ص ۱۶)[۲]

ناپاک رسم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں:

مسئلہ ۱۲۰ اےسوال: اکثر بلاد میں رسم ہے کہ میت کے روزِ وفات سے اس کے اعزہ و احباب کی عورتیں اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں اس اہتمام کے ساتھ جو شادیوں میں کیا جاتا ہے پھر کچھ دوسرے، تیسرے دن واپس آتی ہیں، بعض چالیسویں تک بیٹھی رہتی ہیں اس قدر اقامت میں عورت کے کھانے پینے چھالیا پان کا اہتمام اہل میت کرتے ہیں جس کے باعث ایک صرف کثیر کے زیر بار ہوتے ہیں اگر اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہو تو اس ضرورت سے قرض لیتے ہیں یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں، اگر نہ کریں تو ملعون و بدنام ہوتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے کیا؟

الجواب: (بعد حمد وصلوۃ)، سبحان اللہ! ارے مسلمان! یہ پوچھتا ہے کہ جائز ہے کیا؟ یوں پوچھو کہ یہ ناپاک رسم کتنے کتنے قبیح اور شدید گناہوں، سخت شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔

---

(۱) یہ کتاب ۳۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اس کے مصنف مولانا عبدالسمیع رام پوری ہیں، مطبع نعیمی جو مراد آباد میں واقع ہے وہاں سے طبع ہوئی ہے لیکن سن طباعت درج نہیں ہے۔ یہ کتاب مدرسہ کنزالعلوم ۷۰ بسکی کلاں دارا گنج کے کتب خانہ احمدیہ میں آج بھی موجود ہے۔ جس کا جی چاہے وہ جائے دیکھ لے۔

(۲) اس کتاب کے مصنف اعلیٰ حضرت ہیں ۱۳۰۷ھ میں حسنین رضا خان نے مطبع واقع آستانۂ عالیہ رضویہ محلہ سوداگران بریلی سے طبع کرایا، یہ کتاب مدرسہ کنزالعلوم ۷۰ بسکی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ کے علاوہ احقر کے پاس بھی موجود ہے۔ جس کا جی چاہے وہ لے آئے۔

الخ۔ (۱) جلی الصوت لنهی الدعوۃ امام الموت ص ۳،۴

اہل میت کے یہاں کھانا منع ہے:

میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کئے جاتے ہیں سب مکروہ وممنوع ہیں، علامہ شامیؒ درمختار میں فرماتے ہیں "اطال ذٰلك فی المعراج وقال وھٰذہ الافعال کلھا للسمعة والریاء فیجوز عنھا" یعنی معراج الدرایہ شرح ہدایہ نے اس مسئلہ میں بہت کلام طویل کیا اور فرمایا یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ان سے احتراز کیا جائے...... ثانیاً، غالباً ورثہ میں کوئی یتیم اور بچہ نابالغ ہوتا ہے یا اور ورثہ موجود نہیں ہوتے نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے جب تو امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے۔ (جلی الصوت لنهی الدعوت امام الموت، ص ۳،۴) (۲)

میت کا کھانا کھانے سے دل مرجاتا ہے

الجواب: ۲۔ یہ تجربہ کی بات ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جو طعام میت کے متمنی رہتے ہیں ان کا دل مرجاتا ہے ذکر و اطاعت الٰہی کے لئے حیات و چستی ان میں نہیں رہتی کہ وہ اپنے پیٹ کے لقمہ کے لئے موت مسلمین کے منتظر رہتے ہیں اور کھانا کھاتے وقت موت سے غافل اور اس کی لذت میں مشاغل واللہ اعلم۔

(العطایا نبویہ فی فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص۔ ۲۲۳۔ (۳)

اذان سے پہلے بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا غیر مشروع ہے

سوال: آج کل ہم اہل سنت والجماعت کی تمام مساجد میں باآواز بلند اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اور بعض موذنین صلاۃ وسلام سے بھی پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ

---

(۱) جلی الصوت لنهی الدعوۃ امام الموت، یہ کتاب مستقل رسالہ کی شکل میں ۱۳۱۰ھ میں طبع ہو چکا ہے، اب یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ میں شامل کر کے طبع کیا گیا ہے، دیکھئے فتاویٰ رضویہ جلد ۴، ص ۱۳۸، سن طبع ۲۵ / صفر المظفر ۱۴۱۵ھ، مطابق اگست ۱۹۹۴ء، فتاویٰ رضویہ کا تعارف اس کتاب کے شروع کے صفحات میں آچکا ہے، ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) حوالہ بالا ہی سمجھا جائے صرف صفحہ کا فرق ہے بقیہ کتاب وہی ہے، جس پر تعارف ہو چکا ہے۔

(۳) العطایا نبویہ فی فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۲۲۳، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی نمبر ۳، سن طباعت ۲۵ صفر المظفر، ۱۴۱۰ھ، اگست ۱۹۹۴ء) یہ کتاب کل ۷۲۴ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں مشمولہ رسائل کل ۷۲ عدد ہیں، یہ کتاب مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

اور آیت ان الصلاۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر یا کوئی اور آیت پڑھتے ہیں اور پھر صلاۃ وسلام اور پھر اذان پڑھتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب: اذان سے قبل (تعوذ) اعوذ پڑھنا نہیں ہے، اس کا حکم قرآن شریف کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جب قرآن شریف پڑھنا چاہو تو اعوذ پڑھ لیا کرو اس کے سوا کسی چیز سے پہلے (تعوذ) اعوذ پڑھنے کا حکم نہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر نیک کام کے اول پڑھنا باعث برکت ہے لیکن اونچی آواز سے اور مزید برآں لاؤڈ سپیکر میں پڑھنا فضول ہے، آہستہ سے پڑھنا کافی ہے، قرون اولی میں بلکہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کہیں بھی اذان کو اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا معہود نہیں ہے ایسے ہی اونچی آواز سے بالالتزام صلاۃ وسلام اذان سے قبل پڑھنا اور اس کو عادت بنانا مشروع نہیں ہے دراصل یہ زوائد وہابیوں، دیوبندیوں کی ضد سے یا نعت خواں قسم کے موذنین نے پیدا کئے ہیں ازمنہ سابقہ میں سب قارئین جانتے ہیں کہ اذان اس زوائد سے خالی ہوتی تھی اگر ہمارے علماء عوام کی تائید میں کہ اب وہ اس راستہ پر چل پڑے ہیں غور وفکر سے اس کو جائز ثابت کر بھی دیں تو صرف جائز ہی ہوگا مستحب یا مندوب یا افضل نہیں ہوگا۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ اس پر ثواب بھی ہوگا؟ یہ بات تب ہو کہ وہ مستحب ہو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی سے اس کی بابت پوچھا گیا تو انھوں نے لکھا اذان کے بعد جب جماعت کا وقت ہو تو کسی شخص یا مؤذن کا بطور تثویب کے صلاۃ وسلام پڑھنا بہتر ہے یعنی اذان کے بعد صلاۃ وسلام کی وجہ ہو سکتی ہے پہلے نہیں اور اس رسم کا جو اسلام میں معہود نہیں تھی جہلاء بڑھاتے چلے جارہے ہیں اور علماء کرام خاموش ہیں پتہ نہیں کیوں؟ یہ عظیم المیہ ہے۔

(بحوالہ انوار الصوفیہ، ایڈیٹر علامہ غلام رسول گوہر ماہ جنوری ۱۹۸۷ء شمارہ نمبر ۴۰)

پندرہ یا بیس سال پہلے ہمارے گاؤں میں بھی یہ بدعت جاری نہیں تھی اذان سے قبل صلاۃ وسلام اس طریقہ پر رائج ہوگیا ہے دین صدی کا نام دیا جارہا ہے حالانکہ یہ کھلی بدعت ہے جیسا ابھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

جماعت کے بعد بلند آواز سے سلام پڑھنے کا شرعی حکم:

اس سلسلہ کا ایک سوال کا جواب مفتی جلال الدین امجدی نے دیا ہے، جو ماہنامہ کنزالایمان میں شائع ہوا ہے، ماہنامہ کنزالایمان ضرور حاصل کریں اور اس سوال و جواب کو ملاحظہ فرمائیں اس فتویٰ کے بعد جماعت بریلویہ میں بہت شور وغل ہوا چنانچہ ایک صاحب نے اس فتویٰ کو تصدیق کے لئے جامعہ اشرفیہ مبارک پور بھیجا وہ فتویٰ مع سوال و جواب وہاں کے ماہنامہ اشرفیہ کے مئی کے شمارے میں شائع ہوا ہے ہم یہاں قارئین با تمکین کے لئے ماہنامہ اشرفیہ سے اس جواب کو من وعن نقل کر رہے ہیں پوری تفصیل کے لئے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے مئی ۲۰۰۲ء کا شمارہ ضرور مطالعہ فرمائیں۔

الجواب: ماہنامہ کنزالایمان اہل سنت و الجماعت کا پرچہ ہے اور اس میں فتویٰ برکاتیہ کے حوالے سے جو فتاویٰ شائع ہوئے ہیں وہ فقیہ ملت حضرت العلام مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ کے فتاویٰ ہیں ان فتاویٰ کا مآخذ فتاویٰ رضویہ جلد سوم و جلد دہم ہے حکم اپنی جگہ پر صحیح ہے یہی علمائے اہل سنت کا مذہب ہے یہی وجہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ میں بعد فجر و بعد جمعہ صلاۃ وسلام بلند آواز سے نہیں پڑھا جاتا اپنے طور پر لوگ پست آواز سے پڑھتے ہیں۔ عوام کی پریشانی یہ ہے کہ یہ تو وہ جانتے ہیں کہ صلاۃ وسلام پڑھنا شعائر اہل سنت ہے مگر انھیں یہ نہیں معلوم کہ کسی وقت منع بھی ہے۔ نماز پنجگانہ و جمعہ شعائر اسلام سے ہے مگر تین اوقات میں یہ مکروہ وممنوع ہیں۔ طلوع، غروب، نصف النہار، تو ان اوقات میں جمعہ و پنجگانہ کا ممنوع ہونا ہرگز ان کے شعائر کے منافی نہیں۔ یونہی جب لوگ نماز میں مشغول ہوں اس وقت بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھنے کی ممانعت بھی اس کے شعار اہل سنت ہونے کے منافی نہیں کہ یہ ممانعت کی ایک خارجی عذر کی وجہ سے ہے یہ ممانعت بھی صرف آواز بلند کرنے سے ہے۔ آہستہ آہستہ تو کبھی بھی پڑھ سکتے ہیں کہ آہستہ پڑھنے سے لوگوں کی نماز میں خلل واقع نہ ہوگا۔ قرآن پاک تو اللہ کی مقدس کتاب ہے مذہب اسلام کا سرچشمہ

ہے اس کی تلاوت ثواب کا ذریعہ ہے مگر جب لوگ نماز میں مشغول ہوں تو بلند آواز سے تلاوت کرنا ممنوع ہے کہ نمازیوں کو تشویش لاحق ہوگی اور ان کا خیال بٹے گا بھول بھی سکتے ہیں ہاں پست آواز سے اس وقت بھی تلاوت کی اجازت ہے فتاویٰ رضویہ میں ہے: جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور قرآن مجید کے استماع کے لئے کوئی فارغ نہ ہو وہاں جہراً تلاوت کرنے والے پر اس صورت میں دوہرا وبال ہے ایک تو یہی خلل اندازی نماز وغیرہ کہ ذکر جہر میں تھا دوسرے قرآن عظیم کو بے حرمتی کے لئے پیش کرنا۔ ۳/ ۵۹۶

اس باب میں جو حکم تلاوت قرآن عظیم کا ہے وہی حکم صلاۃ وسلام کا بھی ہے۔ یہ اصل حکم ہے لیکن اب جب کہ عوام کی ناواقفیت کی وجہ سے ممانعت کے باعث فتنہ پیدا ہو رہا ہے اور لوگ باہم تفریق و انتشار کے شکار ہو رہے ہیں تو اس عاجز بے مایہ کا موقف اس باب میں وہ ہے جو دیہات میں جمعہ کے تعلق سے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہے کہ جہاں شروع نہ ہو وہاں یہ رسم قائم نہ کی جائے اور جہاں قائم ہو وہاں روکا نہ جائے ہاں نرمی کے ساتھ شریعت کا حکم بتا دیں کہ سمجھانے کی کوشش کریں لوگ مان جائیں تو بہتر ورنہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں اور خود بچیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۷ر صفر المظفر، ۲۴؁ھ (دیکھئے ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، مئی ۲۰۰۴؁ء، صفحہ ۱۸، ۱۹)

اذان کے وقت انگوٹھا چومنا ثابت نہیں

اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

اذان میں وقت استماعِ نام پاک صاحب لولاک ﷺ انگوٹھوں کے ناخن چومنا، آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں نہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی، پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون و مؤکد جانے یا نفس ترک کو باعثِ زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے۔

(ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال، ص ۱۲)[1]

---

(۱) ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال یہ اس کا تاریخی نام ہے جس میں اعلیٰ حضرت کے افادات ہیں یہ کتاب کل ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کو محمد حسنین رضا خاں ابن عاشق رسول استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں صاحب نے اپنے حسنی پریس واقع محلہ سوداگران بریلی میں چھاپا اور شائع کیا بار اول ۱۰۰۰ نسخے طبع ہوئے سن اشاعت ۱۳۰۵ھ ہے قیمت درج نہیں نقل کردہ عبارت کا عکس احقر کے پاس ہے۔ جس کا جی چاہے وہ آئے دیکھ لے۔

بلاعنوان

اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

ارشاد...... اصل طیب میں اخلاق فاضلہ ہوتے ہیں اور ذلیل اس کا عکس ہے اسی واسطے عہد ماضی میں سلاطین اسلام رذیلوں کو ضرورت سے زیادہ علم نہیں پڑھنے دیتے تھے، اب دیکھو نائیوں اور منہاروں نے علم پڑھ کر کیا کیا فتنے پھیلا رکھے ہیں۔

(ملفوظات حصہ دوم، ص ۱۰۶) (۱)

(۱) الملفوظ پر تعارف گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے مگر مکرر لکھے دیتے ہیں یہ کتاب ملفوظات اعلیٰ حضرت کا مجموعہ ہے جس کو مولوی محمد مصطفیٰ رضا خانصاحب نے مرتب کیا اور باہتمام مولوی حسنین رضا خانصاحب حسنی پریس بریلی محلہ سوداگران میں طبع ہوا ہے پہلے ایڈیشن میں ۱۰۰۰ جلد طبع ہوئے جس کی قیمت فی جلد ۸/ ہے یہ ملفوظات کل ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مکمل مدرسہ کنز العلوم ۷، بسکی کلاں دارا گنج الہ آباد کے کتب خانہ احمدیہ میں موجود ہے نقل کردہ اقتباس کا عکس احقر کے پاس بھی موجود ہے۔ جس کا جی چاہے وہ آئے دیکھ لے۔

عاشورۂ محرم اور ہم

محرم کا چاند نظر آتے ہی کچھ لوگ گریہ وزاری کرتے،"علم ومنہدی" گھماتے، براق "ذوالجناح" چومتے،"تخت وتابوت" کا جلوس نکالے، اور ضریح وغیرہ سروں پہ اٹھائے روتے رلاتے دکھائی دینگے۔ ان میں اکثر و بیشتر لوگ فرقہ شیعہ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

مذہب شیعہ کے متوازن ایک الگ مذہب

شیعہ جنہیں امامیہ اور اثناء عشریہ بھی کہا جاتا ہے ان سے اسلام کو جتنا نقصان پہنچا ہے شاید ہی تاریخ اسلام میں کسی فرقہ سے اتنا نقصان پہنچا ہوگا۔ یہ فرقہ علمی وعملی اعتبار سے دین محمدی ﷺ کے متوازی ایک الگ مذہب ہے، جس کی پوری عمارت بے بنیاد روایتوں، بے سروپا تاویلوں، صحابہ کرامؓ کی عداوتوں، قرآن کریم کی تحریف اور من مانی خرافاتوں پر رکھی گئی ہے۔

اہل تشیع کے خدوخال

کسی بھی فکر ونظریہ کی ترویج واشاعت اور اسے ارتقاء و بلندی سے ہم کنار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ٹائٹل کچھ ایسا خوشنما اور جاذب نظر ہو کہ اولِ وہلہ میں اس کی اصل حقیقت اور صحیح خدوخال سامنے نہ آسکیں، اسی اصول کے پیش نظر اہل تشیع نے اپنے کو مسلمان (کیا بلکہ مومن) ظاہر کرنے کے لئے محبت اہل بیت کا ایسا خوشنما اور پر زور نعرہ لگایا کہ اس کی گونج سے اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات بھی چکرا گئے اور ان کی تکفیر میں مذبذب رہے، بعضوں نے تو ان کی تکفیر کا انکار ہی کر دیا۔

یہ فرقہ جو اپنے کو مسلمان نہیں بلکہ مومن کہتا ہے اور اپنے علاوہ دوسروں کو مسلمان کہتا ہے، ان کے یہاں حضرات صحابہؓ وصحابیات حتی کہ ازدواج مطہراتؓ پر تبرا کرنا نہ صرف یہ کہ ضروری بلکہ جزء ایمان سمجھا جاتا ہے۔ اور اس پر ہر شیعہ کا عمل پیرا ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ بغیر تبرا کئے کوئی شیعہ، شیعہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ شیعوں کا ترجمان اخبار"اسد" نے لکھا تھا:

"جس طرح کلمہ توحید کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا اسی طرح بغیر تبرا کے کوئی شیعہ

نہیں ہوسکتا" (اخبار اسد ۱۳/اپریل ۱۹۳۹ء بحوالہ دعوت فکر و عمل ص ۴۴۹)

چنانچہ حضرات صحابہؓ وصحابیاتؓ پر تبرا کی بہت سی ایسی مثالیں شیعوں کے یہاں ملتی ہیں جن کے تلفظ اور نقل سے بھی زبان وقلم شرمندہ، اور سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

کچھ زیادہ افسوس کی بات نہیں تھی اگر اہل تشیع کی یہ بے ہودہ واہیات وخرافات صرف شیعوں تک ہی محدود رہتے، افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ کچھ نام نہاد "سنی" جو بزعم خود اپنے کو سنیت کا ٹھیکیدار اور علمبردار سمجھتے ہیں ان کے اندر بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر شیعوں کی بہت ساری واہیات وخرافات گو تبرا وغیرہ نہ سہی، مگر رسوم وبدعات ان کے اندر بھی پیدا ہوتے جارہے ہیں اور طرفہ تماشا یہ کہ انہیں احساس تک نہیں کہ ہم کدھر جارہے ہیں، کارواں لٹ رہا ہے، مگر کارواں کے دل سے اپنی ناکامی ونامرادی کا احساس بھی رخصت ہوجاتا جارہا ہے۔

محرم میں رائج کردہ رسوم وبدعات

عاشورۂ محرم میں شیعوں کی رائج کردہ رسومات وبدعات میں سے بعض کا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ دراصل ان کے مخاطب شیعہ نہیں بلکہ وہ سادہ لوح سنی مسلمان ہیں جو اپنی لاعلمی اور نادانی کے باعث شیعوں کے دام میں پھنس کے ان باطلانہ رسوم وبدعات کو اپنے اوپر لازم اور ضروری قرار دے لیا ہے، جن کا دین اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

تعزیہ داری

ہندوستان میں تعزیہ داری کی نجس لعنت سے متعلق حضرات کے مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں، چنانچہ "بہار تعزیہ" اور "تعزیہ علماء اسلام کی نظر میں" "تعزیہ داری کی رسم وایجاد کو بادشاہ ہمایوں کی طرف نسبت کر کے لکھا گیا ہے کہ ہمایوں نے بیرم خاں کو بھیج کر چھیالیس تولہ کے زمرد کی تعزیہ ہندوستان منگوایا، یہ پہلا تعزیہ تھا جو ہندوستان میں لایا گیا۔ اور "مجاہد اعظم" کے مؤلف تعزیہ کی ایجاد کی بابت لکھتے ہیں:

"گنبد دار تعزیہ کا رواج غالباً لکھنؤ سے شروع ہوا ہے۔"

بہر حال اس کی ایجاد کہیں سے بھی ہوئی ہو اور جس نے بھی کی ہو، ہمیں سے غرض

نہیں اور نہ یہاں یہ تحقیق مقصود ہے ہم تو صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرات علماء وفقہاء نے روز اول ہی سے اس کی مخالفت کی ہے، اور شریعت مطہرہ کی روشنی میں اجماعی اور اتفاقی طور پر اس کو حرام سمجھا جا رہا ہے، اور اس کی حرمت و عدم جواز میں علماء دیوبند کے ساتھ علماء بریلی بھی حرمت و عدم جواز کا ہی فتویٰ دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ بریلوی مسلک کی کتابیں مثلاً "رسالہ محرم اور تعزیہ داری"، "بہار شریعت"، "فتویٰ رضویہ"، "عرفانِ ہدایت"، "عرفانِ شریعت"، "احکام شریعت" وغیرہ میں تعزیہ داری اور اس کے حرام اور ناجائز ہونے کے فتوے درج ہیں--- علاوہ ازیں خود شیعوں کے نزدیک بھی جو تعزیہ کو اپنا مذہبی فریضہ بنا کر پیش کرتے ہیں، ان کے امام معصوم جعفر صادقؒ کے فتاویٰ کی روشنی میں بھی تعزیہ داری حرام ہے، چنانچہ ابن بابویہ نے امام معصوم کی طرف نسبت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جو شخص دوبارہ قبہ بنائے یا اس کی شبیہ بنائے وہ اسلام سے خارج ہو گیا"

(من لا یحضرۃ الفقیہ، ص ۴۸)

نوحہ کرنا

نوحہ کرنے سے متعلق حدیث شریف میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نوحہ کرنے والوں اور اس کی طرف کان لگانے والوں دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور کفر کے جاہلانہ طریقہ پر آہ و فغاں کرنے والوں سے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ اس قسم کی مجالس میں شرکت کرنا بائے ہو کرنا چونکہ پیغمبر اسلام ﷺ اور صحابہ کرامؓ و اہل بیتؓ کی تعظیم کے خلاف ہے اس لئے بھی شرعاً ناجائز ہے، اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتابوں میں اس کی ممانعت موجود ہے اور اس کی مذمت پر سب کا اتفاق ہے۔

ڈھول بجانا

معارف و مزامیر کا بجانا جس کی حرمت حدیث شریف میں صاف صاف مذکور ہے، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ڈھول اور بانسری کو مٹا دوں (جمع الجوامع)

اور قطع نظر خلاف شرع ہونے کے عقل کے بھی تو خلاف ہے کیونکہ یہ آلات تو سرور خوشی کے ہیں سامان غم میں ان کے کیا معنی؟ یہ تو در پردہ خوشی منانا ہے۔

ع ‏ بر چنیں دعویٰ الفت آفریں ‏ (مستفاد از الفضائل والاحکام ص ۱۳)

مرثیہ پڑھنا

مرثیہ پڑھنے سے متعلق حدیث شریف میں صاف صاف ممانعت آئی ہے ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرثیوں سے سخت منع فرمایا ہے۔ (الفضائل الاحکام ص ۱۲)

زینت ترک کرنا

محرم کے ان ایام میں قصداً زینت ترک کرنا جس کو سوگ کہتے ہیں مثلاً بعض عورتیں ان ایام میں مہندی لگانا، سر پر تیل لگانا، سنگار کرنا ترک کر دیتی ہیں، یہ جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لایحل لامرأۃ تومن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلث لیال الا علی زوج اربعۃ اشھر و عشرًا۔

(مشکوٰۃ شریف، ص ۲۸۸)

(یعنی کسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو (یہ) جائز نہیں ہے کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ زینت ترک (سوگ) کرے، مگر اپنے شوہر کے انتقال پر چار مہینہ دس دن (سوگ کرنا واجب ہے)

اور حکم اس کا شریعت میں یہ ہے کہ مرد کے لئے سوگ کسی جگہ جائز نہیں، اور عورتوں کو صرف خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن یا وضع حمل تک سوگ کرنا واجب ہے باقی حرام ہے۔ سو اب تیرہ سو سال بعد شہداء کا سوگ کرنا منشاء شریعت کے بالکل خلاف ہے۔

(مستفاد تحفہ حنفیہ صفحہ ۹۶)

ماتمی لباس پہننا

عاشورہ محرم میں اظہار غم کے لئے سیاہ کپڑے پہننا یا کسی خاص لباس یا خاص رنگ وغیرہ کے ذریعے اظہار غم کرنا، یہ سب امور خلاف شرع ہیں، حدیث شریف میں اس پر وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ ابن ماجہ میں عمران بن حصین ؓ سے منقول ہے کہ ایک جنازہ میں رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ غم میں چادر اتار کر صرف کرتا پہنے ہوئے ہیں، یہ وہاں غم کہ اصطلاح تھی اور اس کے اظہار کا طریقہ تھا، آپ ﷺ نہایت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ کیا جاہلیت کے کام کرتے ہو؟ یا یہ فرمایا کہ جاہلیت کہ رسم کی مشابہت کرتے ہو، میرا

تو یہ ارادہ تھا کہ تم پر ایسی بد دعا کروں کہ تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں، پس فوراً ان لوگوں نے اپنی چادریں لیں اور پھر کبھی ایسا نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی خاص وضع اور ہیئت اظہار غم کے لئے بنانا حرام ہے۔ علاوہ ازیں خود مذہب شیعہ میں بھی ماتمی لباس (کالا کپڑا وغیرہ) پہننے کی اجازت نہیں ہے۔

(دیکھئے مشہور شیعی مفسر مولوی مقبول دہلوی کا ترجمہ قرآن، سورہ ممتحنہ طبع اول)

مجالس منعقد کرنا

بعض جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ کچھ مہذب و باوقار حضرات یہ کہتے ہیں کہ حقیقت میں یہ ڈھول تماشہ واہیات وخرافات ہے انہیں ترک کرنا چاہئے اور اس کا بدل یہ تجویز کیا کہ اس جگہ ان ایام میں ذکر شہادت حسینؓ کی مجالس منعقد کرنا چاہئے اور اس کا ثواب حضرات حسنینؓ کے نام بخشنا چاہئے۔ اسی کو کہا جاتا ہے "فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ" دراصل شیعوں کی یہ بھی ایک چال ہے کہ سنیوں کو پھنساؤ ضرور اس کا طریقہ خواہ کچھ بھی ہو "محرم" کی اہمیت کے پیش نظر اس میں کچھ نہ کچھ ہونا ضرور چاہئے تاکہ واقعہ کربلا کی یاد تازہ رہے۔

بہر حال ایسی مجالس کا منعقد کرنا جس میں صرف قصہ کربلا ہی کا بیان ہو چونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے لہٰذا مشابہت روافض کی وجہ سے ممنوع ہے، اور اس کے اندر شرکت بھی ناجائز ہے، اس سلسلہ کے ایک سوال کے جواب میں حضرت گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ذکرِ شہادت کا ایام عشرہ محرم میں کرنا بمشابہت روافض منع ہے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۹)

شربت پلانا

شربت پلانا گو فی نفسہ مباح ہے، کیونکہ جب پانی پلانے میں ثواب ہے تو شربت پلانے میں کیا حرج ہے، مگر وہی رسم کی پابندی اور اہل رفض کے ساتھ تشبہ اس میں بھی ہے اس لئے یہ قابل ترک ہے، اس کے علاوہ اس شربت پلانے میں بعض جگہ ایسی پابندی کر لی گئی ہے کہ چاہے موسم سردی ہی کا کیوں نہ ہو مگر شربت پلایا جائے گا، یہ رسم کی پابندی نہیں تو پھر کیا ہے؟

دراصل راز اس میں یہ ہے کہ شہدائے کربلا چونکہ پیاسے شہید ہوئے تھے اور شربت

پیاس بجھانے والا ہے، اس کو اس لئے تجویز کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے عقیدہ میں عین شربت پہنچتا ہے، جس کا باطل ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے پھر اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ان کے زعم میں شہدائے کربلا، نعوذ باللہ اب تک پیاسے ہیں یہ کس قدر بے ادبی ہے، ان مفاسد کی وجہ سے اس سے پرہیز لازم ضروری ہے۔

(مستفاد از الفضائل والاحکام ص: ۵۱ تحفہ حنفیہ ص ۹۸)

کھچڑا پکانا

کھچڑا پکانا رسم ورواج اور اہتمام والتزام کی وجہ سے ممنوع ہے البدایہ والنہایہ میں ہے "فکانوا الی یوم عاشوراء یطبخون الحبوب الخ" (کہ خوارج ونواصب سیدنا حسینؓ کی شہادت کی خوشی میں مختلف اناج ملا کر (کھچڑا) پکاتے تھے)

معلوم ہوا کہ کھچڑا پکانا اہل بیت سے دشمنی رکھنے والوں کی ایجاد کردہ رسم ہے۔ اس لئے حضرات حسینؓ سے محبت والفت رکھنے والوں کو اس کی پیروی سے بچنا چاہئے۔

(مستفاد از فتاوی رشیدیہ وکفایت المفتی)

لنگر تقسیم کرنا

بعض شہروں میں دیکھا جاتا ہے کہ اس تاریخ کو روٹیاں تقسیم کرتے ہیں، اور تقسیم کرنے کا طریقہ یہ نکالا ہے کہ چھتوں کے اوپر کھڑے ہو کر پھینکتے ہیں، جس سے کچھ تو لوگوں کے ہاتھوں میں آتی ہے اور اکثر زمین پر گر کر پیروں میں روندی جاتی ہیں، جس سے رزق کی بے ادبی اور گناہ ہونا ظاہر ہے، حدیث شریف میں اکرام رزق کا حکم اور اس کی بے حرمتی کا وبال سلب رزق آیا ہے۔ خدا سے ڈرو اور رزق برباد مت کرو (اور بے ادبی کے علاوہ بدعات ریا وغیرہ کا گناہ بھی اس رسم میں موجود ہے)

(ماخوذ از الفضائل والاحکام ص: ۱۶۔۱۷)

ماتم کرنا

ماتم، یہ تو شیعیت کے تشخص وعلامت کے طور پر مروج ہے، شیعوں کی اصل پہچان یہی ہے کہ وہ محرم میں ماتم ضرور کریں گے، مگر تعجب تو اس پر ہے کہ ماتم کرنے کی ممانعت خود مذہب شیعہ میں بڑی شدومد کے ساتھ موجود ہے، شیعوں کی معتبر کتابوں "فروع کافی"

اور "جلاء العیون" وغیرہ میں امام محمد باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ کے حوالے سے صاف طور پر ماتم کی ممانعت مذکور ہے۔

(دیکھئے جلاء العیون ص:۷۶، مطبوعہ لاہور، اور فروع کافی ج ا ص:۲۱)

علاوہ ازیں حضرت حسینؓ کی آخری وصیت سے بھی ماتم کی تردید ظاہر و باہر ہے، جو کربلائے معلی میں اپنی ہمشیرہ حضرت زینبؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"اے بہن جو میرا حق تم پر ہے، اس کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری مصیبت مفارقت، پر صبر کرو، پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ نہ پیٹنا اور اپنے بال نہ نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ زہراؓ کی بیٹی ہو جیسا انہوں نے پیغمبر خدا ﷺ کی مصیبت میں صبر کیا تھا، تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا"،

(جلاء العیون ص ۴۸۲ بحوالہ الصیانہ لاہور ۱۹۹۰ء)

جب مذہب شیعہ کی کتابوں اور خود حضرت حسینؓ کی وصیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ نوحہ و ماتم کی مذہب شیعہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ کھلی ہوئی بدعت شیعیت کے لئے بھی باعث عار ہے تو پھر آخر اس پر اتنا اصرار اور عرصہ دراز سے شیعوں کا اس پر تعامل کیوں ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کے پس پردہ کوئی اور راز ہو۔

ع "کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے"

جی ہاں! یہ ماتمی اجتماع اور دیگر جلوس دراصل شیعی سیاست کا جزء ہیں تاکہ محبت اہل بیت کا خوبصورت عنوان دیکھ کر اور سنیوں کو اپنے ساتھ ملا کر ان میں رافضیت کے زہریلے جراثیم کی پرورش کی جائے، چنانچہ ایرانی انقلاب کے بعد شیعوں کے روحانی پیشوا آیت اللہ خمینی نے ایک خطبہ دیا تھا، اس کے بعض اقتباسات پیش ہیں، ملاحظہ فرمائیں اور خود فیصلہ فرمائیں۔

"علماء کا وظیفہ ہے کہ وہ مصائب امام حسینؓ بیان کریں اور عوام کا وظیفہ ہے کہ وہ اپنے باعظمت ہاتھوں سے سینہ زنی کریں، یہ ہاتھ جس سے سینہ زنی ہوتی ہے باعظمت ہاتھ ہیں البتہ شرعی حدود کی پابندی ہونی چاہئے، مگر عوام اپنا ہاتھ بند نہ رکھیں، ان ہاتھوں سے سینہ زنی کریں۔

شاید یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ صرف ایک گریہ ہے ایسا ہرگز نہیں ہے
ہمارا یہ گریہ گریہ سیاسی، اجتماعی اور نفسیاتی مسئلہ ہے ۔۔۔۔۔۔ یہ صرف اس لئے
ہے کہ یہ گریہ کے اجتماعات ہمارے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں"۔

طوالت کا خوف دامن گیر ہے ورنہ جی چاہتا ہے کہ پوری تقریر نقل کردی جائے۔ واضح رہے کہ شیعوں کے نزدیک خمینی صاحب حضرت امام مہدی علیہ السلام کے نائب تھے، انہوں نے اپنے مذکورہ خطبہ میں صاف طور پر اقرار کرلیا ہے، کہ یہ ماتم اور ماتمی جلوس ہماری، دنیا میں سب سے بڑی سیاسی قوت ہے۔ خمینی صاحب کے اس بیان سے صاف صاف معلوم ہوا کہ ان ماتم اور ماتمی جلوس کے پیچھے شیعیت کی تبلیغی سیاست کارفرما ہے، اسی لئے باوجودیکہ مذہب شیعہ میں ماتم وغیرہ کی اجازت نہیں ہے، پھر بھی اس پر برابر عمل جاری ہے۔

مذکورہ بالا اقتباسات کے پیش نظر ارباب علم اور ملت کے بہی خواہوں سے گزارش ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے اپنے سماج و معاشرے سے قادیانیوں کا بائکاٹ کیا ہے، بالکل اسی طرح اگر شیعوں کا بھی بائیکاٹ نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہیں کہ ہماری آئندہ نسل کو رافضیت کے زہریلے جراثیم سے بچانا بہت مشکل ہو جائے گا، ہمارا فریضہ ہے کہ اپنی نئی نسل کے دلوں میں صحیح اسلامی فکر راسخ کریں اور انہیں یہ باور کرائیں کہ ہمارے شہداء زندہ ہیں وہ جنت میں چین کر رہے ہیں، ان کو نہ کوئی غم ہے اور نہ کسی کا خوف، وہ زندہ جاوید ہیں کبھی مرتے نہیں، جس کا عقیدہ یہ ہو کہ شہداء مرجاتے ہیں، وہ ہائے ہو اور شوروشین کریں۔

روئیں وہ جو منکر ہیں حیاتِ شہداء کے
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ ہمیں منکرات سے بچنے اور ماموارت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

(مفتاح الخیر جلد ۲/شمارہ/۸۔۹۔ ۲۰۰۳ء)

ماہ محرم الحرام

اسلامی تاریخ کا آغاز

دنیا میں جتنی قومیں آباد ہیں سبھی اپنے تشخص و امتیاز کے لئے کچھ نہ کچھ علامتیں مقرر کر رکھی ہیں، انہیں علامات کی ایک کڑی سن اور تاریخ بھی ہے، لوگ اس کے ذریعہ اپنے کسی بزرگ ہستی یا کسی عظیم واقعہ کی یاد دہانی کرتے ہیں، مثلاً مسیحی سن کی بنیاد سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یوم ولادت ہے، یہودی سن فلسطین پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی جیسے ایک پر شوکت واقعہ سے وابستہ ہے، بکرمی سن راجہ بکرماجیت کی یادگار ہے، رومی سن سکندر فاتح اعظم کی پیدائش کو واضح کرتا ہے۔ غرض سبھی کے سن و تاریخ کوئی نہ کوئی عظیم الشان ہستی کی یاد یا کسی عظیم واقعہ سے وابستہ ہیں، مذہب اسلام پر بھی بہت سے حالات آئے، بہت ساری خوشیاں میسر ہوئیں، ایک سے بڑھ کر ایک فتوحات نصیب ہوئیں، بڑی بڑی قدآور شخصیتیں پیدا ہوئیں، مگر ان سب سے قطع نظر مسلمانوں نے اپنی یاد دہانی کی بنیاد ایک ایسے واقعہ پر رکھی جس میں کوئی فخر و افتخار نہیں، کسی قسم کا شوق و اظہار نہیں، کسی فتح مبین کا ذکر و تذکار نہیں، بلکہ ایک ایسی مظلومیت کی درد بھری داستان کی یاد دہانی کراتا ہے، جو صبر و استقلال کا سبق سکھاتا ہے۔ اور وہ ہے واقعہ ہجرت۔

واقعہ ہجرت سے سبق لیں

یہ ہجرت کا واقعہ کیوں پیش آیا؟ اس کے وجوہات کیا تھے؟ کیا اس میں کوئی عزت و ناموس پوشیدہ تھی؟ کیا جاہ و منصب مطمح تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے، عبد کا معبود سے رشتہ جوڑنے کے لئے یہ ہجرت کا عظیم واقعہ پیش آیا -- جب سرزمین مکہ میں مسلمانوں پر خدا کا نام لینے پر قدغن لگادی گئی، ہر طرف سے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مشورے ہونے لگے، بعد

مشورہ کفار نے بغرض قتل آپ ﷺ کے آستانے کا محاصرہ کرلیا، اس وقت رب العزت نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ ان ناقدروں کے مقام سے ہجرت فرمالیجیے۔ چنانچہ اللہ کے لاڈلے نبی ﷺ اور ان کے جاں نثار صحابی حضرت ابوبکر صدیقؓ دونوں اپنے جان و مال کی بازی لگاتے ہوئے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جارہے ہیں، کفار آپ کی تلاش میں تعاقب کئے ہوئے ہیں، قریب ہے کہ آپ ﷺ تک پہنچ جائیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ گھبرا جاتے ہیں، اسی واقعہ کی منظرکشی کرتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اگر تم رسول ﷺ کی مدد نہ کروگے تو (نہ کرو) اللہ تعالیٰ (خود کافی ہے اور اس) نے آپ کی مدد اس وقت فرمائی جب کہ آپ کو کفار نے مکہ سے نکال دیا تھا۔ جب کہ دو آدمیوں میں دوسرے تھے جس وقت کی وہ دونوں غار میں تھے جب آپ ﷺ اپنے یار (غار) سے فرمارہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو بالیقین اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ (سورہ توبہ، آیت، ۴۰)

سن ہجری اسی مظلومیت کے واقعہ کی ایک زندہ مثال ہے۔ یہ ہجرت کا سانحہ ہمیں بار بار یہ درس دیتا ہے کہ جب ہر طرف سے مصائب و بلیات کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، غیر تو غیر اپنے عزیز واقارت تک بھی قتل کے منصوبے بنانے لگیں، باطل، حق کی آواز کو دبانے اور اسے مٹانے کے لئے پوری کوشش صرف کرنے لگے، اس وقت یہ نہیں کہ انہیں میں گھل مل کر مصالحت کرلی جائے، مداہنت وغلط رواداری سے کام لیا جائے، اپنے نظریات میں لچک پیدا کرلی جائے، بلکہ اس وقت پورے حوصلے و جوانمردی کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کیا جائے، سروتن کی بازی لگادی جائے اور آخر میں جب سب کچھ کرکے تھک ہار جائے تو ایسی بستی، ایسے شہر کے لوگوں پر اتمام حجت کرکے وہاں سے ہجرت کرجائے۔

اسلامی تاریخ کا آغاز واقعہ ہجرت سے ہو

اس واقعہ ہجرت کے سترہ سال بعد جب کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ شباب پر تھا، نہایت شان وشوکت کے ساتھ فتوحات ہورہیں تھی، ممالک اسلامیہ کی وسعت ہوگئی تھی، اسلامی حکومت کافی پھیل چکی تھی، ہر ریاست میں عمال وحکام مقرر کئے جارہے تھے، دفاتر کا

قیام بکثرت ہو چکا تھا، خلیفۃ المسلمین کی طرف سے احکام و ہدایات بھیجی جا رہی تھیں، اسی دوران بعض وجوہ کی بناء پر حضرتِ ابوموسیٰ اشعریؓ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے پاس یمن سے لکھا کہ:

"آپ کے خطوط آتے ہیں اس میں تاریخ نہیں ہوتی، جس سے ہم کو دشواری پیش آتی ہے آئندہ سے خطوط پر تاریخ تحریر فرما دیا کریں۔"

اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اسلامی سن کا آغاز ہونا چاہئے، چنانچہ اسلامی سال و ماہ کی تعیین کے لئے حضرات صحابہؓ کی ایک مجلس منعقد کی گئی اور اس سلسلے میں سبھی کی رائے طلب کی گئی اور سب نے اپنے اپنے خیالات پیش کئے، اس مجلس کی رو داد اور حضرات صحابہ کے مشورے، حضرت ابن عباسؓ یوں بیان فرماتے ہیں۔

"جب حضرت عمرؓ نے تاریخ مقرر کرنے کا پختہ عزم کر لیا تو صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے مشورہ طلب فرمایا، حضرت سعد بن وقاصؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی وفات سے تاریخ مقرر کی جائے، حضرت طلحہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی بعثت سے، اور حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کی ہجرت سے، کیونکہ اس سے حق و باطل کے درمیان امتیاز قائم ہوا ہے، اور بعض نے آپ ﷺ کی ولادت اور بعض نے آپ ﷺ کی نبوت سے تاریخ مقرر کرنے کا مشورہ دیا، بعض کہنے والوں نے کہا کہ ایرانیوں کی طرح تاریخ مقرر کی جائے لیکن اس کو اچھا نہیں سمجھا گیا۔ اہل ایران یکے بعد دیگرے بادشاہوں سے تاریخ مقرر کرتے تھے، بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ رومیوں کی تاریخ سے اپنی تاریخ شروع کی جائے ان کی تاریخ بادشاہ اسکندر بن فلبس مقدونی سے مقرر تھی اس کو بھی اچھا نہیں سمجھا گیا۔"

(مستفاد از اسلامی تاریخ بحوالہ البدایہ والنہایہ، ج ۱، ص ۲۰۶)

الحاصل حضرت علیؓ کے مشورہ کو پسند کیا گیا اور سبھی نے بیک زبان اس کا خیر مقدم کیا۔ واتفقوا علی قول علیؓ (عینی، ج ۷، ص ۶۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ پاکستان)

چنانچہ حضرت عمرؓ نے متفقہ رائے کے مطابق فرمان جاری فرمادیا[1] کہ اسلامی سال کا آغاز واقعہ ہجرت سے کیا جائے۔

سال کے تعین کے بعد ماہ سے متعلق مشورہ کیا گیا کہ سن ہجری کا آغاز کس ماہ سے کیا جائے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ فرماتے ہیں:

''پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ کون سے مہینہ سے تاریخ کا سال شروع کریں تو بعض حضرات نے رجب کے بارے میں کہا اور کسی نے کہا رمضان سے حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ محرم سے ابتداء تاریخ کی جائے چونکہ وہ محترم مہینہ ہے اور سال کا شروع ہے، لوگوں کے حج سے واپس آنے کا وقت ہے۔

(آگے صاحب فتح الباری فرماتے ہیں)

مجموعہ آثار سے مستفاد ہوتا ہے کہ ماہ محرم سے سنہ ہجری کے آغاز کے بارے میں حضرت عمرؓ عثمانؓ وعلیؓ (تینوں کی رائے تھی۔

(فتح الباری، ج ۷، ص ۲۶۹، مطبوعہ دار الفکر)

الغرض محرم الحرام کو سال کا مبداء تسلیم کرلیا گیا اور اس طرح وہ سال ہجرت کا پہلا سال اور محرم الحرام ہجرت کے سال کا پہلا مہینہ قرار پایا۔

غیروں کی زبانوں وتاریخ کا استعمال ذہنی مرعوبیت ہے

مجلس مشاورت میں بعض لوگوں نے اس وقت کے رائج ماہ و سال کے اجراء کا مشورہ دیا اور بعض حضرات نے اہل فارس و روم کی تقویم رائج کرنے کی رائے دی مگر ان سبھی کو حضرت عمرؓ نے تسلیم نہیں فرمایا کیونکہ ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات رچی بسی تھی اور آپ ﷺ کا یہ قول ان کے سامنے تھا کہ ''مسلمانو! دوسری قوم کی اتباع نہ کرو'' نیز آپ سال کے تعین کے بعد ماہ سے متعلق مشورہ کیا گیا کہ سن ہجری کا آغاز کس ماہ سے کا یہ فرمان آپ کے نظروں کے سامنے تھا کہ ''لا یغلبنکم الاعراب علی اسم العشاء الآخرۃ کانوا

(۱) فقعلہ عمرؓ فتح الباری صفحہ ۲۶۹، ج ۷ مطبوعہ دار الفقہ)

یسمونها العتمة" (تم پر اعراب (گاؤں کے رہنے والے لوگ) عشاء کے نام کے سلسلہ میں غالب نہ آجائیں وہ عشاء کا نام عتمہ رکھتے ہیں) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہلاء عرب کے لفظ عتمہ کا تلفظ کرنا گوارہ نہ فرمایا تو بھلا صحابہ کرامؓ اہل فارس و روم کی تقویم کو کیسے گوارہ فرمالیتے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ و حضرت عثمان غنیؓ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے اعلان فرمادیا کہ اسلامی سال کا آغاز واقعہ ہجرت سے اور اس کے ماہ کی ابتداء ماہ محرم الحرام سے کی جائے۔

نئے سال کی مبارکباد محرم میں دیجئے

آج ذرا ہم اپنا محاسبہ کریں کہ ہم اسلام اور شعائر اسلام سے کتنے دور ہو گئے ہیں، ہمارے پاس ساری نعمتیں موجود مگر پھر بھی ہم دوسروں کے محتاج بنے ہیں، زبان سے خواہ کتنا ہی مغربی تہذیب کی برائی کریں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دل و دماغ، قلب و نظر ہماری تہذیب و معاشرت، رہن سہن، لباس و پوشاک سب پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہم سر سے پیر تک مغربی سامراج کے غلام ہیں۔ دور نہ جائیے ابھی دو تین ماہ کا عرصہ ہوا یکم جنوری ۲۰۰۳ء کو ہم نے آپس میں خوب شوق سے مبارک بادی کا لین دین کیا اور نیا سال مبارک ہو کے الفاظ بہت فخر سے استعمال کئے۔ افسوس! کہ آج وہ مسلمان جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک کامل و مکمل دین سے سرفراز فرمایا غیروں کی نقالی کرتا پھر رہا ہے، اپنے بارہ مہینوں کو چھوڑ کر غیر مذہبی ماہ و سال پر مبارک بادی کا تبادلہ کر رہا ہے، اور وہ بھی ایسے ناقابل عمل کفر و شرک سے بھرپور ماہ و سال کہ جس کے تصور ہی سے سر شرم سے جھک جانا چاہئے تھا، حیف! ایک کلمہ گو مسلمان اس کفر و شرک کی یادگار کو زندہ کر رہا ہے، صرف زندہ ہی نہیں بلکہ قابل مبارک باد سمجھ رہا ہے۔

عیسوی مہینوں کے نام مع وجہ تسمیہ اگر آپ دیکھیں تو اکثر و بیشتر دیوی دیوتاؤں یا پھر فاسق و فاجر بادشاہوں کی یاد میں رکھے ہوئے ہیں، ان ناموں کی مزید تفصیل دیکھنا چاہیں تو جناب مفتی عبدالقدوس صاحب رومی مدظلہ کا مضمون (۱۴۲۳ھ یکم محرم الحرام کو آغاز، نیا سال مبارک ہو) ملاحظہ فرمائیں اور خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا ان مہینوں کا استعمال کسی مومن کے لئے صحیح ہے؟ اور مزید اس کے آمد پر مبارک بادی کا تبادلہ جائز ہے یا ناجائز؟

ضرورت کے وقت انگریزی الفاظ تاریخ لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ یہاں

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مہینوں کا استعمال مطلقاً درست نہیں یا بوقت ضرورت درست ہے، سو اس سلسلے میں شریعت کا قانون کلیہ ہے کہ "الضرورت تبیح المحظورات" کہ ضرورت ناجائز چیز کو بھی جائز بنا دیتی ہے، اس قاعدہ کے موافق بوقت ضرورت انگریزی تاریخ استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسے غیروں سے تجارتی لین دین یا پاسپورٹ وغیرہ، ایسی ضرورتوں کے مواقع میں شمسی تاریخ کا استعمال بلا کراہت جائز ہے، چنانچہ اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

> "ہم لوگوں کو اپنے روزمرہ میں عربی مہینوں کا استعمال کرنا چاہیے، ہاں ضرورت کے موقع میں دوسرے مہینوں کے استعمال کا مضائقہ نہیں (مثلاً منی آڈر پر دستخط کرنا ہو یا کوئی عدالتی کاغذ وغیرہ وغیرہ) باقی روزمرہ کی بول چال اور باہمی خط وکتابت میں عربی مہینوں کا ہی استعمال کرنا چاہیے۔" الخ (العلم والعلماء)

مذکورہ بالا سطور سے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ مسلمانوں کو اپنے ذاتی حساب وکتاب نیز باہمی طور پر ذاتی معاملات و دیگر تقریبات وغیرہ اسلامی تاریخ سے ہی کرنا چاہیے اس لئے کہ اسلامی سن و تاریخ کی حیثیت جہاں فرض کفایہ اور شعائر اسلام کی ہے وہیں حضرت عمر فاروقؓ کی ایک عظیم الشان یادگار اور شاندار کارنامہ بھی ہے۔ جو رہتی دنیا تک ملی وقومی تشخص کا علم بردار اور تاریخ اسلام کا ایک زریں شاہکار ہے۔

محرم غم وماتم کا مہینہ نہیں بلکہ خوشیوں کا مہینہ ہے

ماہ محرم شروع ہوتے ہی آپ کو کچھ ایسے افراد بھی دکھائی دیں گے جو محرم کا چاند طلوع ہوتے ہی گریہ وزاری کرتے منہ نوچتے سینہ کوٹتے، کالا کپڑا پہنے، الٹی چارپائی پر بیٹھے، اور اسی طرح کی نہ معلوم کیسی کیسی حرکتیں کرتے نظر آئیں گے، حالانکہ ماہ محرم الحرام حق تعالیٰ کی خصوصی توجہات کا محل ہے، محرم تحریم سے ماخوذ ہے اور تحریم کے ایک معنی تعظیم کرنے کے بھی آتے ہیں، تو اس طرح محرم پورا کا پورا عظمت و برکت والا مہینہ ہے اس کی بہت سی وجوہ ہیں، مثلاً یکم محرم الحرام ہی کو دیکھ لیں اس میں کیسے کیسے انقلاب آفریں واقعات رونما ہوئے اس کی چند مثالیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس سے اس کی عظمت و فضیلت کا بحسن خوبی

اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً یکم محرم کو حضور ﷺ کا نکاح حضرت صفیہؓ سے ہوا اور حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے نیز ام کلثومؓ (بنت رسول اللہ ﷺ) کا بھی نکاح یکم محرم ہی کو ہوا، علاوہ ازیں حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آغاز اور حضرت امیر معاویہ کی امارت یکم محرم ہی کو عمل میں آئی، عاملین زکوۃ و اسلامی ریاست کی طرف سے سفیروں کا باقاعدہ تقرر بھی اسی تاریخ کو ہوا نیز آپ ﷺ کی طرف سے سلاطین کو دعوت اسلام کا عمل بھی یکم محرم الحرام کو وقوع پذیر ہوا[1]۔ یہ سارے واقعات و مناکحات یکم محرم الحرام کی عظمت و فضیلت پر شاہد ہیں۔

ماہ محرم کی بدعات و خرافات

الغرض ماہ محرم کو غم و ماتم کا مہینہ سمجھنا، گریہ و زاری کرنا، تعزیہ بنانا، اس ماہ میں شادی و بیاہ کو غلط سمجھنا یہ سب اسلامی تعلیمات کے منافی اور باطل اعمال ہیں جس کا کہیں سے کوئی ثبوت نہیں، ہر مومن کو ان بدعات و خرافات سے احتراز کرنا چاہیے اور انہیں یک لخت چھوڑ کر اس ماہ کے جو مسنون اعمال و اذکار ہیں انہیں حرز جان بنانا چاہیے مثلاً نو دس یا دس گیارہ کا ملا کر روزہ رکھنا اہل و عیال کے نفقہ میں فراخی کرنا، ان کے علاوہ دیگر وہ امور جو اس دن مسنون ہیں انہیں عمل میں لانے کے ساتھ ساتھ چاند دیکھنے کا بھی اہتمام کیا جائے اور محرم الحرام کا استقبال بتقاضائے فطرت، خوشی و مسرت کے ساتھ کیا جائے تاکہ اس ماہ کے فیوض و برکات سے حسنات کی توفیق اور سیئیات سے اجتناب نصیب ہو کر یہ مہینہ صحیح معنوں میں ہمارے لئے امن و سلامتی و صلح و آشتی کا پیامبر ثابت ہو سکے اور ہجری سال نو کی حقیقی مسرتوں میں ڈوب کر ہم کہہ سکیں۔ نیا سال "مبارک ہو"

(مفتاح الخیر جلد ۱/ شمارہ ۱،۳، ۲۰۰۳ء)

(۱) یکم محرم الحرام کے تاریخی واقعات مولانا عمر فاروق کے مضمون "محرم الحرام" سے ماخوذ ہیں۔

ربیع الاول کا پیغام!

ماہِ ربیع الاول ہر سال اپنے ساتھ دو عظیم واقعہ کی یادیں لے کر جلوہ فگن ہوتا ہے، ایک آپ ﷺ کی ولادت اور دوسرے وفات۔

محمد کی آمد بشیر آنذیرا

حضور اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے ساری دنیا میں ہر طرف شراب خوری، قمار بازی، بے حیائی، بے شرمی، غداری، دغابازی، الغرض برائیوں کی گھنگور گھٹائیں ہر سمت چھائی ہوئی تھیں، ہر طرف تاریکی اور خزاں در خزاں کا دور دورہ تھا۔ خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب رات کی ظلمت و تاریکی اپنی حدود سے متجاوز ہو جاتی ہیں تو صبح صادق پورے آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ اسی طرح اس پر فتن دور میں آپ ﷺ کی تشریف آوری ایک موسم پر بہار ثابت ہوئی۔ آپ کی آمد سے سارا عالم خوشی سے جھوم اٹھا، صدیوں سے مرجھائی ہوئی کلیاں کھل اٹھیں، باغ عالم کا پتہ پتہ رقص کرنے لگا۔ کیوں؟ اس لئے کہ آج اجڑے چمن میں بہار آگئی، دعاء خلیلؑ اور نوید مسیحا پوری ہوگئی، نبی آخر الزماں تشریف لائے اور ہر طرف مرحبا مرحبا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

محمد کی آمد بشیر آنذیرا   فصلوا علیہ کثیرا کثیرا

مسلمانوں کا سب سے بڑا غم آپ کی وفات ہے

ایک طرف نظر کیجیے تو خوشیوں اور شادمانیوں کا یہ عالم اور دوسری طرف دیکھئے تو اسی ماہ میں آپ ﷺ پردہ فرما رہے ہیں، آپ ﷺ کی ولادت پر جس قدر خوشی تھی، وفات پر اس سے کہیں زیادہ غم۔ آپ ﷺ کے جانثار صحابہؓ غم سے نڈھال، ہر طرف افراتفری کا سماں،

ہر کوئی مغموم و رنجیدہ، غموں کی تاب نہ لا کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول جذبات غم میں شمشیر بکف زخمی شیر کی طرح غم و غصہ میں بپھرے ہوئے کہتے ہیں: "من قال ان محمداً قد مات ارمیت عنقیہ بسیفی" "جو یہ کہے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو اس کی گردن اور میری تلوار ہوگی۔"

اس چیخ و پکار اور غم و اندوہ کے عالم میں ایک آواز سنائی دی وہ آواز تھی حضرت ابوبکر صدیق کی وہ فرما رہے تھے "ایھا الناس! من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت"

"اے لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ خوش رہے کہ اللہ تعالیٰ حی قیوم ہے۔"

یہ آواز کیا تھی ایک صدائے راحت و انبساط، جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے پژمردہ قلوب اور رنجیدہ دلوں میں اترتی چلی گئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید یہ آیت تلاوت فرمائی: "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افاِن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین"

یعنی "محمد بھی تو ایک رسول ہیں، ان سے قبل بہت سے رسول اور پیغمبر گذر چکے ہیں اور اگر وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اگر کوئی شخص پھر جائے تو وہ اللہ کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو جزاء عطا فرمائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں امت کو یہ پیغام دیا کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کی تکمیل کر کے اللہ کے جوار میں چلے گئے اب رونا دھونا بند کرو، جنون اور دیوانگی کا مظاہرہ کرنا چھوڑو، اپنے آقا کی سونپی ہوئی امانت کو سنبھالو، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خوشی یا جانے کے غم کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان کے مشن کو آگے بڑھایا جائے، ان کے نقوش و خطوط پر چل کر دکھایا جائے یہ ہمارا غم اور ہماری خوشی اسی وقت معتبر اور صحیح ہوگی جب ان کی مرضی کے مطابق ہو اور اگر ایسا نہیں تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس کا محبوب سخت پیاسا ہو

اور پانی طلب کر رہا ہو مگر عاشق یہ کہہ کر انکار کرتا ہے کہ ہمیں آپ سے بے حد محبت ہے، ہم آپ کو چھوڑ کر ہٹ نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ یہ محبت، محبت نہ ہوگی بلکہ اپنی خواہش کی تکمیل اور خود غرضی ہوگی۔ محبوب کو خوشی تو اس وقت ہوگی جب اس کی پیاس بجھائی جائے، اس کے تقاضوں کو روبعمل لایا جائے اور ہر کام وہر کام میں اس کی مرضی پیش نظر رہے۔

ابن مبارکؒ نے کیا خوب کہا۔

تعصی الرسول وانت تظهر حبه هذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبك صادقاً لا طعته ان المحب لمن یحب یطیع

تو رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے اور آپ کی محبت کا اظہار کرتا ہے، اپنی جان کی قسم یہ کاموں میں نادر کام ہے۔ اگر تیری محبت واقعی سچی ہے تو اس کی اطاعت کر کہ عاشق اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔

صحابہؓ نبی پاک ﷺ سے محبت کی ایک جھلک

حب صادق اور سچی محبت کا نمونہ دیکھنا ہو تو حضرات صحابہؓ کی زندگیوں کا مطالعہ فرمائیے کہ وہ آپ ﷺ پر کس قدر فدا تھے، اگر حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ! جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ اپنی جان گنوانا آسان مگر آپ ﷺ کی ایک ادنی سی سنت کو چھوڑنا ناممکن، عشق ومحبت کی ایسی نایاب مثالیں پیش کردیں کہ دنیا دیکھ کر دنگ رہ گئی اپنوں کا تو ذکر نہیں خود غیروں کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے آپ ﷺ حضرات صحابہ کے جھرمٹ میں بیٹھے ہیں۔ صحابہ کرام پروانہ وار آپ پر نثار ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ وضوء فرما رہے ہیں مگر کیا مجال کہ وضو کا پانی زمین پر گر جائے ہر صحابی کی پوری کوشش کہ پانی میرے ہاتھ میں گرے، سب لپک رہے ہیں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ لعاب دھن ان جانثاروں کے نزدیک دنیا ومافیہا سے بڑھ کر نعمت عظمیٰ ہے۔ آپ ﷺ کا لعاب کسی کے ہاتھ پر گرتا ہے تو وہ فوراً اسے چہرے پر ملنے لگتا ہے۔ آپ پر جانثاری اور فداکاری کے یہ مناظر دیکھ کر عروہ بن مسعود ثقفیؓ جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان اور مشرکین کے درمیان ثالثی کا فریضہ انجام دے رہے تھے، انھوں نے اس وقت نبی پاک ﷺ کے جانثاروں کا جو نظارہ دیکھا تو حیرت زدہ ہو کر مشرکین میں جا کر کہنے لگے۔

"اے لوگو! اللہ کی قسم میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں (مگر) بخدا میں نے کبھی کہیں کسی بھی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اس کی اتنی قدر اور عزت کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے صحابہؓ محمد ﷺ کی عظمت کرتے ہیں، قسم بخدا محمد ﷺ کا تھوک ان میں سے کسی آدمی کے ہاتھ پر ہی گرتا ہے جسے وہ اپنے چہروں اور بدن پر لگا لیتا ہے اور جب آپ ان کو کوئی حکم کرتے ہیں تو وہ اس کو بجالانے میں جلدی کرتے ہیں اور جب آپ وضو فرماتے ہیں تو آپ کے وضو کے مستعمل پانی کو لینے کے لئے ان میں جھگڑا سا ہونے لگتا ہے اور جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو وہ آپ کے دربار میں اپنی آواز پست کر لیتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ آپ کی انتہائی عظمت کی بناء پر وہ آپ کی طرف نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتے۔" (بخاری شریف، ج ا،ص ۳۷۹)

یہ تھی حضرات صحابہ کی محبت و عظمت کی ایک جھلک اس طرح کی ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد میں حضرات صحابہؓ کی محبت کی مثالیں ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں۔

حضرات صحابہؓ اور ماہ ربیع الاول

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضرات صحابہؓ کے زمانے میں ماہ ربیع الاول آیا، یا نہیں، اگر آیا تو ان پاکیزہ نفوس و قدسی صفات حضرات نے اس ماہ میں کیا کیا۔ کیا ہماری طرح صرف نبی پاک ﷺ کی ولادت کا جشن منایا، یا وفات کا ماتم کیا۔ عید میلاد کے بڑے بڑے جلسے کیے، یا رنگ برنگ کی جھنڈیاں لگائیں۔ کئی کئی میل لمبے جلوس نکالے یا چراغاں کرنے کے اشتہارات چسپاں کیے، خانہ کعبہ و روضۂ اقدس کی شبیہیں بنائیں یا سیرۃ النبی اور نعرۂ رسالت کے فلک شگاف نعرے لگائے۔

ہم نے اسے تلاش کرنے کے لئے جب حضرات صحا بہ تابعین، تبع تابعین اور اولیاء عظام کی زندگیوں کا مطالعہ کیا تو وہاں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی، نہ وہاں شور و شغف نظر آیا نہ یہ رواجی جلسے جلوس ملے وہاں تو ان کی پوری زندگی ہی عید میلاد کا جلسہ تھا وہ اپنے ہر قول ہر فعل سے سراپا سیرۃ النبی ﷺ تھے، خود آپ ﷺ کی زندگی میں بعثت سے پہلے چالیس بار اور زمانۂ نبوت میں تیئس دفعہ ربیع الاول آیا، اور گیا، مگر پورے ذخیرۂ حدیث میں

کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جن سے ان رواجی جلسے جلوس کو ثبوت ملتا ہو۔آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں دو بار، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں دس یا گیارہ دفعہ، حضرت عثمان ذی النورینؓ کے زمانۂ خلافت میں چودہ مرتبہ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے زمانہ خلافت میں پانچ چھ دفعہ ربیع الاول آیا، مگر ان عشاق رسول ﷺ کے زمانے میں بھی اس طرح کی رواجی چیزیں نظر نہیں آتیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم ان حضرات سے بھی زیادہ عشق رسول ﷺ رکھتے ہیں اور کیا؟ (نعوذ باللہ) انھیں اس درجہ محبت نہیں تھی۔

زندہ امتیں اپنے عمل سے ثبوت پیش کرتی ہیں

دراصل بات یہ ہے کہ ہر نبی کی امت کے دو دور ہوتے ہیں۔ایک دور تو وہ ہوتا ہے کہ ان کے امتی ان کے بتائے ہوئے راستوں اور نقوش وخطوط پر چلتے ہیں اس وقت ان کا ہر عمل یہاں تک کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، ان کے ساتھ عقیدت ومحبت کی گواہی دیتا ہے۔اس وقت انھیں کسی بناوٹی ومصنوعی طریقہ سے اظہار محبت کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی۔اور دوسرا دور وہ ہوتا ہے جب امت ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چھوڑ دیتی ہے، فقط نام کا رشتہ باقی رہ جاتا ہے، اس وقت وہ اپنے نبی سے رشتہ جوڑنے کے لئے طرح طرح کی رواجی چیزیں عمل میں لاتے ہیں۔ان کے فضائل ومناقب بیان کر کے انھیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، نعرہ بازی کے ذریعہ اپنے امتی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرۃ النبی ﷺ کی محفل ایک مبارک ومسعود محفل ہے، ہماری ہر نشست وبرخاست اور ہماری زندگی کا ہر ہر لمحہ سیرت کے مطابق ہونا چاہیے۔یہ نہیں کہ ایک خاص وقت میں خاص دنوں میں اور خاص محفلوں کو سیرۃ النبی کا عنوان دے کر کرلیا اور بس، بلکہ ہماری زندگی کی ہر ساعت سیرت طیبہ سے معمور ہونی چاہیے۔فقط رسمی مظاہروں، جلسے جلوسوں اور زبانی جمع خرچ کا نام سیرۃ النبی نہیں۔بقول شاعر ؎

یہ سچ ہے کہ میلاد و سیرت کے جلسے   بظاہر ہیں بام سعادت کے زینے
یہ سچ ہے کہ نعت محمد کے موتی   ہیں ایماں کی انگشتری کے نگینے

مگر اے قصیدہ گرو! یہ تو سوچو کہ بے روح لفظوں کی قیمت ہی کیا ہے
بنے ہیں کہیں نقش آبِ رواں پر چلے ہیں کہیں خشکیوں پر سفینے

ربیع الاول کا پیغام

ماہ ربیع الاول ہر سال ہمیں پکار پکار کر یہ پیغام دیتا ہے کہ اے مسلمانو! اے ایمان دارو! اے نبی پاک کے فرزانو! اے دین کے متوالو! اے رسالت کے نعرہ بازو! اے سیرۃ النبی کے جلسہ سازو! سیرۃ النبی کو اپنی زندگیوں میں بساؤ، اپنی سیرت وصورت، اپنے طور طریق، اپنے رہن سہن، اپنی بود و باش، اپنے اخلاق و اطوار، اپنی نشست و برخاست، اپنی معاشرت و معاملات، اپنی عادات وعبادات، اپنی زندگی کی ہر ہر سانس سنت وشریعت کے مطابق بناؤ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر دکھاؤ مگر افسوس کہ ہم اپنے طرز عمل سے اپنے اخلاق وعادات سے یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نبی پاک کے عاشق زار ہیں، ہمیں آپ سے بے حد محبت ہے، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا جشن منانے کے لئے تیار ہیں، ہم سے جلوس چاہے جتنا لمبا نکلوالو، جشن ایک نہیں چاہے جتنی بار کروالو، نعرۂ رسالت چاہے جتنی زور سے لگوالو، مگر ہم سے سنت پر چلنے اور شریعت پر عمل کرنے کا مطالبہ نہ کرو، ہم تو مسلمان ہیں فقط نام کے مسلمان!

اب اس نظر سے جانچ کے کر تو یہ فیصلہ (۱)
کیا کرنا چاہیے تجھے کیا کیا نہ چاہیے

(مجذوبؒ)

اللہ تعالیٰ ہمیں سیرۃ طیبہ کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
آمین ثم آمین)

(مفتاح الخیر جلد ۲ رشمارہ ۹ر۱۰ر ۲۰۰۴ء)

یہ امت خرافات میں کھو گئی!

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ جب رجب کا چاند دیکھتے تو یہ دعا فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ۔

یعنی اے میرے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں (اپنے فضل و کرم سے) رمضان تک پہنچا دے۔

نبی اکرم شفیع اعظم ﷺ یہ دعا رمضان المبارک کے اشتیاق میں فرمایا کرتے تھے اور اس دعا سے مراد یہ ہوا کرتی تھی کہ اے میرے اللہ! میری عمر اتنی دراز کر دیجیے کہ ہم رمضان کو پالیں، آپ ﷺ یہ دعا، محض طاعات وعبادات کے شوق و ذوق میں فرمایا کرتے تھے اور اپنی امت کے لئے بھی یہی تعلیم فرمائی۔

مگر ہماری بدقسمتی کو کیا کہیے! کہ ہمیں اس ماہ میں جو کچھ کرنا چاہیے وہ تو کرتے نہیں البتہ دیگر مہینوں کی طرح اس ماہ مبارک میں بھی طرح طرح کی بدعات وخرافات اپنی طرف سے گڑھ کر اس پر اس شدت کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں کہ جس طرح فرض وواجب میں ہونا چاہیے۔

معراج کب ہوئی؟

مثلاً اس ماہ کی ستائیسویں شب کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ یہ معراج کی رات ہے۔ اور اسی رات کو معراج کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے، حالانکہ معراج شریف سے متعلق حضرات محدثین کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱) بعض کے نزدیک شب معراج ربیع الاول میں ہوئی۔ (۲) بعض کے نزدیک ربیع الآخر میں ہوئی۔ (۳) بعض کے نزدیک رجب میں ہوئی۔ (۴) بعض کے نزدیک

رمضان میں ہوئی۔(۵) بعض کے نزدیک شوال میں ہوئی ہے، جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱ص ۳۵۵ پر ارشاد فرماتے ہیں۔ان اقوال کے ہوتے ہوئے یقینی طور پر یہ سمجھنا کہ ۲۷ رجب ہی کو معراج شریف ہوئی تھی، اسی کو صحیح سمجھنا اور اسی کا عقیدہ رکھنا کہاں صحیح ہے؟ مزید برآں اس کے ساتھ اہتمام والتزام کا معاملہ کرنا، خاص خاص نمازوں کا اہتمام کرنا اور پھر اس میں بھی سورت و رکعات کی تعین کرنا، جیسا کی عوام میں مروج ہے کسی طرح جائز نہیں۔

شب معراج میں مخصوص، عبادات کا کوئی ثبوت نہیں ہے

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعہ معراج کے بعد خود نبی پاک ﷺ کے زمانے میں ۱۸ مرتبہ شب معراج کی تاریخ آئی تو کیا آپ نے اس شب کے بارے میں کوئی خاص حکم دیا ہے یا آپ کے جانثاران صحابہ، تابعین، تبع تابعین نے اس شب میں کسی عبادت کا اہتمام کیا ہے؟ پورے ذخیرہ حدیث میں کوئی ایسی روایت نہیں ملتی کہ ان بندگان خدا نے اس دن کسی خاص عبادت کا اہتمام کیا ہو، تو کیا ہم ان عشاق رسول سے زیادہ عاشق رسول ہیں، ہمیں ان سے زیادہ دین کا پاس ولحاظ ہے؟

دراصل بات یہ ہے کہ ہم خود ساختہ اہتمام والتزام کے خوگر ہو گئے ہیں۔نقل پر بھاگتے ہیں اصل کا پتہ نہیں لگاتے۔

پھر اس پر یہ کہنا کہ ہم نے عبادت ہی تو کی ہے چوری نہیں کی ہے، ڈاکہ نہیں ڈالا۔

بظاہر یہ تاویل بہت اچھی معلوم ہوتی ہے، مگر حقیقتاً یہ بہت خطرناک ہے۔ دین نام ہے اتباع شریعت کا۔جس چیز کی شریعت نے اجازت نہ دی ہو از خود گڑھ لینا اس کا نام دین نہیں ہے۔ یہ تاویل شیطانی اور تسویل نفسانی ہے۔اسی کو بدعت کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے" کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" یعنی دین میں ہر نئی نکالی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے، دراصل بات یہ ہے کہ بدعات میں نفس کو بہت مزہ ملتا ہے اور ہم مزے کے عادی ہو چکے ہیں، صحیح بات تو یہ ہے کہ ہمارے پیش نظر تو ہر وقت یہ ہونا چاہئے کہ۔

جو وہ حکم دیں تو حلال ہے، جو وہ روک دیں تو حرام ہے

بغیر ان کی مرضیٔ پاک کے نہ حلال ہے نہ حرام ہے

ہزاری روزے کی کوئی حقیقت نہیں

۲۷ رجب کی شب میں نماز و دیگر عبادات کی طرح دن میں روزہ بھی رکھنے کا عام رواج ہے اور عوام اس ایک روزے کا ثواب ہزار روزوں کے برابر خیال کرتے ہیں، اسی لئے اس روزہ کو ہزاری روزہ کہا جاتا ہے۔ عہد صحابہ میں بھی اس کا رواج ہو گیا تھا، مگر حضرت عمرؓ کو جب پتا چلا تو آپ نے لوگوں کے زبردستی روزے کھلوائے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

> حضرت خرشہ ابن حر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ رجب کے روزہ داروں کو پکڑ کر کھانا کھلاتے تھے اور فرماتے تھے یہ رجب یہ رجب کیا چیز ہے؟ سنو! رجب وہ مہینہ ہے جسے ایام جاہلیت میں معظم مانا جاتا تھا، لیکن اسلام نے اس کو ترک کر دیا۔ (ماثبت بالسنہ، ص ۲۴۰)

حضرت عمرؓ کے اس فرمان عالی شان سے معلوم ہوا کہ یہ روزہ جسے ہزاری روزے نام سے جانا جاتا ہے اس کی از روئے شرع کوئی حقیقت و حیثیت نہیں ہے۔

رجب ہی سے رمضان کی تیاری میں لگ جاتے ہیں

حاصل کلام یہ ہے کہ جب رجب کا چاند نظر آجائے تو رجب ہی سے رمضان المبارک کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دے، مثلاً گناہوں سے حفاظت، عبادت کا اہتمام، صحت کی حفاظت، کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے صحت جسمانی یا روحانی میں کمی واقع ہو، تاکہ رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ طاعات و عبادات کی طرف رجحان پیدا ہو جائے۔ اسی بات کی دعا نبی پاک ﷺ ماہ رجب کا چاند دیکھ کر فرمایا کرتے تھے، جیسے اوپر بیان کیا گیا۔

ماہ شعبان رمضان کا مقدمہ ہے

اسی طرح نبی پاک ﷺ نے رجب کے ساتھ ماہ شعبان میں بھی برکت کی دعا فرمائی، رجب کی طرح شعبان بھی رمضان المبارک کا مقدمہ ہے، بلکہ یہ تو رجب سے بھی زیادہ قریب ہے، اسی لئے اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ نبی پاک ﷺ اس ماہ میں

کثرت سے روزہ رکھنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

شب برأت کا ثبوت

اس ماہ میں ایک رات ہے جسے شب برأت کے نام سے جانا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں چھٹکارے کی رات، آج کل بعض نافہموں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ شب برأت کی کوئی حقیقت نہیں، پندرہ شعبان کے روزے کی سنیت ثابت نہیں، اسی طرح شب برأت میں قبرستان جانے والی روایات از حد ضعیف ہیں۔ وغیرہ وغیرہ، لیکن یہ باتیں صحیح نہیں ہیں۔ شب برأت کی حقیقت اور اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس دن کا روزہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبرستان جانا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ افراط تفریط ہر شی میں بری ہے، کوئی بھی چیز جب اپنی حد سے متجاوز ہو جائے گی تو اس میں خرابی کا پیدا ہونا لازم وضروری ہے۔

غلو خواہ کسی چیز میں بھی ہو ممنوع ہے

اسی طرح بعض لوگوں نے شب برأت میں بھی از حد غلو کر دیا ہے۔ مثلاً قبرستان جانا، اب اس میں اس طرح غلو ہو گیا ہے کہ لوگ جوق در جوق قبرستان جاتے ہیں اور قبرستان میں ایک میلے ٹھیلے کا سماں ہو جاتا ہے، البتہ یہ صحیح نہیں۔ اجتماعی طور پر وہاں جانا بھیڑ لگانا درست نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت چپکے سے جنت البقیع تشریف لے گئے کہ شریک فراش حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی بروقت احساس نہ ہوا، اس لئے فرادیٰ فرادیٰ بغیر کسی اہتمام کے رات کے کسی بھی حصہ میں قبرستان جانا چاہیے۔

رہا اس کے ثبوت کا مسئلہ تو یہ حدیث شریف سے ثابت ہے ایک طویل حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا عائشة أكنت تخافين ان يحيف الله عليك ورسوله بل اتاني جبرئيل عليه السلام فقال هذه الليلة ليلة النصف من شعبان والله فيها عتقاء من النار بعدد شعور غنم كلب.

اے عائشہ! کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ خدا اور خدا کا رسول تمہارا حق ماریں گے؟ (اصل بات یہ ہے کہ) جبرئیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ رات شعبان کی

پندرہویں رات ہے اور خداوند عالم اس رات میں بہت سے لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے، جو قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

روایت مذکورسے معلوم ہوا کہ شب برأت کی فضیلت ثابت ہے، لہٰذا اس رات میں زیادہ سے زیادہ ذکر و تسبیحات کا اہتمام کرنا چاہئے۔

آتش بازی حرام ہے

اور اگر دعا و مناجات نہیں کرتا تو کم از کم اس مبارک رات میں گناہ تو نہ کرے، اس لئے کہ جس چیز کی اہمیت و فضیلت زیادہ ہوتی ہے، جس میں ثواب زیادہ ہوتا ہے، اس میں گناہوں کا درجہ بھی اسی قدر بڑھ جاتا ہے، مثلاً رمضان المبارک میں ایک فرض کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے، تو اسی طرح ایک گناہ کا عذاب بھی اسی قدر بڑھنے کا مضر ہے تو اس لئے اس مبارک رات میں زیادہ سے زیادہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، مگر ہماری بدقسمتی! کہ ہم نے اس مبارک رات کو بھی نہ بخشا جہاں اس مبارک رات کی اتنی اہمیت و افادیت ہے وہیں اس رات میں ہم نے عجیب عجیب واہیات و خرافات ایجاد کرلی ہیں۔ مثلاً آتش بازی، کہ اس رات میں خوب پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں، لاکھوں اور کروڑوں روپیوں کو آگ لگا دی جاتی ہے، اس رات میں پٹاخے بازی کی اصل حقیقت تو راقم کو بھی معلوم نہیں کہ یہ کب سے اور کہاں سے شروع ہوئی، البتہ اپنے علاقے کے بعض جاہلوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس رات میں روحیں اپنی اپنی قبروں میں آتی ہیں تو کہیں یہ روحیں گھروں میں بھی نہ گھس جائیں، اس لئے پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

شب برأت میں روحیں قبروں میں آتی ہیں بے اصل بات ہے

اولاً تو اس کی کوئی اصل نہیں کہ اس رات میں روحین اپنی اپنی قبروں میں آتی ہیں۔ دراصل یہ رسم برادران وطن سے ہمارے یہاں بھی آگئی ہے۔ ہندوؤں کے یہاں دیوالی میں پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔ یہ شب برأت میں اس ادھار کو بے باق کرتے ہیں۔ اس میں ایمان و عقیدے کی خرابی کے ساتھ ساتھ خود عقل بھی تو اس کی اجازت نہیں دیتی، پھر اخبارات میں ان پٹاخوں سے کتنے نقصانات ہوتے ہیں اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔

بہر حال اس رسم بد پر سخت نوٹس کی ضرورت ہے ہر شخص اپنے اپنے گھر کا ذمہ دار ہے، بچوں کو سختی سے اس پر روک ٹوک کی جائے اور ان کے ذہن میں یہ بات بسائی جائے کہ یہ اسراف اور ناجائز وحرام ہے، اگر ہر شخص اپنی ذمہ داری سمجھ کر یہ فریضہ انجام دے تو بہت ممکن ہے کہ اس رسم بد کا سد باب ہو جائے۔

شب برأت میں چراغاں کرنا بدعت ہے

اسی طرح شب برأت کے موقع پر لوگوں نے یہ طریقہ بنا لیا ہے کہ مسجدوں میں، قبرستانوں میں، خوب خوب چراغاں کرتے ہیں، برقی لائٹیں مسجدوں اور قبرستانوں میں لگائی جاتی ہیں، قبرستانوں میں قلعی اور صاف صفائی کا اہتمام مہینوں پہلے ہونے لگتا ہے، مکانوں سے لے کر کھیت وکھلیان تک میں موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں، جو دراصل ہندوؤں کی دیوالی کی نقل ہے اور سخت ناجائز وحرام ہے۔ حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ اس رسم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

> علی ابن ابراہیم فرماتے ہیں کہ چراغاں اور روشنی کرنے کی ابتداء برامکہ سے ہوتی ہے، یہ لوگ آتش پرست تھے جب یہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے یہ رسم اسلام میں داخل کر دی۔" (ماثبت بالسنہ، ص ٣٦٣)

بہر حال اس کی ابتداء جس نے بھی کی ہو جیسے بھی ہوئی ہو یہ فضول اور بیکار رسم ہے، جس میں دین اور دنیا دونوں کا نقصان عیاں ہے، اس لئے اس سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔

شب برأت کی شرعی حیثیت اور اسکا حکم

اسی طرح شب برأت میں حلوے مانڈے کی رسم کو تو اس طرح لازم وضروری قرار دے دیا گیا ہے کہ بغیر اس کے شب برأت کا تصور ہی نہیں ہوتا، ایک دو نہیں کئی کئی قسم کے حلوے پکتے ہیں اور پھر آپسی تبادلہ کا منظر تو قابل دید ہوتا ہے، ادھر سے ایک سینی ادھر جا رہی ہے تو دوسری طرف سے کوئی دوسرا لئے چلا آ رہا ہے اور اس تبادلے کی سرگرمیاں بعد نماز مغرب ہی سے شروع ہو جاتی ہیں اور اس کی پابندی تو اس قدر ہو گئی یہ کہ بعض غریبوں کو اپنی

عزت بچانے کے لئے قرض لے کر یہ رسم ادا کرنی پڑتی ہے اور کمال تو یہ ہے کہ اس کے جواز میں "پیٹ بھرو ملا، اور جیب بھرو صوفی" نے ایسے ایسے دلائل گڑھ رکھے ہیں کہ سوچ کر وجدان کو ہنسی آتی ہے، ایک ایسا ہی "مولوی" اپنی تقریر میں کہتا ہے۔ دیوبندی شب برأت میں چینی کھانے کو جائز کہتے ہیں، سوجی کھانے کو جائز کہتے ہیں، گھی کھانا بھی اس دن جائز، مگر اگر ان سب کو ملا کر حلوہ بنا کر کھایا جائے تو ناجائز، عوام بے چاروں کو کیا معلوم وہ ایسی باتیں سن کر پھول کر کپا ہو جاتے ہیں اور ان تکبندیوں کو بہت بڑی دلیل سمجھتے ہیں۔

کئی سال قبل ایک دن میں نے ایک صاحب سے معلوم کیا کہ آخر یہ حلوے کیوں اتنے اہتمام والتزام سے پکائے جاتے ہیں، میرے اس سوال پر پہلے تو وہ متعجب ہوئے اور فرمایا مولانا ابھی تک آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ شب برأت میں حلوے کیوں پکتے ہیں، میں نے لاعلمی ظاہر کی تو بہت فخریہ انداز سے تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہوئے فرمایا کہ غزوۂ احد میں حضور اقدس ﷺ کا دانت مبارک شہید ہو گیا تھا اس وقت آپ نے حلوہ تناول فرمایا تھا ہم اس سنت کی یاد میں حلوے پکاتے ہیں اور اس کا فاتحہ دلاتے ہیں۔ کیا آپ کو یہ سنت معلوم نہیں ہے؟

بہر حال میں سوال کر کے پھنس گیا تھا، اس لئے ان کی سننی پڑ رہی تھی اور وہ صاحب تھے کہ خاموش ہونا جانتے ہی نہیں تھے، بالآخر ان صاحب نے بہت دیر تک حلوے کا بیان و بکھان جاری رکھا اور اس کی سنیت ثابت کرتے رہے، اس وقت میں خاموش رہا کہ مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں تھی، ایک روز حضرت مولانا عقیل الرحمن صاحب کے سامنے تذکرہ آیا تو فرمایا حضرت مجدد تھانویؒ نے اپنے بعض مواعظ میں اس کا یہ تحقیقی جواب عنایت فرمایا ہے کہ جنگ احد تو ماہ شوال میں ہوئی ہے اور حلوہ پکایا جا رہا ہے ماہ شعبان میں آخر دونوں میں کیا جوڑ ہے۔ بس گڑھی ہوئی بات ہے۔

بہر حال اس کی کچھ اصل نہیں، یہ ایک رسم ہے اور ثواب سمجھ کر کرنا کھلی ہوئی بدعت ہے، اس سے احتراز ہر مسلمان کے لئے لازم وضروری ہے۔ آج ہم نے ان لغویات و خرافات کو اس قدر سختی سے پکڑ لیا ہے کہ اصل حقیقت کا نام ونشان ملنا مشکل ہوتا ہے، حقیقت کو ہم نے روایات وخرافات میں گم کر دیا ہے، کسی نے خوب کہا۔

حقیقت روایات میں کھو گئی

یہ امت خرافات میں کھو گئی

اللّٰھم ارنا الحق حقا ارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه آمین۔ یارب العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(مفتاح الخیر جلد ۲۔ شمارہ ۱۳۔ ۱۴۔ سنہ ۲۰۰۴ء)

□□□

رسوماتِ شادی

مہندی لگانا

سوال:۔ لڑکوں کو مہندی لگانا، سہرا باندھنا، روپیوں کا ہار گلے میں ڈالنا کیسا ہے؟
جواب:۔ مردوں کے لئے مہندی لگانا جائز نہیں، بوجہ تشبیہ بالنساء، ہاں! اگر کوئی عذر ہو یا علاجاً جیسے خارش وغیرہ میں لگانا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، درست ہے، شامی میں ہے، ویستحب للرجل خضاب شعرہ ولحیۃ.قال ابن زین العابدین اللہ لایدیہ ولا رجلیہ فانہ مکروہ للتشبہ بالنساء (شامی رد المحتار ص ۲۹۹، ج ۵)۔
اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ولا ینبغی ان یخضب یدی الصبی الذکر ورجلیہ الا عند الحاجۃ ویجوز ذلک للنساء کذا فی الینابیع (عالمگیری ص ۳۵۹، ج ۵)

سہرا باندھنا

سہرا باندھنا اور گلے میں ہار ڈالنا ناجائز ہے اس لئے کہ اس میں کفار و فساق سے تشبیہ کے علاوہ اسراف بھی ہے۔

ابٹن ملنا

سوال: ۲۔ لڑکی اور لڑکے کو بٹنا یعنی جس کو بان یا ہلدی کسائی بھی بولتے ہیں کیسا ہے؟
جواب:۔ یہ بھی ایک رسم ہے جو ناجائز ہے لیکن اگر بلا پابندی رسم و رواج بدن کی صفائی اس کی نرمی کی مصلحت سے ابٹن ملا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، مگر چونکہ اس میں التزام کی صورت پیدا ہوگئی ہے اس لئے اس کا ترک ہی بہتر ہے، اس کے بجائے خوشبودار صابن وغیرہ کا استعمال لڑکا اور لڑکی خود بھی کر سکتے ہیں، اس سے بھی مقصد حاصل ہو جائے گا۔

مسجد کے مائک سے اعلان کرنا

سوال: ۳۔ مسجد کے مائک سے گم شدہ بچے کا اعلان کرنا کیسا ہے، درست ہے یا نہیں یا کسی شرط پر درست ہے؟
جواب:۔ اگر مسجد کا مائک مسجد کی موقوفہ آمدنی سے صرف اذان کی نیت سے خرید کر لایا گیا ہے تو پھر یہ مائک صرف اذان کے لئے وقف ہو گیا اس مائک پر دوسرے مقاصد

مثلاً طلوعِ آفتاب وغیرہ کا اعلان کرنا جائز نہیں، صرف اس پر اذان ہی دی جا سکتی ہے اور اگر مسجد کا مائک اہل محلہ کے چندہ سے خریدا گیا ہے یا کسی ایک آدمی نے مسجد کو دیا ہے تو اہل محلہ کی اجازت سے یا مائک دینے والے کی اجازت سے اذان کے علاوہ دوسرے اعلانات وغیرہ جائز ہونگے البتہ اذان کے علاوہ دوسرے اعلانات کرنے کی صورت میں مسجد کا مائک اور ہارن دونوں مسجد سے باہر رکھنا ضروری ہے مسجد کے حدود میں رکھ کر دیگر اعلانات کرنا مسجد کے ادب کے خلاف اور مکروہ ہے، شامی میں ہے شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة (درمختار مع الشامی: ص ۴۵۶، ج ۳)

داڑھی منڈے کی اذان واقامت اور اسے سلام کرنے کا شرعی حکم

سوال: ۴۔ کیا داڑھی کٹانے والا شخص اذان وتکبیر پڑھ سکتا ہے یا نہیں، داڑھی کٹانے والے کو سلام کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ داڑھی والا بغیر داڑھی والے کو سلام کر سکتا ہے یا نہیں؟ داڑھی کٹانے والا نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ داڑھی کتنی ہونی چاہئے؟

جواب:۔ ایک مشت داڑھی رکھنا شرعاً واجب ہے اور اس سے کم کرنا حرام ہے، صورت مسئولہ میں اگر وہ ایک مشت سے کم داڑھی کٹاتا ہے تو ایسا شخص فاسق معلن ہے، اس کی اذان واقامت مکروہ تحریمی اور اس کو سلام کرنا مکروہ ہے اور ایسا شخص لائق امامت نہیں، درمختار میں (قوله والسنة فيها القبضة) وهوان يقبض الرجل لحيته فمازاد منها على القبضة قطعه.اه (الدر المختار على هامش رد المختار: ص ۲۸۸، ج ۵ م، رشیدیہ پاکستان، اور درمختار على هامش رد المختار. ج ۱ ص ۲۸۹ پر ہے) ويكره اذان الجنب واقامة محدث لا اذانه ومرأة وفاسق الخ (رشیدیہ پاکستان) ويكره السلام على الفاسق لو معلنا والا لا كما يكره على عاجز عن الرد (الدر المختار على هامش رد المختار: ص ۲۹۴، ج ۵، مطبوعہ رشیدیہ پاکستان) وفی عالمگیری واختلف فی السلام على الفاسق فی الاصح انه لايبدأ بالسلام (عالمگیری: ص ۳۲۶، ج ۵، مطبوعہ رشیدیہ پاکستان) واما الفاسق فقد عللوا كرهة تقديمه بانه لايهتم لامر دينه وبان فی تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانة شرعا (ردالمحتار: ص ۴۱۴، ج ۱، رشیدیہ، پاکستان)

(المفتاح الخیر ج ا شمارہ ۲، ۲۰۰۲ء)

باب (۸)

وفیات

- حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ
- حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ
- حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ
- حضرت مولانا محمد فاروق صاحبؒ
- حضرت مولانا بھائی جان صاحبؒ
- حافظ محمد عاقل صاحبؒ
- حافظ محمد رضی اللہ صاحبؒ

مسیح الامت

حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ

زیر نظر مقالہ مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی کی حالات وواقعات اور کارناموں پر مشتمل ہے، یہ مقالہ حضرت نور اللہ مرقدہ کے مجموعہ "ملفوظات مسیح الامت" کے لئے لکھا گیا تھا۔

قارئین مفتاح الخیر کی اکثریت چونکہ حضرت مسیح الامتؒ سے عقیدت مندانہ، ارادت مندانہ اور شاگردانہ تعلق رکھتی ہے، اس لئے افادۂ عام کی غرض سے پیش خدمت ہے۔

ولادت باسعادت

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کی ولادت باسعادت سنہ ۱۳۲۹ھ یا ۱۳۳۰ھ میں ان کے آبائی وطن سرائے برلہ، تحصیل اترولی ضلع علی گڑھ میں ہوئی۔[۱]

نسبی اعتبار سے آپ کا تعلق شیروانی خاندان سے تھا، یہ خاندان ایک زمانے سے بہت سی صفات وخصوصیات کا حامل رہا ہے، انہی خصوصیات کی وجہ سے پٹھانوں میں شیروانیوں کی ایک ممتاز حیثیت رہی، ان میں بڑے بڑے اہل ثروت، ارباب فن، اور قابل قدر مصنفین کے علاوہ اہل اللہ، صاحب نسبت اور شب زندہ دار بزرگان دین بھی پیدا ہوئے، جن کے یہاں تہذیب واخلاق اور عمدہ عادات واطوار بچپن ہی سے گھول گھول کر پلائے جاتے تھے۔

شیروانی خاندان فاتح ہندوستان محمد غزنویؒ کے ساتھ ہندوستان آیا تھا اور حسب سہولت ملک کے مختلف گوشوں میں بود وباش اختیار کرلی تھی، اسی خاندان کی ایک شاخ نے علی گڑھ

---

(۱) تاریخ اور ماہ کی تعیین باوثوق ذریعہ سے معلوم نہیں ہوسکی۔

اور اس کے مضافات کو اپنا وطن بنالیا،(۲) مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب کی پرورش و پرداخت اسی قبیلہ کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی۔

والدین

آپ کے والد بزرگوار کا نام نامی اس گرامی احمد سعید خاں تھا جو نہایت دیندار و پرہیزگار باایں ہمہ خود بھی ان کے قدر شناس بھی، اپنے علاقہ میں خاصے اثر ورسوخ کے مالک اور صاحب عزت وجاہ تھے، مدبر و منتظم ایسے کہ بڑے بڑوں کا کام جب خراب ہوجاتا اور ریاست میں بدامنی پھیل جاتی تو نظام کو قابو میں کرنے کے لئے انہیں یاد کیا جاتا، اسی طرح آپ کی والدہ ماجدہ بھی نیک سیرت، پاک طینت، ہمدرد اور غریب پرور خاتون تھیں۔

آپ پیدائشی ولی تھے

آپ پیدائشی ولی تھے، بچپن ہی سے سعادت و نیک بختی کے اوصاف آپ کے بلند وبالا ہونے کے غماز تھے، کم سنی ہی میں آپ ذکر و تلاوت اور پنجوقتہ نمازوں کے صرف پابند ہی نہیں بلکہ عاشق زار تھے، اس کے علاوہ کثرت نوافل اور تہجد وغیرہ کا اہتمام فرماتے اور دینی کتابوں کا مطالعہ پابندی سے کیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے آپ اپنی تعلیم کے ابتدائی دور میں خاصے دینی وعلمی صلاحیت کے مالک ہوگئے تھے، حق تعالی نے آپ کو کم سنی میں ہی شرم حیا، ادب واحترام اور وقار متانت جیسے بلند وبالا اوصاف سے مالا مال فرمادیا تھا، جس کی وجہ سے چھوٹے تو چھوٹے بڑی عمر کے لوگ بھی آپ کو ہمیشہ عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے اور آپ کی تعظیم بجالاتے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتدائی تعلیم

آپ نے قرآن مجید کی تعلیم قاری عبداللہ صاحب سے حاصل کی، پھر بہشتی زیور اور اردو کی کچھ کتابیں اپنے ماموں جناب یعقوب خان صاحب سے پڑھیں جب کی فارسی کی

(۲) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "شیروانی نامہ" مصنف عباس خان شیروانی۔

ابتدائی تعلیم شہر علی گڑھ ہی میں ایک ماہر استاذ میاں جی عبد الرحمن صاحب سے حاصل کی اس کے بعد علی گڑھ ہی میں آپ کو سرکاری اسکول میں داخل کرایا گیا، چونکہ ابتداء ہی سے آپ کی طبیعت کا رجحان دینی تعلیم کی طرف تھا اس لئے آپ کا دل عصری تعلیم سے بالکل بیزار تھا اور قلب سلیم مزید اس کی تحصیل کے لئے تیار نہ ہوا اس لئے آپ نے اسکول کی تعلیم سے بے اعتنائی اور بے توجہی برتنا شروع کر دی اور روز بروز یہ رنگ گہرا ہوتا چلا گیا، گو آپ کے والد محترم کو اس بے التفاتی و بے توجہی سے تشویش بھی ہوئی تاہم جب آپ نے خود ہی دینی تعلیم کی طرف دلی رغبت کا اظہار فرمایا تو والد محترم کی ساری پریشانیاں کافور ہوگئیں، اور بالآخر آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد والد صاحب نے اسکولی تعلیم سے ہٹا کر اپنے ہی وطن کے ''مدرسہ اسلامیہ برلہ'' میں باقاعدہ درس نظامی کی تعلیم شروع کرادی، یہاں آپ نے شرح جامی تک کی تعلیم مولانا حکیم محفوظ علی صاحب دیوبندیؒ سے حاصل کی اور اسی کے ساتھ فن تجوید میں جمال القرآن وغیرہ بھی پڑھیں، اس کے بعد مفتی سعید احمد صاحب لکھنویؒ کے زیر تربیت رہ کر وقایہ، جلالین شریف، ملاحسن وغیرہ کی تعلیم بہت محنت و لگن کے ساتھ موصوف سے ہی حاصل کی۔

حضرتؒ والد کی علمی صلاحیت

ایک تو فطری خداداد ذہانت و ذکاوت پھر اس پر مستزاد محنت و جفاکشی نے طالب علمی میں آپ کی علمی صلاحیت میں چار چاند لگا دیئے تھے، جس سے آپ کی علمی استعداد طالب علمی ہی میں پختہ سے پختہ تر ہوگئی تھی اور آپ طالب علمی ہی میں اس لائق ہو گئے تھے کہ اگر کبھی استاذ مکرم کسی وجہ سے تشریف نہ لاسکے تو اپنے ساتھیوں کو تکرار و مذاکرہ ہی نہیں مستقل طور پر سبق پڑھا دیا کرتے تھے، جس سے آپ کی اعلیٰ صلاحیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم کی تکمیل

اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو دارالعلوم دیوبند پہنچا دیا جہاں آپ نے ۱۳۴۷ھ میں جماعت مشکوٰۃ شریف میں داخلہ لیا اور چار سال مستقل آپ کا قیام دارالعلوم دیوبند میں رہا پہلے سال مشکوٰۃ، ہدایہ اولین وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور دوسرے سال دورۂ

حدیث شریف کی تکمیل فرمائی پھر مزید دو سال دیگر فنون میں مشغول رہے۔

مرشد تھانوی کی خدمت میں

حضرت حکیم الامت سے غائبانہ تعلق اور عقیدت تو آپ کو بہشتی زیور اور مواعظ وغیرہ کے مطالعہ سے بچپن ہی میں ہو چکی تھی چنانچہ حضرت اس والہانہ تعلق ولگاؤ کا اظہار یوں فرماتے تھے۔

"بڑے بڑے علماء ومشائخ سے بار بار میری ملاقات وزیارت ہوئی اور بہت سے مشاہیر صوفیاء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا لیکن میری نظر میں مرشد تھانوی کے علاوہ نہ کوئی سمایا اور نہ قلب کا رحجان کسی اور کی طرف ہوا۔"

حضرت تھانوی سے اصلاحی تعلق

جس سال آپ دیوبند میں زیر تعلیم تھے اسی سال حکیم الامت" حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی" سے اصلاحی تعلق قائم فرمالیا تھا اور اصلاحی خط وکتابت کا سلسلہ بھی شروع فرمادیا تھا، کچھ عرصہ کے بعد (پہلے یا دوسرے سال) باقاعدہ حضرت حکیم الامت" کے دست اقدس پر بیعت فرمالی اس طرح ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند کے ساتھ ساتھ باطنی تربیت کی بھی سند (خلافت) حضرت حکیم الامت" سے اسی سال ۱۵ رشوال المکرم ۱۳۵۱ھ کو حاصل ہوئی۔

سند فضیلت اور سند خلافت کے ان اعزازات ونوازشات کے ساتھ فطری صلاحیتوں اور اکتساب وفیوض کی مقناطیسی کششوں کی وجہ سے کم عمری ہی میں آپ کا شمار حضرت تھانوی" کے ان گیارہ مخصوص خلفاء میں ہونے لگا، جن پر حضرت تھانوی" کو خصوصی اعتماد تھا۔

ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

قصبہ جلال آباد اور اس کی خصوصیات

جلال آباد تھانہ بھون کے دامن میں واقع ہونے کی وجہ سے تھانہ بھون ہی کی طرح یہاں کے لوگ بھی اہل علم وبزرگان دین کی بے حد تعظیم احترام کرتے ہیں اور خاص طور سے

خوائین جلال آباد تو اس وصف میں ممتاز ہیں چنانچہ یہاں کے لوگوں کو حضرت مسیح الامتؒ سے خصوصی لگاؤ ہوگیا اور ان کے قلوب آپ کی عقیدت ومحبت سے سرشار ہو گئے، اس اخلاص و محبت کا ثمرہ آج جامعہ مفتاح العلوم کی شکل میں آپ کے سامنے ہے جو صرف ایک تعلیم گاہ ہی نہیں بلکہ عمدہ تربیت گاہ کی بھی حیثیت رکھتا ہے جس کا سنگ بنیاد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بذات خود ۳ رمحرم الحرام ۱۳۳۶ھ بروز بدھ رکھا اور تاحیات اس کی سرپرستی فرماتے رہے۔

مدرسہ مفتاح العلوم میں آپ کا تقرر بحیثیت صدر مدرس

حضرت مسیح الامتؒ دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے وطن سرائے برلہ کے مدرسہ اسلامیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے کہ مشیت الٰہی نے یاوری کی اور آپ حسب منشاء حضرت تھانویؒ جلال آباد تشریف لائے۔

حضرت تھانویؒ نے آپ کے تقرری ۱۳۵۶ھ کو مدرسہ مفتاح العلوم میں بحیثیت صدر مدرس تجویز فرمادی پھر کیا تھا آپ تو بس مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ہی کے ہو کر رہ گئے مدرسہ ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اور دن رات درس و تدریس، وعظ و تقریر، تصنیف و تالیف اور مدرسہ کے نظم و انتظام کی خدمت میں مشغول رہے، وطنیت کے اعتبار سے بھی آپ نے جلال آباد کو اپنا وطن اور یہاں کی سکونت کو اپنا مسکن بنالیا جس کی وجہ سے مدرسہ میں ایک نئی روح پڑگئی اور مفتاح العلوم دن دونی رات چوگنی تعلیمی تربیتی اور تعمیری ترقیات کے منازل سے گذرتا ہوا آج ایک تناور شجر اور بارآور درخت کی شکل میں آپ کے سامنے ہے، یہاں آپ نے میزان وغیرہ کی ابتدائی کتابوں سے لے کر بخاری شریف تک درس نظامی کی بہت سی کتابیں خود پڑھائیں اور جس محبت او انہماک کے ساتھ تفسیر و حدیث اور فقہ کی کتابوں کا درس دیتے بالکل اسی طرح صرف ونحو، منطق و فلسفہ اور اردو کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت مسیح الامت کا انداز درس

قرآن مجید کے ساتھ آپ کا خاص شغف اور والہانہ لگاؤ تھا، چنانچہ قرآن مجید کا سبق

ہمیشہ خود پڑھایا کرتے تھے اور طلباء کی فہم واستعداد کے مطابق تقریر فرمایا کرتے تھے اور دوران سبق عجیب وغریب تفسیری نکات کے جواہر پارے بکھیرتے جاتے تھے آپ کے سبق کی تقریر نہایت جامع اور پرمغز ہوتی سیدھے سادے جملے اور دلنشیں پیرایہ آپ کا طرۂ امتیاز تھا، آواز بہت صاف اور پھر اس پر ٹھہر ٹھہر کر بولنا بڑا بھلا معلوم ہوتا، ہر جملے کو ڈھنگ سے اطمینان سے ادا فرماتے اور ہر سطح کے طالب علم کا پورا خیال رکھتے۔

حضرت مسیح الامت اور اقسطات تالیفات

حضرت والاؒ اگر ایک طرف زبردست عالم دینیات تھے تو دوسری طرف کامیاب مصنف اور عمدہ مضمون نگار بھی تھے جس کا اندازہ آپ کے تصنیفات وتحریرات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے، اگر آپ کے مجالس کی سترہ قسطوں کو بھی تصنیفی زمرے میں رکھا جائے تو اس طرح آپ کی تصنیفات پینتیس کے عدد سے بھی متجاوز ہو جاتی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شریعت وتصوف حصہ اول/دوم (۲) تعلیمات اسلام پانچ حصے (۳) رسالہ تقلید واجتہاد (۴) فقہ قدیم کی تدوین جدید کے مفاسد (۵) اہتمام وشوریٰ (۶) شوریٰ ہیئت حاکمہ نہیں ہے (۷) امیر اور مجلس شوریٰ کی شرعی حیثیت غیر مطبوعہ (۸) رسالہ اسٹرائک (۹) ملفوظات اسٹرائک (۱۰) الحج (۱۱) رسالہ فضیلت علم (۱۲) وعظ فضیلت علم (۱۳) رفع الاشتباہ عن تعلیم النساء (۱۴) اصول تبلیغ (۱۵) پیغمبر ﷺ کا پیغام برائے مدارس اسلام (۱۶) ذکر الٰہی (۱۷) ذکر النبی ﷺ (۱۸) اسلام اور امن عام (۱۹) التوحید الحقیقی (۲۰) خطبات مسیح الامتؒ (۲۱) حیات السالک (۲۲) ضیاء السالک (۲۳) مواعظ قسط اول/دوم (۲۴) ملفوظات حصہ اول/دوم (۲۵) مواعظ مسیح الامتؒ (۲۶) فضل الباری درس البخاری[۱]، (۲۷) جہاد اور اصلاح نفس (۲۸) ایوان طریقت (۲۹) مکتوبات ثلاثہ (۳۰) رسالہ الجمعہ (۳۱) اکابر کا فتویٰ درباره جمعہ (۳۲) مکتوب گرامی بجواب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ[۲]۔

(۱) افسوس! بعض "نامساعد حالات" کی بناء پر بخاری شریف کی یہ شرح مکمل طور پر اب تک شائع نہ ہوسکی صرف ۵ حصے شائع ہوئے ۴ رحصے فضل الباری کے نام سے اور ایک جزختم بخاری کے نام سے شائع ہوا ہے۔

(۲) حضرت والا کا یہ مضمون "مدارس دینیہ میں مغربی علوم مفید ہے یا مضر" کے عنوان سے مفتاح الخیر، ج ۱، شمارہ ۳ میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت مسیح الامت اور تصوف

یوں تو حضرت والاؒ کی ساری ہی کتابیں اپنی مثال آپ اور علمی تحقیق و تدقیق کا واضح نمونہ ہیں، مگر ''شریعت وتصوف'' کی اپنی ایک الگ ہی شان ہے جس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ تصوف، شریعت کا ایک جزو عظیم ہے ویسے تو آپ کو تمام علوم وفنون سے خاصی دلچسپی تھی تاہم فن تصوف سے خاص شغف تھا اور یہی آپ کی زندگی کا نمایاں باب ہے اسی کو آپ نے اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا جس کی وجہ سے بڑے بڑوں نے تصوف میں آپ کا لوہا مانا خود آپ کے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد لکھنویؒ جو خود بھی ایک زبردست عالم وصوفی ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت تھانویؒ کے مجاز صحبت تھے انہوں نے آپ کو تصوف کا نہ صرف امام مانا بلکہ اپنے اس لائق وفائق شاگرد سے بیعت بھی ہوئے، اور پھر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ تصوف کے کس اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

اسفار

آپ کا مستقل قیام اگرچہ جلال آباد ہی میں رہتا تھا مگر دعوت وتبلیغ کی غرض سے آپ نے ملک اور بیرون ملک کے مختلف صوبوں کا دورہ فرمایا، چنانچہ چندی گڈھ، دہلی، حیدرآباد، بنگلور، میسور، کشمیر اور کرنال وغیرہ کے اسفار فرمائے اور وہاں اہل تعلق کی خواہش پر وعظ بھی فرمایا، برصغیر کے علاوہ بیرون ممالک افریقہ، برطانیہ، فرانس، امریکہ ماریشش، شام مصر اور سعودی عرب کے اسفار بھی فرمائے اور پاکستان تو آپ بار بار تشریف لے جاتے رہے، اس طرح آپ کا علمی وروحانی فیض ان تمام ملکوں اور خطوط میں بھی پہنچا اور بلا مبالغہ دنیا کے تمام ملکوں میں آپ کے جانثار آج بھی موجود ہیں، سفر کے سلسلے میں آپ ایک بڑی کارآمد نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ۔

''سفر میں جاؤ تو غصہ اور آرام گھر چھوڑ جاؤ''

حضرت مسیح الامتؒ کا مخلوق خدا کے ساتھ شفقت ومحبت۔۔۔

آپ اپنے نام کے معنوی اعتبار سے بھی سراپا مسیح اور اس کی جیتی جاگتی تصویر تھے نہ

معلوم کتنے "پریشان دل" آپ کے پاس آتے اور تسلی و تشفی کے سامان فراہم کرتے، نہ معلوم کتنے دکھیا آپ کو اپنا دکھ سنا کر راحت محسوس کرتے ان تمام باتوں کے ساتھ خداوند قدوس نے آپ کے اندر شفقت و محبت اور اخلاق و مروت جیسی بے شمار صفات کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں پھر مزید اس پر طرہ یہ کہ آپ کی گفتگو نہایت شریں، محبت آمیز اور مشفقانہ ہوتی کبھی لہجے سے سختی یا کرختگی نہ معلوم ہوتی انتہائی غصہ کے عالم میں جب آپ کو سخت سے سخت جملہ کہنا ہوتا تو "جنگلی کبوتر" کہا کرتے تھے ناشائستہ جملے تو بہت دور کی بات، کبھی آپ نے اپنی پوری زندگی میں کسی کو "احمق" بھی نہیں کہا، آپ کا دل ہمہ وقت بڑوں کی عظمت اور چھوٹوں کی شفقت سے لبریز رہتا، آپ کے مزاج شدت و تندی اور تلخ کلامی سے منزہ و مبرا تھا، تقویٰ و پرہیزگاری، تواضع و انکساری، راست گوئی و پاکبازی، عفو و صلہ رحمی کے آپ جامع مرقع تھے، تحمل و بردباری کا وصف تو گویا آپ کا خاص ہتھیار تھا یہ آپ کا ایسا ہتھیار تھا کہ "اچھے اچھے" اس کے وار سے نہ بچتے تھے بڑا سے بڑا مخالف آپ کے اس آلہ سے رام ہو جاتا تھا۔

پھر شکل و صورت اور حلیہ مبارک ایسا کہ نہ پوچھئے! قد میانہ، صورت معصومانہ، جسم سبک قدرے منحنی، رنگ گندمی مائل بہ سپیدی و سرخی، رخسار پر خوشنما ڈاڑھی اور پوشاک میں کرتا کلی دار، پائجامہ مغلیٔ، جاڑوں میں روئی بھرا کنٹوپ اور گرمیوں میں سدا پنج گوشہ ٹوپی جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور بس!............ سچ کہا کسی نے

کتنے حسین لوگ تھے جو مل کے ایک بار
آنکھوں میں بس گئے دل و جاں میں سما گئے

شادیاں

شادیاں آپ کی دو ہوئیں پہلی شادی زمانہ طالب علمی ہی میں ہوگئی تھی آپ کی اہلیہ محترمہ بھی "اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ" کا واضح نمونہ اور حضرت حکیم الامت سے بیعت تھیں ان سے چار لڑکے پیدا ہوئے جن کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا، اہلیہ محترمہ کے انتقال کے بعد پھر آپ نے دوسرا نکاح فرمایا، موجودہ تمام اولادیں انہیں اہلیہ محترم سے ہیں، یہ بھی پہلے ہی کی طرح نیک دل، حیاء شعار، پاک طینت، نیک سیرت اور خوبصورت خاتون تھیں، اولاد

واسفاد ان سے تین صاجزادیاں اور ایک صاجزادے حضرت مولانا محمد صفی اللہ خان صاحب (حضرت بھائی جان) ہیں، جنہوں نے مکمل تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ہی میں حاصل کی اور یہیں سے ۱۳۸۷ھ میں سند فراغت حاصل کی اور اپنے گرامی قدر والد بزرگوار کے سایہ عاطفت میں رہ کر ظاہری و باطنی کمالات سے بہرہ ور ہوئے، ایک عرصہ تک اسی مدرسہ میں درس نظامی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر ہدایہ تک کی تعلیم دیتے رہے، ۱۳۹۷ھ سے حضرت مسیح الامت نے مدرسہ کے اہتمام و انتظام کی باگ ڈور آپ کے سپرد کی جس کو نہایت استقلال اور حسن وخوبی کے ساتھ تادم تحریر نبھاتے چلے آرہے ہیں۔

"حضرت جی" نے اپنی وفات سے ایک سال قبل (یکم ذی القعدہ ۱۴۱۲ھ میں) آپ کو "باطنی دولت" کا بھی امین بنادیا اور آپ کو خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت بھائی جان نہایت خوش خلق، خوش مزاج اور متواضع شخصیت کے مالک ہیں، سو خوبیوں کی ایک خوبی ان کے اندر یہ ہے کہ جس سے ملتے ہیں کھل کر ملتے ہیں اور اکثر پہلی ہی ملاقات میں اپنے "مخصوص جادو" سے دل جیت لیتے ہیں، موصوف تین سال سے مسلسل علیل ہیں دعا فرمائیں اللہ رب العزت انہیں صحت عاجلہ، کاملہ دائمہ، مستمرہ، عطاء فرمائے۔ (آمین)

حضرت مسیح الامت" اپنی عمر کی چوراسی منزلیں طے فرما چکے تھے، یہ بوڑھا مسافر چلتے چلتے اب بہت تھک گیا تھا اسے اب آرام کی سخت ضرورت تھی، پھر طبعی اضمحلال اور مسلسل عوارضات ایک عرصہ سے ساتھ نہیں چھوڑ رہے تھے، بیماریوں کی وجہ سے کمزوری گردہالہ بنی ہوئی تھی بالآخر ۷ ار جماد الاول ۱۴۱۳ھ نومبر ۱۹۹۲ء کو تمام دنیوی علائق سے رہائی پاکر بحالت ذکر الٰہی یہ خورشید کامل "جو سرائے برلہ" سے بڑی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا تھا سرزمین جلال آباد میں غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تجہیز و تکفین

۷ ار جمادی الاول کا دن بھی کیا عجیب دن تھا اس روز ایک عاشق نبی کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے نکل رہا تھا، جنازہ کا نکلنا تھا کہ زمین تھرا گئی آسمان لرز اٹھا، لوگوں میں ایک

عجیب سناٹا تھا ڈھائی لاکھ کا اشکبار مجمع موجود اور مزید غم کے مارے کھنچے چلے آرہے تھے، انسانی ہجوم کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمند دکھائی دے رہا تھا، جسے شاعر کی زبان میں یوں کہہ لیجیے!

اگر یہ دیکھنا چاہو قیامت کس کو کہتے ہیں
اٹھو محفل سے باہر آؤ اپنی رہ گذر دیکھو

اس وقت کا عجیب سماں تھا، ہر شخص آخری دیدار کے لئے کوشاں اور ہر ایک لحد تک پہنچنے کے لئے پریشان دکھائی دے رہا تھا، تجہیز و تکفین قریب چار بجے عمل میں آئی اور نماز جنازہ حضرت والاؒ کے آخری عمر کے خادم جناب مولانا عنایت اللہ صاحب لندنی نے پڑھائی اور سب نے چاروناچار اپنے دل پر پتھر رکھ کر آب دیدہ اور اشکبار نگاہوں سے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے جسد عنصری کو لحد میں رکھ کر سپرد خاک کر دیا..........آہ!

آہ! اشکوں کو نہ ان کا ہو سکا دامن نصیب
دفن ہم نے خاک میں ہر اک ستارہ کر دیا

اللہ رب العزت حضرت مسیح الامت کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

نوٹ: ہم نے یہ مضمون "سوانح مسیح الامت" و "حیات مسیح الامت" کو سامنے رکھ کر مرتب کیا ہے اور انہیں کے حوالہ سے یہاں نقل کیا ہے۔

(مفتاح الخیر ج۔ ۵ رشمارہ ر ۳۵، ۲۰۰۸ء)

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد

۸ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ کی شب تھی، راقم الحروف دفتر مفتاح الخیر میں بیٹھا ماڈل نکاح نامہ پر اداریہ لکھ رہا تھا کہ اچانک میرے عزیز دوست مولانا محمد افضال صاحب گنگوہی روندھے ہوئے گلے کے ساتھ السلام علیکم کہتے دفتر میں داخل ہوئے اور نیم بے خودی کے عالم میں غالب کا یہ مصرعہ پڑھا ع

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

میں چونک پڑا، ہڑبڑا گیا کہ ضرور کوئی بڑا حادثہ ہوا، بے صبری سے معلوم کیا تو آب دیدہ ہو کر درد بھری آواز میں یہ دلدوز خبر سنائی کی محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اس خبر کا سننا تھا کہ پورے جسم میں ایک بجلی سی کوند اٹھی کچھ دیر کے لئے ذہن و دماغ ہردوئی پہنچ گیا اور حضرتؒ کی ایک ایک بات یاد آنے لگی، نظروں کے سامنے حضرت کا چہرۂ انور گردش کرنے لگا، ماضی کی دو ملاقاتیں یا یوں کہیے دو زیارتیں رہ رہ کر یاد آنے لگیں، مگر کیا کیجیے کہ موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے کہ جسے ناگوار سمجھتے ہوئے بھی یہ تلخ گھونٹ پینا ہی پڑتا ہے، یہی ایک چیز ہے جس سے کسی کو رستگاری نہیں، ایک ایک کر کے سب کو یہاں سے جانا ہے، آج وہ گئے کل ہماری باری ہے، ان جانے والوں میں کچھ لوگ جاتے ہیں تو ایک خاندان کے کچھ افراد سوگوار ہوتے ہیں لیکن کچھ ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان کے جانے سے سارا عالم بلک بلک کر روتا ہے، ساری دنیا ماتم کدہ بن جاتی ہے، وہ صرف اسی کی موت نہیں ہوتی ہے، انھیں شخصیات میں سے ایک شخصیت ہردوئی کے مولانا شاہ ابرار الحق کی بھی تھی وہ، ہم سے کچھ اس طرح بچھڑ گئے کہ ۔

بچھڑے کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

حضرت ہردوئیؒ کس پایہ کے عالم اور کس درجہ کے ولی تھے یہ تو اہل علم اور اولیاء ہی جانتے ہیں، یہ ناکارہ علم سے کورا، سلوک سے ناآشنا کیا ان کی تعریف وتوصیف بیان کرے۔

جس وقت حضرت ہردوئیؒ کا وصال ہوا، اس وقت مفتاح الخیر کا جون کا شمارہ اپنے آخری مراحل میں تھا اس لئے حضرت پر کوئی مضمون لکھنا لکھانا بہت دشوار تھا، تاہم راقم کے درخواست پر مولانا عقیل الرحمن صاحب نے" آہ! شاہ ابرار الحق صاحب نہ رہے" کے عنوان سے فی الفور ایک مضمون تحریر فرمادیا تھا جسے قارئین گذشتہ شمارے میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، اس کے علاوہ ملک بھر میں نہ جانے کتنے اخبار و رسائل میں اب تک حضرتؒ پر مضامین لکھے جا چکے ہیں اور مزید لکھے جارہے ہیں، یہ کار بھی یوسف کے خریداروں میں سوئی دھاگہ لے کر حاضر ہو رہا ہے، جسے انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانا تو کیا کہیئے بلکہ بقول مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کہ" دوسرے کا لہو اپنی انگلیوں میں لگا کر اپنا بھی نام شہیدوں میں لکھا رہا ہے۔"

راقم الحروف کو حضرت ہردوئیؒ کی زیارت

راقم الحروف کو حضرت ہردوئیؒ کی دو بار زیارت نصیب ہوئی اور ان ہی دو ملاقاتوں نے اپنا اسیر بنالیا۔ پہلی زیارت ۱۹۸۵ء میں مدرسہ بیت المعارف الہ آباد میں ہوئی تھی، اس وقت احقر حضرت والاؒ کی شخصیت سے واقف نہیں تھا، میں اس وقت ناظرہ قرآن پاک پڑھ رہا تھا، عصر اور مغرب کے درمیان کھیل کر واپس آرہا تھا کہ مدرسہ کے مین گیٹ سے ایک فرشتہ صفت، نورانی صورت بزرگ کو باہر نکلتے دیکھا، ان کے پیچھے علماء کرام کی ایک بڑی تعداد کو دیکھ کر ان بزرگ محترم کی شخصیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

سلام کے جواب میں السلام علیکم کہنے سے سلام کا جواب ہوجاتا ہے

میں مدرسہ میں داخل ہو رہا تھا، اچانک اس فرشتہ صفت شخصیت کو دیکھتے ہی میں نے سلام کرنا چاہا مگر حضرتؒ نے پہلے ہی سلام کرلیا، میں شرما گیا، ایک طرف سر جھکائے کھڑا رہا۔ حضرتؒ نے میرے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے فرمایا" سلام کا جواب

دو ۔۔ میں مسلسل سر جھکائے کھڑا رہا۔ پھر حضرت نے سر پہ ہاتھ تھپ تھپاتے ہوئے فرمایا السلام علیکم سے بھی جواب ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ مجھے اسی دن معلوم ہوا کہ السلام علیکم کہنے سے بھی سلام کا جواب ہو جاتا ہے یہ میری حضرت ہردوئیؒ کی پہلی زیارت تھی، جب بھی حضرت کا ذکر آتا ہے اس واقعہ کا منظر میری نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔

احقر کی حاضری مدرسہ اشرف المدارس اور وہاں کا آنکھوں دیکھا حال

دوسری زیارت غالباً ۱۹۹۰ء میں اس وقت ہوئی جب احقر اشرف المدارس میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوا، غالباً کافیہ کی جماعت میں داخلہ مطلوب تھا، داخلہ کے سلسلے میں پہلے سے ضابطہ کی خانہ پوری کر چکا تھا، شوال المکرم کے مہینے میں خوشی خوشی ہردوئی پہنچا اور حضرت کو ہدیہ میں دینے کے لئے راستہ میں مٹھائی کا ایک ڈبہ لے لیا اور بوقت ملاقات مٹھائی کا وہ ڈبہ پیش کیا مگر حضرت نے وہ مٹھائی قبول نہیں فرمائی اور ہدیہ کے کچھ اصول وضوابط بیان فرمائے جو اس وقت ذہن میں تو نہیں ہیں مگر اتنا یاد ہے کہ حضرتؒ ہدیہ لینے کے سلسلہ میں بہت بااصول تھے، محبت سے فرمایا اسے آپ کھالیں۔ ایک دو روز کے بعد میرا داخلہ ہوگیا مگر مجھ جیسا آزاد انسان بھلا ہردوئی میں کیا ٹھہر سکتا تھا، وہاں تو انسان بنایا جاتا ہے اور مجھ جیسے آزاد منش کو وہاں کا اصول وضابطہ بہت شاق گزر رہا تھا، اس قسم کے نظم و ضبط میں کبھی زندگی گذاری ہی نہیں تھی، دیہاتی تھا اور اب تک دیہات ہی میں تعلیم حاصل کی تھی اور یہاں کسی بھی ضرورت کے لئے باہر جانا ہو تو پہلے دفتر کو اطلاع کیجیے ضرورت بتائیے اس کے بعد باہر جائیے۔ سچ یہ ہے کہ اس نظم وضبط کو اگر کوئی برداشت کرلے تو وہ حقیقی معنوں میں انسان بن جائے۔ دورانِ قیام ایک دن بعد نماز مغرب دفتر دعوۃ الحق کے چبوترے کے نیچے حضرتؒ کی چارپائی بچھائی گئی گرمی کا زمانہ تھا حضرت آرام فرمارہے تھے اور خدام پاؤں دبانے والوں میں تھے احقر بھی پاؤں دبانے والوں میں تھا۔ ایک صاحب پنکھا جھل رہے تھے اور ایک دوسرے صاحب قریب ہی ایک چھوٹا سا ٹیپ رکارڈ لئے کھڑے تھے، اسی دوران کسی صاحب نے کہا حضرت مچھر بہت لگ رہے ہیں حضرتؒ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا ہاں! بوسہ لے رہے ہیں آپ ان کو بوسہ لینے سے منع کر رہے ہیں۔ اچانک عشاء کی

اذان شروع ہوگئی (اسی زمانے میں ایک صاحب جو غالباً وہیں کے تھے ان کا دماغی توازن درست نہیں تھا وہ وقت بے وقت کسی بھی وقت اذان یا اقامت کہنے لگتے تھے) اذان سن کر حضرت چونک پڑے اور دریافت فرمایا کہ کیا اذان کا وقت ہوگیا، حاضرین نے عرض کیا کہ یہ اذان نہیں ہے وہ صاحب جن کا دماغی توازن درست نہیں ہے اذان دے رہے ہیں، حضرت نے فرمایا چلو یہ پاگل پن میں بھی اچھا کام کر رہے ہیں۔ کچھ دیر عشاء کی اذان ہوئی، اس کے بعد نماز پڑھی گئی، بعد نماز کسی صاحب نے کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جس کا نام اس وقت تو ذہن میں نہیں ہے، مگر اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک منٹ کا مدرسہ نامی کتاب رہی ہوگی، کتاب ہونے کے بعد حضرت ؒ نے کچھ اذان و نماز اور دیگر مستحباب کے بارے میں اصلاحی باتیں بیان فرمائیں اس کے بعد کمرے میں تشریف لائے۔ اب معلوم نہیں۔ اس وقت حضرت کا کمرہ دفتر تعلیمات کے متصل تھا، کمرے میں تھوڑی دیر قیام فرمانے کے بعد کسی جنازے میں شرکت کے لئے جانا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے اس وقت کا پورا نقشہ اس وقت ذہن و دماغ میں بسا ہوا ہے، جب حضرت کار پر سوار ہو رہے تھے اس وقت آپ کا سارا لباس سفید تھا، سفید رومال اور اس پر ہلکا ہلکا تیل کا اثر، سرخ چہرہ، سفید گردن، گردن پر پڑے تیل آلود چھٹے کچھ عجیب ہی سماں پیدا کر رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فرشتہ کار میں سوار ہو رہا ہے۔ کیا عرض کروں؟ اس وقت کا نقشہ کھینچنے سے میرا قلم عاجز اور زبان گنگ ہے۔ جب بھی حضرت ؒ کا تذکرہ ہوتا ہے اس وقت کا پورا نقشہ میرے میرے سامنے آجاتا ہے اور تھوڑی دیر کے لئے قلب و دماغ اسی منظر میں کھو جاتا ہے یہ دو مبارک و مسعود گھڑیاں تھیں جن میں راقم کو حضرت ہردوئی ؒ کی زیارت نصیب ہوئی، اس کے بعد پھر کبھی ہردوئی جانے کی نوبت نہ آئی بار بار ارادہ کرتا رہا مگر توفیق نہ ہوسکی، ابھی چند سال قبل جب احقر کی کتاب "مروجہ مدارس نسواں" منظر عام پر آئی تو اتفاق سے اس وقت استاذ گرامی مفتی محمد القدوس خبیب رومی صاحب ہردوئی تشریف لے جا رہے تھے، حضرت مفتی صاحب کی معرفت احقر نے کتاب مذکور کے چند نسخے ارسال خدمت کئے مفتی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور احقر کو خوب خوب دعائیں دیں۔ حضرت ہردوئی (رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ) کے اوصاف و کمالات، تالیفات و تصنیفات، ارشادات و ملفوظات،

دینی خدمات وخصوصیات اور آپ کے بے نفسی کے حالات و واقعات، حکیم الامت ؒ سے والہانہ لگاؤ وتعلقات، بالخصوص آپ کی حق گوئی و بے باکی اور کرامت، مجالس میں علوم و معارف کی برسات وظائف و معمولات، زہد وتقوی کی تجلیات، علمی دقائق وحقائق کی تحقیقات، ہزاروں وعظ و بیانات، پھر اساتذہ وتلامذہ اور تبحر علمی کا تذکرہ ان سب باتوں کو تحریر کرنے کے لئے مستقل دفتر درکار ہے۔ سنا ہے کہ چند ماہ قبل ایک صاحب کو حضرت نے اپنی سوانح لکھنے کی تحریری اجازت مرحمت فرمادی تھی اور وہ صاحب اس کے لئے پابرکاب بھی ہیں۔

حضرت ہردوئی کی اصلاحی گرفت کا ایک واقعہ

حضرت والا کی بعض نباضیاں اور اصلاحی گرفتوں نے احقر کو بہت متاثر کیا مثلاً ایک صاحب نے سنایا کہ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے تھے، رمی جمار کے لئے چھوٹی چھوٹی مصری بچیاں کنکریاں چن رہی تھیں، حاضرین میں سے ایک صاحب نے ان بچیوں کو دیکھ کر کہا کہ ان بچیوں کے چہروں پر کس قدر نورانیت ہے" حضرت ؒ نے فوراً اسی وقت ان کا مرض پکڑا اور فرمایا کہ ان حجاج کرام کے چہروں پر آپ کو نورانیت نظر نہیں آرہی ہے۔"

اللہ اللہ! خانقاہ حکیم الامت کے پروردہ؟ کیا مرض پکڑا عامۃ لوگوں کا ذہن ہی ادھر نہیں جائے گا آخر آپ تھے نہ حضرت حکیم الامت کے خلیفہ، اس کو کہتے ہیں نفس کا چور پکڑنا۔

حضرت ہردوئی اور عشق قرآن

حضرت ؒ کو قرآن شریف سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا سفر میں ہوں یا حضر میں، تلاوت کا معمول جاری ہے مجال ہے کہ ذرا بھی اس میں فرق آجائے۔ ایک دن قرآن کریم سے حضرت ہردوئی کا والہانہ عشق اور اس سے شغف کا تذکرہ آنے پر مولانا عقیل الرحمن صاحب بتانے لگے کہ حضرت قرآن کے عاشق بچپن ہی سے تھے، مظاہر علوم کے طالب علمی کے زمانے میں حضرت اس قدر تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ کثرت تلاوت کی وجہ سے کبھی کبھی غشی آجاتی تھی غالباً ایک ختم کا معمول روز کا تھا، یہ قرآن سے تعلق صرف طالب علمی ہی تک نہیں رہا بلکہ حضرت پوری زندگی قرآن کی خدمت میں گذری، خدمت قرآن ہی کو حضرت نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اور اسی میں اپنی پوری زندگی صرف کردی، قرآن کریم پر آپ کی

خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں اس کا تعارف کرانا سورج کو چراغ دکھانا ہے، آج قرآن کریم کی تعلیم دینے والوں کی عامۃً کوئی عزت نہیں ہوتی ان کو مکتب کا "میاں جی" تصور کیا جاتا ہے، خود قرآن کریم کی تعلیم دینے والے بھی اپنے کو کمتر اور بخاری شریف پڑھانے والے کو اعلیٰ تر سمجھتے ہیں، مگر حضرت نے اس فرق کو مٹانے کے لئے بہت محنت کی، قرآن شریف کی خدمت کرنے والوں کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھتے، ان کا احترام کرتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر نگاہ رکھتے، مثلاً جزدان صاف ہے یا نہیں، قرآن سلیقہ سے رکھا ہے یا نہیں، رحل ٹوٹی تو نہیں ہے، ٹوٹی ہوئی رحل کو لوگ الٹی کر کے پڑھنے لگتے ہیں، حضرت کی ان سب جزئیات پر گہری نظر تھی، اور اس کی اصلاح فرماتے رہتے تھے، قرآن کریم کی عزت اور اس کی اہمیت یہاں تک تھی کہ حضرت کے یہاں یہ نظام تھا کہ جو فرش قرآن پاک کی درسگاہ سے نکلتا تھا وہ عربی و فارسی کی دوسری درس گاہوں میں جاتا تھا، اگر نیا فرش آتا تو وہ پہلے قرآن کریم کی درسگاہوں میں بچھتا اور یہاں کا پرانا عربی و فارسی کی درسگاہوں میں جاتا، عامۃً آج کل یہ نظر آئے گا کہ عربی و فارسی کی درسگاہوں سے جو ٹاٹ اٹھے گا وہ قرآن شریف کی درسگاہ میں آئے گا مگر حضرتؒ کے یہاں بالکل اس کے برعکس نظام تھا۔

مدرسہ اشرف المدارس میں تنخواہ کا معیار

سنا ہے کہ حضرت کے یہاں ایک انوکھا نظام یہ بھی تھا کہ ملازمین و مدرسین کی باضابطہ تنخواہیں مقرر نہیں تھیں، ہر شخص کو حسب ضرورت تنخواہ دی جاتی تھی، اگر کوئی مجرد ہے تو اس کو اس کے اخراجات کے مطابق اور کوئی کثیر العیال ہے تو اس کو اس کے اخراجات کے مطابق تنخواہ دی جاتی تھی۔ ہر شخص کی ضرورتات کا خیال رہتا تھا۔

حضرت ہردوئی سراپا محی السنۃ تھے

حضرت ہردوئیؒ کا لقب محی السنۃ تھا یعنی سنت کو زندہ کرنے والا۔ چنانچہ حضرتؒ کی پوری زندگی احیاء سنت کی ترغیب اور مستحبات کی تلقین میں گزری، سچ یہ ہے کہ حضرت حقیقی معنوں میں محی السنۃ تھے یہ لقب آپ ہی کے لئے موزوں تھا، آپ کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ محی السنۃ کا لقب دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ "حق بحق دار رسید" آپ کو سنت کی احیاء سے

اس طرح لگاؤ تھا کہ خلاف سنت کرنے والے پر ہمیشہ نکیر فرماتے، احیاء سنت دعوت وتبلیغ اور مستحبات پر جس طرح شدت کے ساتھ عمل حضرت کے یہاں دیکھنے میں آیا شاید باید ہی کہیں ایسا ہو۔

آپ بزم اشرف کے آخری چراغ تھے

حضرت ہردوئیؒ "بزم اشرف کے آخری چراغ اور کاروانِ تھانویؒ" کے آخری مسافر تھے، کاروان تھانوی کے سارے مسافر ایک ایک کرکے داغ مفارقت دے گئے، یہ اکیلا مسافر اپنے سفر کی پچاسی منزلیں طے کرچکا تھا، اب بہت تھک گیا تھا اسے نیند آگئی، اس خاک کے پتلے کو خاکساری بہت مرغوب تھی چنانچہ ۹ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ کو قریب ساڑھے نو بجے اس کے لئے خاک کا ایک چھوٹا سا گھر بنا، خاک کی چادر اوڑھی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے آرام کی نیند سوگیا۔ اللہ رب العزت اس خاکی مکان اور خاکی مکین پر اپنی رحمتِ کاملہ نازل فرمائے۔

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
فضل حق تیری لحد پر رحمت افشانی کرے

آمین یارب العالمین

(مفتاح الخیر جلد ۳ر شمارہ ر ۲۴ ر ۲۰۰۵ء)

□□□

وفات حسرت آیات

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ

رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ اپنی اختتامی منزلوں کو عبور کرتے ہوئے جانے کے مراحل میں تھا، عید الفطر کی خوشیاں اور شادمانیاں آنے کیلئے پر تول رہی تھیں، نارِ جہنم سے خلاصی کا عشرہ بھی ختم ہو رہا تھا اور افق مغرب سے صرف ایک روز بعد ہلالِ عید نکلنے ہی والا تھا کہ عالم اسلام کے جلیل القدر عالم دین، اسلام کی صفِ اول کے بطل جلیل، عالمی دینی ادارہ جامعہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کے روحِ رواں، ہزاروں علماء کے استاذ، لاکھوں فرزندانِ توحید کی عقیدتوں کا مرکز اور سینکڑوں اکابر کے منظورِ نظر فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کا حرکت قلب بند ہونے سے دہلی ایسکورٹ ہاسپٹل میں انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے انتقال پر ملال کی خبر سے عالم اسلام بالخصوص جامعہ مظاہر علوم کے لاکھوں ہمدرادن وابستگان علماء وعوام اور طلباء کے علاوہ سیاسی سماجی اور ادبی حلقوں میں رنج وغم کی چادر تن گئی، جس نے سنا دل پر ہاتھ رکھ لیا، کانوں کو یقین نہیں، زبانوں کو یارائے تکلم نہیں، ذہن ودماغ ماؤف ہو کر رہ گئے، آپ کی اچانک موت کا وہم وگمان بھی نہ تھا، اسی لئے یقین کامل کے باوجود دل اس خبر کلفت اثر کو جلدی سے ماننے پر تیار نہیں کہ سلسلۂ تھانوی کا وہ ستارہ ٹوٹ چکا ہے جس سے دنیا بھر کے لوگ روشنی اور رہنمائی حاصل کرتے تھے اور انہیں صحیح سمت پر چلنے کی توفیق میسر ہوتی تھی۔

۲۸ر رمضان المبارک کی صبح! تو نے کیا کیا ابھی امت کو حضرت فقیہ الاسلام کی سرپرستی کی ضرورت تھی، ابھی علماء اور عوام وخواص کو آپ کی ذاتِ گرامی سے فیض رسانی کی امیدیں وابستہ تھیں لیکن۔ آہ!

عجب قیامت کا حادثہ ہے، کہ اشک ہیں آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تیری جدائی پہ مرنے والے، وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تیری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

حضرت فقیہ الاسلام کی ذاتِ گرامی مختلف اوصاف کا مجموعہ تھی، ذکاوت و ذہانت، معلومات کی کثرت، ضبط و اتقان، عبادت و ریاضت، غرض اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی صفات حسنہ اور کمالات محمودہ سے نوازا تھا۔

قوت حفظ وکثرت مطالعہ کا ایک واقعہ

قوتِ حفظ اور کثرت مطالعہ پر ایک واقعہ یاد آیا، جس کا تعلق براہِ راست راقم الحروف سے ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے مولانا عبدالحمید صاحب ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند نے معلوم کیا کہ کیا مسلمان کو احتیاطاً ہر روز تجدید ایمان اور ہر مہینہ تجدید نکاح کرنا چاہئے؟ یہ مسئلہ کہاں ہے؟ مزید یہ بھی فرمایا کہ اس جزیہ سے متعلق مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ لاعلمی ظاہر فرما رہے ہیں اور مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ نے شامی کا حوالہ دیا، تلاش کرو شامی میں کہاں ہے؟ احقر نے شامی میں کتاب النکاح دیکھا مگر وہاں یہ جزیہ نہیں ملا (شامی میں جزیہ تلاش کرنا بھی مستقل مسئلہ ہے سب کے بس کی بات نہیں اور بالخصوص جب علم بھی نیا ہو) راقم الحروف اس وقت مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھا۔ ایک دن حضرت فقیہ الاسلامؒ بعد نمازِ ظہر خالی بیٹھے تھے موقع غنیمت سمجھ کر میں یہ جزیہ معلوم کرنے لگا اور یہ عرض کیا کہ شامی میں کتاب النکاح میں مجھے یہ جزیہ نہیں ملا، حضرت فقیہ الاسلام نے فرمایا شامی جلد اول لے آؤ، احقر لے گیا تو ایک اندازے سے ایک ہی دفعہ میں شامی کھولی اور ایک آدھ ورق اِدھر اُدھر پلٹنے کے بعد فوراً انگلی رکھ کر بتایا کہ یہ ہے وہ جزیہ، میں دنگ رہ گیا کہ یا اللہ! اس ضعف اور بڑھاپے میں استحضار جزئیات کا یہ عالم ہے تو جوانی میں کیا حال رہا ہوگا، عبارت یہ تھی---

"والاحتياط ان يجدد الجاهل ايمانه كل يوم ويجدد نكاح إمرأته عند شاهدين في كل شهر مرة أو مرتين الخ" (شامی ج ۱ ص: ۳۲)

اسی طرح اردو کی چھوٹی چھوٹی کتابیں جسے عامۃ علماء حضرات یاد تو کیا رکھتے پڑھتے بھی نہیں، مگر حضرت مفتی صاحبؒ کو خوب خوب یاد رہتا تھا کہ کس نے کہاں، کیا لکھا، میرا تو بارہا کا مشاہدہ ہے۔

حضرت فقیہ الاسلام کے اوصاف وکمالات

آپؒ کی زندگی کھلی کتاب تھی نا اپنوں سے گلہ نہ غیروں سے شکوہ، دنیا اور دنیاداری کے گویا دشمن لیکن دین اور دینداری پر جانثار، احقاق حق وابطال میں بے مثال، صاف گوئی اور حقیقت پسندی آپ کی خو، طلباء سے شفقت اور نرمی کا برتاؤ، اساتذہ وملازمین مدرسہ سے محبت ودرگزر کا معاملہ عوام اور خلق خدا سے اخلاق محمدی کا بھرپور مظاہرہ، مہمان نوازی، نادار طلباء کی ہر ممکن مدد کی آپ نے وہ مثالیں پیش کر دیں جو صرف کتابوں میں پڑھی اور وعظوں میں سنی جاتیں تھیں۔ امورِ مدرسہ میں ہر وقت سرگرداں، نہ دن کی فکر نہ رات کی خبر، امراض واسقام کا تسلسل اور سفر پر سفر، ایک سفر سے واپسی دوسرے سفر کے لئے پابہ رکاب، ہندو بیرونِ ہند کے متعلقین وہمدردان کی دعوت پر دعوتی اسفار، روزانہ آنے والے ہجوم سے ملاقاتیں، دعاء کیلئے حاضر ہونے والے جم غفیر سے باری باری گفتگو، ایک شخص پانی کی بوتل لئے سر پر مسلط کہ حضرت اسپر دم کر دیں، اور دوسرا شخص اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی تیل کی شیشی بڑھا رہا ہے کہ حضرت اس پر کچھ پڑھ کر پھونک دیں، کچھ لوگ اپنے بچوں کو پکڑ پکڑ کر آگے بڑھا رہے ہیں کہ حضرت ان کے سر پر آپ اپنا دست بابرکت رکھ دیں، کسی کی فرمائش کی دعاء فرمائیں تو کوئی تعویذ لینے پر مصر، آپ سفر پر جانے کیلئے جوتے پہن رہے ہیں اور عقیدت مند لپک لپک کر مصافحہ کر رہے ہیں، حضرت گاڑی میں بیٹھ رہے ہیں اور مدرسہ کا کوئی کارکن درخواست پر دستخط کے لئے حاضر۔

اللہ اللہ! اس پیکرِ مجسم کا نام تھا فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسین صاحب جو ہر موڑ اور ہر گام پر کامیاب اور فائز المرام رہے۔ نصرتِ غیبی اور تائیدِ الٰہی جنکے ساتھ رہی انہوں نے زندگی بھر سنتِ نبویؐ اور اپنے اسلاف کی پاکیزہ روایات کو گلے لگایا، ہر موقعہ پر سنتوں کا خیال اور اپنے خوردوں کو سنت پر چلنے کی ہدایت طلباء سے فرماتے کہ تم احساس کمتری کا

شکار مت ہونا اور اپنے ماتحت افراد کو نصیحت کہ متقیانہ زندگی بسر کریں۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب ؒ مفتی اعظم مظاہر علوم اپنے دور کے جلیل القدر عالم و مفتی تھے، چنانچہ حضرت فقیہ الاسلام کی ولادت ۱۱؍ربیع الاول ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۷؍اگست ۱۹۲۹ء جمعرات کو سہارن پور میں ہوئی والد ماجد نے آپ کے دو نام تجویز فرمائے مظفر حسین اور احمد سعید، پہلا نام تاریخی ہے اور اسی نام سے پورے عالم میں شہرت پائی۔

تو میرے شیخ کے باغ کا مالی ہے

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی ؒ کی ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست سے اور اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ؒ کے ایما و مشوروں کی بدولت مدرسہ مظاہر علوم کے سب سے بڑے منصب عہدہ نظامت پر فائز ہوئے اور مذکورہ بزرگوں کی حیات گرامی میں تقریباً چودہ سال تک نائب ناظم کے عہدہ پر رہ کر اپنی دور رسی، بالغ نظری، معاملہ فہمی اور بلندئ کردار کا بھرپور مظاہرہ فرمایا تھا حضرت شیخ الحدیث ؒ تو فرمایا کرتے تھے:

''مظفر تو میرے شیخ (حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ؒ) کے باغ کا مالی ہے''

حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب ؒ کے ۱۳۹۹ھ میں انتقال کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب کو باقاعدہ نظامت کی باگ ڈور سونپی گئی، جس میں آپ کے مشفق استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ؒ کی بھرپور تائید حاصل تھی۔

حضرت فقیہ الاسلام اور علالت اول سے شفایابی کا واقعہ

چند سالوں سے حضرت فقیہ الاسلام مختلف بیماریوں سے دو چار رہے ۱۴۱۵ھ میں مظفر نگر کے ایک دینی جلسہ میں جب نماز تہجد کی ادائیگی کے لئے وضو بنا کر کھڑے ہوئے تو چکر آگیا، اور زینہ پر سے گر پڑے، سر میں شدید چوٹیں آئیں میرٹھ میں علاج شروع ہوا اور الحمد للہ ڈاکٹروں کی ناامیدی کے باوجود بہت جلد شفایاب ہوئے، دنیا بھر میں حضرت کی شفایابی کو آپ کی اہم کرامتوں میں شمار کیا جائیگا، خود آپ کے خصوصی معالج ڈاکٹر گریش تیاگی کو حضرت کے روحانی مقام کا تب ہی پتہ چلا اور آپ کے جانثاروں میں شامل ہو گئے۔

بفضلہ تعالیٰ حضرت والا شفایاب تو ہوگئے لیکن ضعف وعلالت کا سلسلہ برابر چلتا رہا، حتی کہ ۲۷ر رمضان المبارک کو دل کا دورہ پڑا فوراً ایسکورٹ ہاسپٹل دہلی میں داخل کیا گیا،لیکن وقتِ قضا آچکا تھا اور آپ جانبر نہ ہوسکے اور اگلے روز انتقال ہوگیا۔ باشندگان سہارنپور نے جب یہ افسوسناک خبر سنی تو ان پر غم وآلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، دکانیں بند ہوگئیں، گویا اہلِ سہارنپور بزبانِ حال کہہ رہے تھے کہ۔

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

آپ کی ذات میرے لئے مفرح قلب ہے

مسیح الامت حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ خانصاحب جلال آبادی نوراللہ مرقدہٗ کو بھی مدرسہ مظاہر علوم اور وہاں کے بزرگوں سے بڑی محبت تھی، وہاں کے بزرگوں کا اکرام واحترام اور خوردوں پر شفقت فرماتے تھے نیز حضرت فقیہ الاسلام اکثر وبیشتر مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب شیروانی نوراللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور حضرت مسیح الامتؒ بڑا مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے، کبھی کبھی حضرت فقیہ الاسلام سے فرماتے:

''آپ کی ذات میرے لئے مفرح قلب اور مقوی قلب ہے''

حضرت فقیہ الاسلام کی آمد ورفت کا سلسلہ حضرت جلال آبادیؒ کے بعد بھی قائم رہا اور جب بھی ادھر گزر ہوا تو جامعہ مفتاح العلوم کے روح رواں حضرت مولانا صفی اللہ خاں صاحب مدظلہٗ (بھائی جان) صاحبزادہ جانشین حضرت جلال آبادیؒ کے پاس تشریف لاتے اور نہایت شفقت ومحبت فرماتے رہے۔

حضرت فقیہ الاسلام کی کوئی صلبی اولاد نہیں ہوئی۔ البتہ روحانی اولاد لاتعداد ہے۔

(مفتاح الخیر جلد ۱ ،شمارہ ۸۔۷۔ ۲۰۰۴ء)

□□□

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب اترانویؒ ☆

۱۶؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ کو بندہ ایک سفر کے لئے گھر سے نکل رہا تھا لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ طبیعت پر ایک بے کیفی سی طاری تھی، فضا اداس سی لگ رہی تھی، ساری چہل پہل کے باوجود ایک نامعلوم سناٹا محسوس ہو رہا تھا بات اہم تھی مگر مجھے کچھ پتہ نہ تھا، اس لئے بوجھل سہی لیکن قدم آگے بڑھتا جا رہا تھا، بس پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک اجنبی شخص نے ایک روح فرسا خبر سنائی کہ حکیم الامت کے جانثار، مصلح الامت کے معتمد خاص، استاذی حضرت مولانا محمد فاروق صاحب کا انتقال ہو گیا ناچیز یہ خبر سن کر ساکت وصامت رہ گیا، دل یقین کرنے کو تیار نہ تھا، ابھی تو کل بول رہے تھے، اتنی جلد خاموش ہو گئے، طبیعت بھی تو کوئی زیادہ خراب نہ تھی، بندہ سے کل کافی دیر تک باتیں کرتے رہے، دینی مسائل بتاتے رہے، بہت سی باتیں معلوم کیں، پھر کیسی خبر سن رہا ہوں، پیروں تلے زمین کھسکتی محسوس ہوئی، دل تھام کر مختلف خیالات کے ہجوم میں اتراؤں پہنچا، دیکھتا ہوں کہ وہاں کی کیفیت ہی عجیب ہے، درودیوار پر سوگواری طاری ہے، لوگوں کا ایک ہجوم تھا آنکھیں نم تھیں، چہرے اداس تھے، زبانوں کو یارائے تکلم نہ تھا، میرے ایک ساتھی بڑھ کر مجھ سے لپٹ کر بے ساختہ رونے لگے، دیر تک ہم دونوں روتے رہے لوگوں نے تسلی دی، ایک دوست نے کہا چل کر دیکھ لو، ہمت کر کے جسد اطہر کے پاس پہنچا پھر بے ساختہ رونا آگیا، کیا لکھوں اس وقت دل کی عجیب کیفیت تھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر نظر پڑی؛ چہرے پر ایک عجیب رونق تھی جو بیان سے باہر ہے، بس ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آرام کی نیند سو رہے ہیں اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں ۔

☆ یہ مضمون ماہنامہ ریاض الجنۃ جونپور، البدر کاکوری لکھنؤ، الاسلام برطانیہ، اذان بلال آگرہ میں "ایک روشن چراغ تھا نہ رہا" کے عنوان سے بھی طبع ہو چکا ہے۔ لیکن ہم یہاں آئینہ مظاہر علوم سہارنپور سے نقل کر رہے ہیں۔ ج ۱۰ شمارہ ۲، ۱۰۰۰ء

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

حضرت والا کو قریب ڈیڑھ بجے غسل دینے کی تیاری ہونے لگی، غسل کے بعد لوگ زیارت کرتے رہے، زیارت کرنے والوں کی وہ بھیڑ تھی کہ اس وقت کا نقشہ کھینچنے سے میرا قلم عاجز ہے اور میں کیا کوئی بھی اہل قلم ان کیفیات کا صحیح نقشہ نہیں کھینچ سکتا جو اس وقت وہاں طاری تھا۔ ساڑھے تین بجے جنازہ اٹھا پھر ایسا لگا کہ زمین تھرا گئی، آسمان لرز اٹھا مئی کی چلچلاتی دھوپ تھی، سورج آگ برسا رہا تھا، گرمی کی تپش سے لوگ شرابور تھے، لیکن جنازہ کا اٹھنا تھا کہ آسمان نے بھی بادلوں کی سوگوارانہ چادر اوڑھ لی، اور سورج کا دہکتا ہوا انگارہ اپنی گرمی سمیت روپوش ہوگیا، جنازہ مدرسہ کی چہاردیواری سے نکلا اور شہر خموشاں کی طرف چلا ،لوگوں کا اس قدر ہجوم کہ خدا جانے کتنے لوگ کاندھا دینے سے محروم رہے، گہوارے سے بندھے دو لمبے لمبے بانس میں لوگوں کا اس قدر ہجوم کہ اگر کوئی گر جاتا تو اٹھنا مشکل، میں بھی ہمت کرکے بھیڑ میں گھسا اور دل کی آخری آرزو پوری کرنے کے لئے بجائے کاندھا دینے کے بانس میں ہی مس کر لگا، قبرستان پہونچ کر بھی زیارت کا سلسلہ جاری رہا، قریب چار بجے نماز جنازہ کی صف بندی ہونے لگی، پسماندوں کی حالت غم سے نڈھال تھی بالآخر اولیاء کے ایماء پر نماز جنازہ حضرت مولانا محمد عرفان صاحب خویش حضرت مولانا قاری مبین صاحب جانشین مصلح الامت نے پڑھائی...... کچھ دیر بعد لوگ مٹی دینے لگے، بندہ بھی مٹی دینے کے لئے مجمع میں گھسا دل کا عجیب عالم تھا کہ اس محسن کرم فرما پر آج کیسے مٹی ڈالوں جس سے ہمیشہ اپنے دینی و دنیوی مسائل حل کرتا رہا معاً یہ خیال آیا کہ آخر حضرات صحابہؓ نے بھی تو آپ ﷺ کی مٹی دی تھی، الغرض مٹی دی، کچھ دیر بعد فاتحہ پڑھا اور واپس آکر مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر خوب رویا۔

آہ! اشکوں کو نہ ان کا ہوسکا دامن نصیب
دفن ہم نے خاک میں ہر اک ستارہ کردیا

دل پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی، عجیب عالم تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج زندگی کی تمام مسرتیں چھن گئیں، آج محفل ہستی اجڑ گئی ہے، آج باغ عالم کا گوشہ گوشہ ویران ہوگیا ہے اور دل پوچھ رہا تھا کہ

اٹھ گیا کون یہ محفل سے کہ جس کے غم میں
درو دیوار سے آتی ہے صدا ماتم کی
سوگ کس کا ہے زمین اور فلک کو اتنا
اوڑھے رکھی ہے انہوں نے جو ردا ماتم کی

بہت کچھ خوبیاں تھیں

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف وکمالات، تالیفات وتصنیفات، ارشادات وملفوظات، دینی خدمات وخصوصیات اور ان کی بے نفسی وگوشہ نشینی کے حالات وواقعات، مصلح الامت سے والہانہ لگاؤ اور تعلقات بالخصوص آپ کی حق گوئی وبے باکی اور کرامات، مجالس میں علوم ومعارف کی برسات، وظائف ومعمولات، زہد وتقوی کی تجلیات، علمی دقائق وحقائق کی تحقیقات، ہزاروں وعظ وبیانات، پھر اساتذہ وتلامذہ اور تبحر علمی کا تذکرہ ان سب باتوں کو تحریر کرنے کے لئے مستقل دفتر درکار ہے، کوشش کی جارہی ہے ان شاء اللہ جلد ہی حضرت کی سوانح حیات، منصۂ شہود پر آئے گی تاہم اجمالاً یہ چند سطور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی کی کچھ جھلکیاں ہدیہ قارئین ہیں یہ کوئی حضرت والا " پر مضمون نہیں بلکہ احقر کے دل پر جو گذر رہی ہے اپنے تاثرات کی داستان کی ایک کڑی ہے بھلا زبان وقلم کی کیا مجال جو دل پر گذری ہے اس کا مکمل نقشہ کھینچ سکے کچھ لکھنا لکھانا مشکل ہے قلم اٹھاتا ہوں تو بے ساختہ رونا آتا ہے، دل گھبرانے لگتا ہے ہمت کر کے یہ چند سطور پیش خدمت ہیں، خدا کرے حضرتؒ سے تعلق رکھنے والوں کی تسکین کا سبب بنے۔

حضرت اترانوی نمونۂ اسلاف تھے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اگر ایک طرف شیریں بیان مقرر تھے تو دوسری طرف علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر بھی، انہیں تمام خداداد کمالات کی بناء پر اپنے مرشد مصلح الامت عارف

باللہ حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے زندگی بھر معتمد رہے اور پھر بعد میں حضرتؒ نے اجازت بھی دی ہزاروں لوگ آپ کی تبلیغی کوششوں سے فیضیاب ہو کر راہ راست پر آگئے اور اپنے اعمال کی اصلاح کی شرک وبدعت ورسوم کی جو گرم بازاری تھی وہ ٹھنڈی پڑی، اپنی تصنیف وتالیف اور وعظ وتذکیر کے ذریعہ عام مسلمانوں کی خدمت کرنے کے لئے خود کو وقف کئے ہوئے تھے، ساری زندگی کنج عزلت میں ایک دیہات میں گزاردی، زہد وورع وگوشہ نشینی میں نمونہ اسلاف تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ تبحر علمی میں بھی یکتائے روزگار تھے کون سا ایسا علم تھا کہ جس سے آپ کو دلچسپی نہ تھی کون سا ایسا فن ہے کہ جس سے لگاؤ نہ تھا حسن اخلاق اور تحمل وجفاکشی کے جس مرتبہ پر آپ فائز تھے اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔

تحصیل علم وخدمت دین

آپ ۱۹۲۱ء میں ضلع الہ آباد کے ایک گمنام قریہ اتراؤں میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم علاقائی مدرسہ میں حاصل کی اور وہیں حفظ قرآن کی بھی تکمیل کی، متوسطات کی تعلیم شہر الہ آباد میں حاصل کی اور دورۂ حدیث شریف کیلئے سہارنپور تشریف لے گئے، ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۵ھ میں مظاہر علوم سے فارغ ہوئے، بعد فراغت چند سال "نینی" ضلع الہ آباد میں درس وتدریس میں مشغول رہے پھر اپنے بڑے بھائی کے اصرار پر اپنے آبائی وطن اتراؤں میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری فرمایا اور شہرت ونام ونمود سے بہت دور گوشہ گمنامی میں اسی قریہ میں تاحیات درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتقریر کے ذریعہ امت کی رہنمائی وخدمت دین میں مشغول رہے، اور بالآخر ۱۶ رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ کو علم وحکمت کا روشن چراغ رات کے ساڑھے بارہ بجے ہمیشہ ہمیش کے لئے بجھ گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مزاج ومذاق

آپ مسلکاً حنفی تھے، آپ کو امام ابوحنیفہ سے عشق کی حد تک محبت تھی، حال ہی میں ایک روز فرمایا "غیر مقلدیت بڑھتی جارہی ہے" آپ کو اس کی بے حد فکر وتشویش تھی

،احقر سے فرمایا میرے لئے "زم زم" جاری کراؤ (زم زم دو ماہی رسالہ ہے جو غازی پورے نکلتا ہے اس میں غیر مقلدین کے خلاف مضامین شائع ہوتے ہیں) دوران گفتگو عرض کیا کہ اعظم گڑھ کے ایک منکر حدیث نے جو جماعت اسلامی سے تعلق رکھتا ہے "حقیقت رجم" نامی کتاب لکھی ہے جس میں رجم کا انکار کیا ہے، اس کے رد میں مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نے "نقد بر حقیقت رجم" لکھا ہے. بہت خوش ہوئے اور فرمایا میرے لئے ضرور لاؤ۔

حکیم الامت سے والہانہ لگاؤ

آپ کو بچپن ہی سے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت ومحبت تھی، حضرت حکیم الامت کی سب سے پہلی زیارت سہارنپور اسٹیشن والی مسجد میں ہوئی تھی، اس زیارت سے حضرتؒ کی خوشی کی جو کیفیت تھی اس کا اندازہ اس وقت ہوتا تھا جب آپ اس کا ذکر کرتے، ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی محض اس کے ذکر سے حضرت پر ایک سرشاری کی کیفیت چھا جاتی تھی تاحیات آپ حضرت تھانویؒ سے محبت وتعلق پر خود بھی مضبوطی سے قائم رہے اور اپنے متوسلین ومتعلقین کو بھی اس کی تاکید کرتے رہے، انتقال سے دو روز قبل وصیت فرمائی کہ میری قبر حضرت تھانویؒ کی قبر شریف کی طرح بغلی لحد بنائی جائے، جگہ کی بھی خود ہی تعیین کر دی تھی، ہر قول وہر عمل میں حضرت حکیم الامت کا طریقہ تلاش کرتے اور اسی پر خود بھی عمل کرتے اور متعلقین کو بھی تلقین کرتے ذرا اندازہ لگائیے کہ کس قدر محبت تھی کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کہ آخری وقت میں بھی حضرت تھانویؒ کا طریقہ اپنایا۔ سچ ہے کہ :

ع زندہ کر جاتے ہیں دنیا کو یہ مرنے والے

تین نصیحتیں

ایک مرتبہ فرمایا: تین چیزوں کو نہ چھوڑنا ان شاء اللہ ہمیشہ دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران رہو گے۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ سنت کو کہ یہی تو اصل الاصول ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو۔

(٣) حضرت تھانوی کے طریق کو ان شاء اللہ کبھی نہ بھولو گے۔

حضرت مصلح الامت کی خدمت میں

اوائل عمری میں آپ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت تھانوی سے تھا اور انہیں سے بیعت بھی تھے، حضرت الہ آبادی کے وصال کے بعد شیخ کی تلاش وجستجو میں فتح پور تال نرجا حاضر ہوئے اور مصلح الامت سے استفادہ باطنی کیا، فتح پور تال نرجا کی حاضری کے وقت آپ نے ایک طویل نظم "وادیٔ ایمن" کے نام سے کہی تھی۔ حضرت مصلح الامت نے اس نظم کو بہت پسند فرمایا اور کئی بار لوگوں کو پڑھوا کر سنوایا، حضرت مصلح الامت کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد حضرت سے جو ارادت و تعلق ہوا کہ اللہ اکبر اگر کسی کو اندازہ کرنا ہو تو حالات مصلح الامت (مکمل از حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب جامی) کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ خود اندازہ ہو جائے گا اور حضرت مصلح الامت سے عقیدت و تعلق کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے ذاتی معاملات اور گھریلو باتوں، میں بھی آپ سے مشورہ کرتے تھے۔

حضرت مصلح الامت کا اتراؤں سے تعلق

حضرت مصلح الامت کو اتراؤں سے بے پناہ محبت تھی آپ کبھی کبھی بغیر اطلاع تشریف لاتے اور کئی کئی روز قیام فرماتے، ایک موقع پر حضرت شاہ صاحب نے فرمایا اگر میں کہیں دیہات میں گھر بناتا تو اتراؤں میں بناتا اندازہ فرمائیے کہ حضرت فتح پوری کو مولانا محمد فاروق صاحب سے کس قدر محبت تھی اور ان سے کس درجہ مطمئن تھے۔

شیخ کے وصال کے بعد بھی شیخ کے خانوادے سے تعلقات

حضرت کے وصال کے بعد بھی آپ کا اس خانوادے سے گہرا تعلق رہا، حضرت مولانا شاہ قاری محمد مبین صاحب دامت برکاتہم کو اپنا پیر مانتے رہے اور لوگوں کی توجہ ان کی طرف مبذول فرماتے رہے، ایک روز احقر تصوف کی کچھ باتیں دریافت کر رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ یہ شیخ کامل بناتا ہے اور فرمایا حضرت قاری صاحب کی موجودگی کو غنیمت سمجھو۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب سر زمین اتراؤں میں

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب" اتراؤں میں تشریف رکھتے تھے، اسی اثناء میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب" ملاقات کی غرض سے تشریف لائے چونکہ حضرت "اتراؤں میں تھے اس لئے مہتمم صاحب تشریف لائے، یہاں سے جانے کے بعد حضرت مہتمم صاحب" نے اپنے تاثرات کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا "اتراؤں پر میں جتنا اِتراؤں کم ہے"

خانقاہ تھانہ بھون میں

حضرت تھانوی" کے بعد خانقاہ تھانہ بھون کا نظم ونسق حضرت مولانا حامد حسن" نے سنبھالا، کچھ عوارض کے سبب جب مولانا حامد حسن صاحب سبکدوش ہو گئے تو اس وقت حضرت حکیم الامت کے لوگوں نے حضرت مصلح الامت سے درخواست کی کہ آپ خانقاہ میں تشریف لے چلیں، حضرت مصلح الامت کسی وجہ سے راضی نہ ہوئے اور حضرت اترانوی" سے فرمایا کہ تم تیار رہنا اگر ان لوگوں نے پھر مجھے لکھا تو تمہیں کو بھیجوں گا چنانچہ پھر کسی کا خط آیا کہ اگر آپ کسی وجہ سے نہ تشریف لا سکیں تو اپنے کسی معتمد علیہ ہی کو بھیج دیں چنانچہ حضرت مصلح الامت نے مولانا کا انتخاب فرمایا اور انہیں تھانہ بھون بھیجا اور چلتے وقت دو نصیحتیں فرمائیں، حضرت اترانوی" جب تک وہاں رہے دونوں نصیحتوں کا پورا خیال رکھا اور تقریباً دو تین ماہ درس تفسیر وحدیث بیان فرماتے رہے اور بقیہ اوقات میں بھی حضرت ہی کے ملفوظات کا مذاکرہ رہتا تھا، لوگوں نے بہت پسند کیا اور آہستہ آہستہ قصبہ کے دوسرے لوگ بھی شریک وعظ ہوتے رہے، لوگوں نے باہر جا کر چرچا شروع کیا اور آس پاس کے دیہات سے بھی وعظ کے لئے بلایا جانے لگا، اس طرح الحمد للہ نہایت سکون سے کام ہو رہا تھا کہ اتفاقاً خاندان میں کوئی تقریب پڑی حضرت گھر تشریف لائے پھر دوبارہ لوگوں کے اصرار پر تشریف لے گئے اور کچھ دنوں کے بعد ہی کسی عارض کی بناء پر واپس آئے اور پھر جانے کی نوبت نہ آئی۔

احقر نے سفر تھانہ بھون کا حال نہایت اختصار کے ساتھ رقم کیا ہے تفصیل مطلوب ہو تو وہ حالات مصلح الامت جلد۔ ۳ میں ملاحظہ فرمایا جائے۔

مناظروں سے دلچسپی

حق تعالیٰ نے حضرت والاؒ کو اسم بامسمّی بنایا تھا یعنی "فارق بین الحق والباطل" کے آپ مظہر کامل تھے اور زمانہ طالب علمی ہی سے ہر مسئلہ پر بحث ومباحثہ عقلی ونقلی دلیل پیش کرنا طبیعت ثانیہ بن چکی تھی اور فن مناظرہ سے آپ کو بچپن ہی سے دلچسپی تھی اور ہمیشہ اہل باطل سے مناظرے بھی کئے، ایک مرتبہ آپ کو کہیں سے مناظرہ رشیدیہ مل گئی بہت خوش ہوئے اور اپنے استاذ حضرت مولانا سراج احمد امروہویؒ کے پاس خوشی خوشی کتاب لے کر گئے اور عرض کیا کہ حضرت ایک کتاب مناظرہ رشیدیہ ملی ہے اس کو پڑھا دیجئے، استاذ محترم نے ہنس کر فرمایا اس کو پڑھ کر کیا کیجئے گا، عرض کیا اہل باطل سے مناظرہ کروں گا ، استاذ محترم نے فرمایا: پھر کیا ہوگا، عرض کیا ہم غالب اور اہل باطل مغلوب ہوں گے، قدرے توقف کے بعد فرمایا: میاں مولوی محمد فاروق صاحب اس زمانہ میں اصول بے کار ہیں اصول کو کون ماننے والا ہے اور سمجھنے والا ہے اب اصول وانصاف کہاں! اب مجادلہ کے سوا کچھ نہیں، پوری کتاب پڑھ لی، حضرت اترانویؒ نے اس کی شرح لکھی ہے کافی دنوں سے رکھی تھی ایک مرتبہ احقر نے عرض کیا کہ اگر یہ طبع ہو جاتی تو علماء وطلبہ کو بہت نفع ہوتا۔ بالآخر میرے اصرار پر مسودہ میرے سپرد کر دیا چنانچہ اسے مکتبہ رشیدیہ سہارنپور سے طبع کرایا، دیکھئے تو دقائق علم وفن کا اندازہ ہوتا ہے اور کیسی عمدہ شرح فرمائی ہے حضرتؒ نے، سبحان اللہ۔

علم ہندسہ وفن عروض سے دلچسپی

آپ اگر ایک طرف فقہ واصول فقہ اور تصوف کے میدان کے شہسوار تھے تو دوسری طرف دیگر علوم نقلیہ وعقلیہ کے ساتھ ساتھ علم ہندسہ وفن عروض سے بھی آپ کو حصہ وافر عطا ہوا تھا، طبیعت بھی خدا کی طرف سے آپ نے موزوں پائی تھی، آپ نے کئی ایک طویل نظمیں لکھی ہیں جن میں "باغ رضوان" اور "وادی ایمن" طبع ہو چکی ہیں یہ دونوں نظمیں حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی منقبت میں ہیں، علم ہندسہ میں ایک کتاب کی شرح بھی فرمائی ہے جو تین جلدوں میں ہے، راقم الحروف اور چھوٹے صاحبزادے (مولانا محمد کلیم مظاہری) کو یہ کتاب

شروع کروائی تھی لیکن ہم لوگوں کی بدقسمتی کہ جی نہیں لگتا تھا اور ناغہ پر ناغہ ہوتا تھا حضرت اکثر کہتے کہ پڑھ لو میرے بعد کوئی ان علوم کی قدر کرنے والا نہیں ملے گا، اس وقت ہم لوگوں نے قدر نہ کی، اب پچھتاتے ہیں جب وہ ہمارے درمیان نہ رہے، لیکن اب پچھتائے کیا ہوت...... جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

حق گوئی وبے باکی

حق گوئی وبے باکی مومن کی شان ہے حضرت والا کے یہاں یہ شان بدرجہ اتم پائی جاتی تھی حق کہنا اور صاف صاف کہنا گویا ان کی سرشت میں داخل تھی اگر کوئی فعل ناجائز ہے تو اسے ناجائز ہی کہتے۔ ناجائز کو ناجائز، حرام کو حرام اور حلال کو حلال کہتے اس میں کسی کی رعایت نہ فرماتے، شریعت کا حکم مقدم رکھتے، مخلوق کی ملامت یا طعنہ زنی کے خوف سے خائف نہ ہوتے، ایک دن احقر سے فرمایا آج کل اخباری زبان کا دور دورہ ہے لوگ حق بات کہنے سے گریز کرتے ہیں اگر کسی چیز کو بدعت کہنا ہے تو اسے صاف صاف بدعت نہ کہیں گے بلکہ گول مول بات کہیں گے اور فرمایا جو بات جس درجے کی ہو اسی اعتبار سے کہنا چاہیے اور اسی قدر اس میں تصلب ہونا چاہیے۔

تخلقوا باخلاق اللہ کا عملی نمونہ تھے

آپ کے مزاج میں استغناء بہت تھا، اتباع سنت اور اپنے اصول پر عمل کرنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے، لوگوں سے حتی الامکان الگ تھلگ رہتے تھے اور ہمیشہ گوشہ نشینی وگمنامی کی زندگی بسر کی اور آپ کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ جو آپ سے ایک مرتبہ ملاقات کر لیتا آپ ہی کا ہو کے رہ جاتا، عفو ودرگذر فطرت بن چکی تھی، دوستوں دشمنوں دونوں کی طرف سے بہت مصائب واذیتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ تخلقوا باخلاق اللہ کا مظاہرہ کرتے رہے اور ہمیشہ عفو ودرگذر سے کام لیتے رہے، اپنے نفس کی خاطر کسی سے بدلہ نہ لیا اس معاملے میں آپ عند اللہ ثواب کی امید رکھ کر صبر کرتے اور معاف فرما دیتے۔

تصنیفی و تالیفی خدمات [1]

جن آنکھوں نے حضرت مولانا اترانوی ؒ کو دیکھا ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت کا زیادہ تر وقت پڑھنے لکھنے میں گزرا کرتا تھا۔ کثرت مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ بعد نماز عصر بھی مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔ جوانی کا ذکر نہیں میں بڑھاپے کی بات کر رہا ہوں، کہ جب علمی اور فنی کتابوں سے طبیعت تھک جاتی تو فرماتے کہ کوئی چٹپٹی کتاب لاؤ اور وہ چٹپٹی کتاب کوئی ادبی کتاب یا کسی شاعر کا دیوان ہوتی، لکھنے کا یہ حال تھا کہ جب قلم ہاتھ میں آجاتا تو دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتے، حالات خواہ کیسے بھی ہوں مگر قلم کی روانی میں فرق نہ آتا، لکھتے، خوب لکھتے، جو کچھ لکھتے فی البدیہہ لکھتے، اسلوب تحریر ایسا کہ ماشاء اللہ، خط اتنا صاف کہ سبحان اللہ، چنانچہ انہی تحریری کاوشوں کے نتیجے میں آپ کے شہوار قلم سے بہت ساری کتابیں معرضِ وجود میں آئیں جن میں مطبوعہ دس اور باقی غیر مطبوعہ ہیں اور ان میں تراجم کی تعداد کل چھ ہیں ۔جن کا مختصر تعارف درج ذیل صفحات میں پیش کیا جارہا ہے اور کہیں کہیں بطور "مشتے نمونہ از خروارے" اسلوب نگارش کی جھلک دکھائی گئی ہے۔

رفیق پیمبر

یہ کتاب حضرت مولانا اترانوی ؒ کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو آپ نے اپنی فراغت کے ایک سال بعد تصنیف فرمائی تھی آپ کا سن فراغت ۱۳۶۵ھ ہے اور اس کتاب پر تکمیل کی تاریخ ۱۳۶۶ھ درج ہے، جیسا کہ حضرت کے منظوم کلام "نجوم ہدایت" کی پشت پر چھپے اشتہار سے معلوم ہو رہا ہے، جس میں مشتہر کتاب نے لکھا ہے کہ:

عزیزم مولوی حافظ محمد فاروق سلمہ نے خلیفہ اول حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ کے مناقب میں سلیس و عام فہم مگر نہایت ہی دل کش اور موثر تقریباً ۱۰۰ صفحے کا رسالہ "رفیق پیمبر" تحریر فرمایا ہے، جو لائق دید اور قابل داد ہے انشاء اللہ جلد طبع کر کے ناظرین کے سامنے پیش کیا جائیگا، لیکن میرے علم کے مطابق اب تک یہ رسالہ طبع نہیں ہوسکا ہے،

---

(۱) یہ مضمون حضرت اترانوی ؒ کے حیات و خدمات پر مشتمل ایک مجموعہ کیلئے لکھا گیا تھا جو اب تک طبع نہ ہو سکا، افادۂ قارئین باتمکین کے واسطے شائع کیا جارہا ہے۔

غیر مطبوعہ نسخہ جو اس وقت میرے سامنے ہے اس کے اوراق بہت خستہ ہو گئے ہیں، جو چھونے سے بھی پھٹے جارہے ہیں، اسکے اصل مسودہ پر حضرت مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہریؒ کی اصلاح موجود ہے۔ جو موصوف نے بڑی عرق ریزی اور دقت نظری سے فرمائی ہے۔

اس رسالے کی اہم خصوصیت یہ ہیکہ یہ۔ بہت ہی آسان زبان اور مختصر لفظوں میں لکھا گیا ہے، جس کی شہادت خود مصنف علیہ الرحمہ کے قلم سے تحریر کردہ پیش لفظ یا مقدمہ کا آخری اقتباس دے رہا ہے۔

حضرت لکھتے ہیں:

کوشش کی گئی ہے کہ اسے آسان اور مختصر لفظوں میں لکھا جائے تاکہ بچے اور بچیاں نیز دیہات کے معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں، ورنہ ان حضرات کے حالات میں تو ہزار ہا بڑی بڑی اور عمدہ عمدہ کتابیں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرمائے۔

ناچیز محمد فاروق عفی عنہ خادم مدرسہ خادم الاسلام (ہینی الہ آباد)

دعوۃ الحق

رفیق پیمبر کی طرح دعوۃ الحق بھی آپ نے ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں تحریر فرمائی تھی جسکا مقصد اثبات توحید اور تصدیق رسالت ہے، جس میں نقلی و عقلی دلائل کے علاوہ مخالفین اسلام ہی کے اقوال سے اس کا اثبات کیا گیا ہے، اور توحید و رسالت کے دلائل فراہم کئے گئے ہیں" رفیق پیمبر" کی طرح یہ کتاب بھی حضرت والا نے مدرسہ خادم الاسلام ہینی الہ آباد کے زمانہ تدریس میں تحریر کی تھی، ماقبل کی طرح "نجوم ہدایت" کے ص ۱۶ پر مشہر کتاب جناب حافظ محمد حنیف صاحب" جو حضرت والا کے بڑے بھائی اور خاص مربی بھی تھے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"مصنف موصوف (مولانا محمد فاروق) نے ایک دوسرا رسالہ بنام سلسلہ دعوۃ الحق نمبر ا تحریر کیا ہے، جس میں کلمہ طیبہ کے دونوں جملوں لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اثبات زوردار دلائل سے۔ بہت ہی دل کش اور موثر پیرایہ میں کیا ہے، اور آخر میں کلمہ طیبہ کے فضائل کو بھی لکھا ہے، یہ رسالہ بھی قابل دید ہے اور ابھی طبع نہیں ہوا ہے"۔

اس کتاب کا بھی مسودہ میرے سامنے ہے تقریباً ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے لیکن مرور ایام کی وجہ سے اس کے بھی اوراق بہت بوسیدہ ہو گئے ہیں اور جگہ جگہ سے کٹ پھٹ بھی گئے ہیں مسودہ کے شروع، اور آخر اور درمیان کے کچھ اوراق غیر حاضر ہیں ۔ اسی رسالہ کا دوسرا جز صداقت رسالتِ محمدیہ علی صاحبھا الف الف تحیہ کے نام سے ۱۹۸۴ء میں طبع ہو چکا ہے، جس کا تعارف عنقریب آرہا ہے بہر حال یہ کتاب اپنے موضوع اور غرض وغایت کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

نجوم ہدایت

''نجوم ہدایت'' مدح صحابہؓ کے موضوع پر ۶۴ اشعار پر مشتمل ایک مسدس نظم ہے ٹیپ کا پسند ہے۔

زمانے میں بعد از نبی سب سے بہتر
ابوبکر و فاروق عثمان و حیدر

ان اشعار پر نظر ثانی اور تصحیح حضرت مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری نے فرمائی ہے اور اپنی رائے عالی بھی تحریر کی ہے حضرت مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری ؒ ثم الہ آبادی گورنمنٹ کالج میں عربی، فارسی کے استاذ تھے اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان کے بہترین ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیق وتاریخ میں یدطولیٰ رکھتے تھے، ان اوصاف کے علاوہ ماشاءاللہ شاعری کا بھی اچھا ذوق پایا تھا۔ شاعری میں اصغر گونڈوی سے شرف تلمذ حاصل تھا، شہر الہ آباد میں استاذ شاعروں میں آپکا شمار تھا۔ حضرت اترانوی کی ''نجوم ہدایت'' کے تعارف میں ہم یہاں مولا ناسراج الحق مچھلی شہری کی رائے گرامی اور حضرت مصنف ؒ کی وہ تحریر جو بطور پیش لفظ کتاب میں موجود ہے پیش خدمت کر رہے ہیں جو اس کتاب کے تعارف کیلئے کافی وافی ہے۔

حضرت مچھلی شہری نے فرمایا:

میرے عزیز دوست مولوی محمد فاروق صاحب اترانوی ایک پر جوش مبلغ اور ایک جوان صالح ہیں (کثر اللہ امثالہ) انھوں نے اپنی حمیت دینی کے زیر اثر حال ہی میں ایک

مسدس منقبت صحابہ میں لکھا ہے ''نجوم ہدایت'' جسکا نام اس حدیث سے ماخوذ ہے۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

اس نظم میں شاعرانہ خوبیاں اور فن کارانہ محاسن نہیں ہیں، مگر جوش طبیعت، حمیت دینی، محبت صحابہ اور صداقت بیان کی غمازی ہر مصرع کر رہا ہے و کفی بہ فخراً اس نظم کا ایک مصرع کس قدر سچا اور برجستہ واقع ہوا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی ع

وہ راتوں کے راہب تھے دن کے سپاہی

ھم باللیل رھبان وبالنھار فرسان کا مقولۂ عربی جس قدر دلکش تھا میں بلاخوف و تردید کہتا ہوں کہ اس سے کسی طرح کم یہ مصرعۂ اردو بھی نہیں، وہی ایجاز بلاغت ویسی ہی چست بندش، اتنا کامیاب کوئی اور دوسرا ترجمہ کم دیکھا گیا ہے ناظرین ایسی مثالیں اکثر اس نظم میں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اس نظم کو ان کے لئے ذریعہ آخرت بنائیں اور دنیا میں قبول عام سے نوازے آمین۔ گورنمنٹ کالج الہ آباد ۲۴ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ محمد سراج الحق غفرلہ

اور خود حضرت مصنف'' ارقام فرماتے ہیں:

''میں شاعر نہیں ہوں ضلع اعظم گڈھ میں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا تھا جو حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی مدیر الفرقان بریلی کے زیر سرکردگی دورہ کر رہی تھی، جماعت کی بے لوث تبلیغی خدمت، دین کی سچی تڑپ دیکھ کر طبیعت میں ایک کیفیت پیدا ہوئی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد مبارک کا نقشہ نظروں کے سامنے آگیا اور چند بند ان کی منقبت میں موزوں ہو گئے جو پیش خدمت ہیں ان سے منتفع ہونے والے حضرات سے دعائے خیر کی درخواست ہے۔

یکم جمادی الاول ۱۳۷۶ھ ناچیز محمد فاروق مظاہری اترانوی غفرلہ ولوالدیہ

یہ کلام منظوم اسرار کریمی پریس، الہ آباد سے طبع ہو چکا ہے مگر سن طباعت درج نہیں ہے۔

اس نظم کے علاوہ حضرت اترانوی نے ردِ رافضیت میں بھی ایک طویل نظم کہی ہے جسکا عنوان ہے" مرقع رافضیت" اور ۱۳۰۷ھ میں ایک نظم رد رضا خانیت پر لکھی تھی اور اسکا عنوان" مرقع رضا خانیت" رکھا، تھا اول الذکر تو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے البتہ ثانی الذکر ابن الوقت ملا کی خانہ تلاشی کے ص ۲۹۱ پر بلیغ الدین صاحب الہ آبادی کے نام سے طبع ہوگئی ہے۔ ان شاء فلیطالع

وادیٔ ایمن

۱۳۵۸ھ میں ۱۸ر سال کی عمر میں حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب خلیفہ حضرت تھانوی سے بیعت ہوگئے تھے ان کے وصال کے بعد کئی سال تک آپ تلاش مرشد میں سر گرداں رہے اور یہی تلاش و جستجو حضرت والا کو فتح پور تال نرجا کھینچ کر لے گئی، یہ نظم اسی سفر میں خاص کیفیت اور خاص حالات کے زیر اثر قلم بند فرمائی تھی۔ جس میں کل ۱۱۲۳ اشعار کے علاوہ اس پر تحریر کردہ مقدمہ خود مستقل ایک ادبی شاہکاری حیثیت رکھتا ہے۔

تقریر الاسعد فی مسئلۃ رفع الید

یہ کتاب دراصل حضرت اترانوی کے زمانۂ طالب علمی کی درسی تقریر کا مجموعہ ہے، جو آپ نے جامعہ مظاہر علوم میں دورۂ حدیث شریف کے سال ۱۳۶۵ھ میں لکھی تھی اور اسکا نام" تقریر الاسعد فی مسئلۃ رفع الید" تجویز کیا تھا چونکہ اس کتاب میں رفع ید کی بحث پہلے ہے غالباً اسی مناسبت سے یا حضرتِ استاذ کے نام کی مناسبت سے اسکا نام تقریر الاسعد رکھا ہوگا ورنہ اس کتاب میں رفع ید پر بحث ص ۲۰ تک ہے اور ص ۲۱ سے بحث تسمیہ شروع ہو جاتی ہے اس کے بعد ص ۵۵ سے بحث الثامین ہے جو ص ۱۱۰ صفحات پر حاوی ہے اور اس میں ۱۱ دلیلیں ہیں، اس کے بعد ص ۱۱۱ سے وتر کا بیان ہے اس میں سب سے پہلے وتر کے لغوی واصطلاحی معنیٰ بیان کئے گئے ھیں اور اس کے بعد فصل اول وجوب وتر میں ہے ص ۱۱۸ پر تعداد وتر ص ۱۲۶ سے استحاضہ کی بحث شروع ہو جاتی ہے اور اسی پر یہ کتاب ختم ہوگئی ہے ...... الغرض یہ مقلدین اور غیر مقلدین کے درمیان مختلف فیہ مسائل پر حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کے درسی افادات ہیں جن کو حضرت اترانوی نے ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں قلم

بند فرمایا تھا۔ اس کے دو سال بعد ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں اسکو دوبارہ صاف کیا، جسکا غیر مطبوعہ قلمی نسخہ مجلد کاپی کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے مظاہر علوم میں قیام کے دوران حضرت اترانوی کو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سے خصوصی تعلق رہا ہے اور حضرت "ناظم صاحب" بھی آپ سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا: کہ

"مولانا عبد الرحمن جامی صاحب اور مولانا محمد فاروق صاحب

میرے شاگرد ہیں، ان کی قدر کرتا ہوں"

(بحوالہ آئینہ مظاہر علوم وقف ص ۴۴ جون جولائی ۲۰۰۰ء)

صداقت رسالت محمدیہ علی صاحبھا الف الف تحیہ

یہ کتاب کیوں لکھی گئی کیا ضرورت پیش آئی، اس کے اسباب و وجوہ کیا ہے ان باتوں کیلئے اسی کتاب میں درج مضمون ضرورت تصنیف "جو: ص ۳ پر پیش لفظ کی شکل میں موجود ہے قارئین با تمکین کی خدمت میں پیش ہے جو، ان شاء اللہ اس کتاب کے تعارف کیلئے کافی ہوگا"۔

حضرت لکھتے ہیں:۔

۱۹۴۷ء [1] میں جب بندہ نے مظاہر علوم سہارنپور سے دورۂ حدیث پاک سے فارغ ہو کر وطن میں سکونت اختیار کی اس وقت ملک کی حالت نہایت ابتر تھی، پورا ملک تقسیم کے نتیجے میں فساد کی لپیٹ میں تھا۔ ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم تھا، نہایت ہی بد امنی اور افراتفری کا عالم تھا اہل باطل ایسے وقت کی تاک میں رہتے ہیں۔ چنانچہ گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ عیسائی مشن کیطرف سے ہندوستان میں پادری پھیل گئے اور اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کری۔

اسی سلسلے میں قصبہ ھنڈیہ، قصبہ پھول پور اور قصبہ بادشاہ پور ضلع الہ آباد میں بھی پادریوں کی جماعتیں ڈیرے ڈال کر تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئیں۔

(۱) حضرت والا کی سن فراغت شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ ہے جس کا عیسوی سن جولائی ۱۹۴۶ء ہوتا ہے مظاہر علوم کے دستاویز سے ہمیں یہی پتہ چل رہا ہے، غالباً یہاں حضرت سے لکھنے میں ذہول ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیں آئینہ مظاہر علوم وقف ص ۴۴ جون جولائی ۲۰۰۰ء

عوام مسلمانوں میں بھی اس کا چرچا ہونے لگا، بندہ کم عمر، نا تجربہ کار علی الخصوص عیسائی مذہب کی معلومات سے عاری تھا، مگر بمنہٖ وکرمہٖ تعالیٰ دینی و مذہبی غیرت و حمیت کا جذبہ اور جوش دل میں موجزن تھا، ٹوٹی پھوٹی تقریر بھی کر لیتا تھا، لہٰذا جا بجا گاؤں اور قصبات میں پہونچ کر مذہب اسلام کی اہمیت اور خوبیاں بیان کرتا نیز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر روشنی ڈالتا تھا، حسن اتفاق سے شیخ الاسلام والمسلمین قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کی بعض کتابیں دستیاب ہوگئیں جس سے بہت مدد ملی۔ پادری صاحبان تو جلد ہی اپنے پروگرام کے مطابق جا چکے تھے مگر عوام مسلمین کو اسلام اور پیغمبر اسلام سے واقفیت کو ضروری سمجھ کر اسکا سلسلہ جاری رکھا گیا اسی سلسلے میں ایک مختصر رسالہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

لہٰذا اسلام اور پیغمبر اسلام کے اجمالی تعارف اور قلوب میں اسلام کی حقانیت و صداقت اور عظمت پیدا کرنے کیلئے یہ مختصر رسالہ لکھ دیا......

یہ رسالہ مکتبہ جامعہ فاروقیہ اتراؤں، ضلع الہ آباد سے طبع ہو چکا ہے۔ سن طباعت درج نہیں ہے۔

اقامة الحجة على ان الاكثار فى التعبد ليس ببدعة

غیر مقلدین کثرتِ عبادت کو بدعت کہتے ہیں اور صوفیائے کرام کی نفلی عبادت و ریاضت پر بہت شور و غوغا مچاتے ہیں۔ جبکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں عبادت کی زیادت نہ صرف جائز بلکہ ایک امر مستحسن اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

اس موضوع پر مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ (جو علمی دنیا میں خاتم الفقہاء والمحدثین کے نام سے معروف و مشہور ہیں) کی کتاب اقامة الحجة على ان الاكثار فى التعبد ليس ببدعة بہت اہمیت کی حامل ہے، اس میں دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کثرتِ عبادت بدعت نہیں بلکہ عین عزیمت ہے یہ کتاب دو اصول، دو مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، پہلی اصل اس بیان میں ہے کہ حضرات صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین نے جو فعل کیا یا اس زمانے کے لوگوں نے بغیر نکیر جس عبادت کو انجام دیا وہ بدعت نہیں ہے، دوسری اصل مجاہدین اور عابدین کے ذکر میں ہے اور دونوں مقاصد میں پہلا مقصد اس بات کے ثبوت

میں ہے کہ عبادات میں حسب طاقت کوشش ومحنت بدعت نہیں ہے، دوسرا مقصد احادیث منع اور ریاضتِ ائمہ شرع کے درمیان تطابق کے بیان میں ہے، آخر میں ایک مقدمہ ہے جسمیں شبینہ کے حسن وقبح کو ترتیب وتفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ایک رات کی تراویح میں ختم قرآن کو وضاحت کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔

حضرت والاؒ نے اس کتاب کا مکمل ترجمہ فرمایا ہے، گو یہ ترجمہ دور حاضر کے تراجم سے مختلف ہے مگر مطلب کی وضاحت اور عبارات کا مقصد بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی نیز متن کا لب لباب اپنی زبان میں ادا کر کے گویا ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے، پورے ترجمہ کا قلمی نسخہ جو ۲۰۹ صفحات پر مشتمل ہے راقم کے سامنے ہے۔ البتہ ترجمہ کا نام اور پیش لفظ وغیرہ تحریر نہیں کیا گیا ہے نیز یہ ترجمہ کس سنہ میں کیا گیا اسکا بھی کچھ اندازہ نہیں ہو رہا ہے۔

مکتوبات فاروقی

حضرت اترانویؒ نے قابل ذکر خط وکتابت کا سلسلہ کب اور کس سن سے شروع فرمایا، نیز آپ کا سب سے پہلا خط کون سا ہے اس کا تعین بہت مشکل ہے۔ البتہ آپ کے خطوط کے رجسٹر میں ہمیں سب سے پہلا خط وہ ملتا ہے جو آپ نے اپنے موقوف علیہ کے سال میں الہ آباد سے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے نام ۱۳۶۴ھ میں تحریر فرمایا تھا، اس خط سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اس سے قبل بھی حضرت ناظم صاحبؒ سے مکاتبت کا سلسلہ جاری رہا۔...... حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نے اسی خط کے حاشیہ میں جواب عنایت فرمادیا ہے، جس میں ۹ محرم ۱۳۶۴ھ سہ شنبہ کی تاریخ درج ہے۔

اس کے بعد ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء سے حضرت اترانوی نے اپنے شیخ ثانی، ماہر اسرار روحانی عارفِ علوم ربانی حضرت مولانا الشاہ محمد وصی اللہ صاحبؒ سے اصلاحی مکاتبت کا سلسلہ شروع فرمایا اور یہ سلسلہ تادم آخر جاری رہا جیسا کہ رجسٹر نقل خطوط میں حضرت اترانویؒ نے اپنا آخری خط نقل کرنے سے پہلے ایک تمہید درج فرمائی ہے اور اس کے بعد آخری خط اور پہلو میں اسکا جواب نقل کیا ہے۔

یہ خطوط ۱۴۷ صفحات پر مشتمل ہیں جو ایک رجسٹر میں ہمارے سامنے موجود ہیں حضرت شاہ صاحبؒ کے اصلاحی مکاتیب کے علاوہ سیکڑوں خطوط کی ایک فائل الگ سے بھی

ہے۔جس میں ہر طرح کے خطوط ہیں،ان میں بزرگوں کے بھی ہیں اور خُردوں کے بھی دوستوں کے بھی ہیں اور دشمنوں کے بھی اور مسترشد کے علاوہ ازیں بریلویوں کے خطوط کی بھی ایک خاصی تعداد ہے،ان میں کچھ سوالات وجوابات پر مبنی ہیں مگر زیادہ تر غیر معقول اور نازیبا ہیں۔

ہم عصروں اور بے تکلف دوستوں میں مولانا عبد الرحمن جامیؒ ،قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ مولانا منظور احمد صاحب نعمانیؒ مولانا عبد السلام صاحب فاروقی ابن مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ ،مولانا نور محمد ٹانڈویؒ ۔مولانا مرزا عابد حسین صاحب محمود آبادی مولانا ظہور الحسن کسولوی، مفتی مظفر حسین مظاہریؒ ،مفتی مہربان صاحب بڑوتویؒ مولانا عبد الوحید صاحب کلکتوی ،مولانا محمد یوسف بستوی وغیرہ کے خطوط ہمارے سامنے ہیں جس کے نقل کیلئے ایک مستقل باب درکار ہے۔

باغِ رضواں

یہ سولہ صفحے پر مشتمل ایک قصیدہ ہے،جو حضرت مصلح الامت غریق بحر رحمت کی منقبت میں لکھا گیا ہے،اس قصیدے میں کل ۷۲ اشعار ہیں جس میں حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف کے علاوہ حضرت اترنویؒ نے آپ کی الہ آباد تشریف آوری کے سلسلے میں بھی خوب نکتہ سنجی فرمائی ہے۔مثلاً یہ شعر دیکھئے۔

کھلا اب کیا تھی حکمت نام روشن باغ رکھنے کی
ضیاء پاشی کرے گا اس جگہ اک نور یزدانی

اس طرح کے نمونے آپ کو اس نظم میں جا بجا نظر آئیں گے...... ”نجوم ہدایت“ کے اس کتابچے کے شروع میں بھی حضرت مولانا سراج الحق مچھلی شہریؒ کی رائے عالی موجود ہے،جس میں حضرت اترانویؒ کی شاعری کو سراہا گیا ہے،حضرت مچھلی شہریؒ رقم طراز ہیں :

> ہمارے محب ومحترم مولانا محمد فاروق صاحب المتخلص بہ جذبی کو بھی اللہ نے اپنے مافی الضمیر کو نظم میں ادا کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا ہے آپ نے عرصہ ہوا دو نظمیں کہی تھیں (جو احباب کی درخواست پر اس وقت شائع کی جارہی ہیں) ایک وادیٔ ایمن اور دوسری باغِ رضوان' اول الذکر نظم میں مولوی صاحب موصوف نے

اپنے تلاش مرشد اور پھر حصول مقصد کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے اور ثانی الذکر نظم ایک مدحیہ قصیدہ ہے۔جس کے ذریعہ مولوی موصوف نے مردہ قلوب میں زندگی پیدا کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ اسی راستے سے ہدایت یاب ہوجائے“۔

یہ کتابچہ اسرار کریمی پریس الہ آباد سے طبع ہو چکا ہے مگر سن طبع درج نہیں ہے، نہ مولانا مچھلی شہری ؒ کی رائے عالی پر نہ کتاب اور نہ مصنف کے کسی شعر میں ہی تاریخ کا ذکر ہے مگر اندازہ ہے کہ یہ نظم ۱۹۵۰ئ کے آس پاس لکھی گئی ہوگی۔ بہر حال یہ منقبتی قصیدہ رہروانِ راہِ سلوک کیلئے ایک نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتا ہے

اللہ کا ایک نیک بندہ

یہ بھی سولہ صفحہ کا ایک کتابچہ ہے،جس میں حضرت اترانوی ؒ نے اپنے بڑے بھائی جناب حافظ مولوی محمد حنیف صاحب ؒ کی مختصر سوانح حیات قلم بند کی ہے۔اور آخر میں ۱۵۲ اشعار پر مشتمل ایک تعزیتی نظم کہی ہے جو اسی کتاب میں شامل ہے۔

مرحوم کا سن وفات ”سانحہ ارتحال باصدق وصفا محمد حنیف“ سے برآمد ہوتا گیا ہے۔

حضرت اترانوی ؒ کو فن تاریخ گوئی سے بھی کافی مناسبت تھی جیسا کہ حضرت حافظ صاحب مرحوم ومغفور کا سن وفات اپنی تعزیتی نظم کے اس شعر سے بھی نکالا ہے۔

اگر ”مقبول خالق جاں بحق شد“ کے عدد گن لو

نکل آئے گی تاریخ وصال اس کی بآسانی

اس شعر میں ”مقبول خالق جاں بحق“ کے جملے سے سن وصال ۱۳۷۷ھ برآمد ہوتا ہے،جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت اترانوی ؒ کو فن تاریخ گوئی سے کس قدر مناسبت تھی۔

حضرت حافظ محمد حنیف صاحب ؒ کون تھے؟ کیا تھے،کس صفت کے بزرگ تھے ان باتوں کیلئے مذکورہ بالا کتابچہ ملاحظہ فرمایا جائے۔ یہ کتابچہ تاج پریس ۶ ایڈن ہسپتال کلکتہ سے طبع ہو چکا ہے۔سن طباعت درج نہیں ہے غالباً ۱۹۵۷ئ میں یہ طبع ہوا ہوگا۔لیکن اب اس کا ایڈیشن بھی ختم ہو چکا ہے۔

فاروقیہ شرحِ اردو مناظرہ رشیدیہ

فنِ مناظرہ کی اہمیت و افادیت اہل علم میں ظاہر و باہر ہے، اس فن میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں مگر جو مقبولیت علامہ سید شریف الدین جرجانی کی کتاب ''شریفیہ'' کو حاصل ہوئی دوسری کتابوں کو وہ مقبولیت نہ مل سکی، اسی طرح شریفیہ کی متعدد شروحات لکھی گئیں۔ مگر ان میں علامہ رشید الدین جونپوری کی شرح مناظرہ رشیدیہ کو جو شہرت نصیب ہوئی کسی اور کے حصہ میں نہ آسکی، چنانچہ ایک زمانے سے آج تک مناظرہ رشیدیہ ہی داخل درسِ نظامیہ ہے، ہندوستان کے ام المدارس دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور میں آج بھی یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے، اگرچہ کچھ جدت پسند اس کی افادیت کے قائل نہیں ہیں مگر ان کے عدم اتفاق سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بقول سعدی شیرازیؒ ''گر نہ بیند بروز شپرہ چشم...... چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

آج جبکہ شروحات کا چلن عام ہے آئے دن کوئی نہ کوئی شرح بازار میں آرہی ہے مگر ناظرہ رشیدیہ کی شرح اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا فاروق صاحب اترانوی کو کہ آپ نے اسکا ترجمہ اور شرح فرما کر طلبا و علماء پر بڑا احسان فرمایا۔

حضرت اترانویؒ نے یہ شرح غالباً ۱۳۸۸ھ میں تصنیف فرمائی تھی مگر اس کی طباعت کی نوبت نہ آسکی تھی -- حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہٗ ناظم مظاہر علوم دار جدید سہارنپور کے بڑے صاجزادے مولانا محمد عثمان صاحب نے راقم کی تحریک پر اپنے مکتبہ رشیدیہ سہارنپور سے ۱۴۱۹ھ میں شائع فرمایا -- ماشاء اللہ مناظرہ رشیدیہ پڑھنے پڑھانے والے علمائے وطلباء میں یہ کتاب بہت مقبول ہے اور دیوبند سہارنپور کے سبھی کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

ترجمہ مفتاح السعادۃ ومصباح السیادہ۔

جو لوگ ترجمہ کرتے ہیں یا اس فن سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ترجمہ نگاری بڑی جگر کاوی مغز ماری کا کام ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے اسلاف واکابر کو کہ انھوں نے اشاعت دین واسلام کی خاطر جہاں اور دردسری مول لی وہیں یہ مغز ماری بھی بخوشی قبول کی اور ایک سے بڑھ کر ایک مشکل کتابوں کا عربی وفارسی زبان میں ترجمہ کر

کے ہمارے لئے تحصیل علم دین کے راستے میں آسانیاں پیدا کریں۔اسی سلسلۃ الذھب کی ایک طلائی کڑی مفتاح السعادۃ عربی کا اردو ترجمہ ہے، جسے حضرت مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی ؒ نے بڑی کاوش ومحنت کر کے حضرات علماء وطلباء پر بڑا احسان فرمایا ہے۔جس کی شہادت مؤرخِ شہیر حضرت علامہ قاضی اطہر مبارک پوری ؒ نے دی ہے۔جیسا کہ موصوف اسی کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

جناب مولانا محمد فاروق صاحب الہ آبادی علمی دنیا کی طرف سے بجا طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اسکی طرف توجہ فرما کر بہت بڑا کام کر ڈالا یعنی علامہ طاش کبریٰ زادہ کی شہرۂ آفاق کتاب مفتاح السعادۃ کو سامنے رکھ کر اسلامی علوم وفنون اوران کی تصنیفات پر ایک کامل ومکمل کتاب مرتب کردی کہنے کو تو یہ ترجمہ ہے مگر درحقیقت مستقل تصنیف ہے،مولانا نے بہت سے فنون اورتراجم کا اضافہ کیا ہے، ضروری باتوں کو بہت تفصیل سے لکھا ہے اور ذاتی قابلیت وصلاحیت سے کام لیکر اسکو ہراعتبار سے مکمل کرنے کوشش کی ہے۔

یہ کتاب کس سن میں لکھی گئی اسکا علم نہ ہوسکا اس وقت اس کی تین جلدیں ہمارے سامنے ہیں جلد اول اور دوم کا سرورق پھٹا ہوا ہے اسلئے یہ بتانا مشکل ہے کہ جلد اول و دوم کس سن میں طبع ہوئی ہے البتہ تیسری جلد صحیح و سالم ہے جو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے سنہ ١٣٥٦ھ میں طبع ہوئی ہے۔

صحیح وجہ تو معلوم نہیں البتہ بادی النظر میں ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں زیادہ تر تصوف کے مضامین ہیں اوران مضامین پر کتابیں موجود ہیں شاید یہ وجہ رہی ہو کہ جس کی وجہ سے حضرت اترانوی ؒ نے جلد سوم کا ترجمہ نہیں فرمایا۔ بہر حال حضرت مترجم نے مفتاح السعادۃ دو جلدوں کا مکمل ترجمہ چار جلدوں میں فرمایا ہے جو ٣٣٠٧ صفحات پر مشتمل ہے، پہلی جلد کا ترجمہ ١٨٢٣ صفحات میں کیا گیا ہے،جس کی دو جلدیں کی گئی ہیں جلد اول ٩٢٤/اور جلد ثانی ٨٩٩ صفحات پر مشتمل ہے اور دوسری جلد کا نام علوم القرآن رکھا ہے اور یہ مسودہ ٦٢١ صفحات پر مشتمل ہے۔واضح رہے کہ پورے ترجمہ کا نام ریاض العلوم تجویز کیا گیا ہے۔

البراعة النافعة ترجمه البلاغة الواضحة

علی جازم ومصطفی امین کی البلاغۃ الواضحہ طلباء علوم دینیہ میں بہت مشہور ومقبول کتاب

ہے، اکثر مدرسوں میں داخل نصاب ہے، اردو زبان میں اسکا ترجمہ اب تک نظر سے نہیں گذرا تھا حضرت اترانوی کے ذوق ترجمہ نگاری نے انھیں مجبور کیا کہ اسکا اردو ترجمہ کیا جائے، چنانچہ موصوف نے اسکا مکمل ترجمہ ۱۳۹۴ھ میں فرمایا جو کتابت شدہ ۲۹۶ صفحات پر مشتمل ہے جو علم بیان، علم معانی، اور علم بدیع پر حاوی ہے اور یہی تینوں علوم، علوم البلاغت کہے جاتے ہیں۔

اس کتاب کی طباعت کیلئے مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ سے بواسطہ راقم الحروف بات مکمل ہو چکی تھی اور مالک مکتبہ نے اس کی کتابت اور تصحیح بھی کروائی تھی مگر بعض وجوہ کے باعث طباعت کے مراحل سے نہ گزر سکی۔

حضرت اترانوی کے ترجموں میں یہ ترجمہ نہایت عام فہم اور سلیس زبان میں ہے، البتہ اسکا نام حضرت اترانوی نے تجویز نہیں کیا تھا، موجودہ نام "ناشر" کا تجویز کیا ہوا ہے، نیز اسی طرح البلاغۃ الواضحہ کے حاشیہ میں جن شعراء وادباء کے مختصر حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں۔ اس کا مکمل ترجمہ نہیں ہوا ہے، اسکی ایک الگ کاپی ہے جس میں حجاج بن یوسف ثقفی کے حالات تک کا ترجمہ کیا گیا ہے، بقیہ ابھی باقی ہے۔(۱)

تحذير المسلمين عن تعيير المحصنين

اس کتاب کا دوسرا نام حرمت مسلم ہے اس میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے ایک مسلمان کے اپنے دوسرے مسلمان بھائی پر کیا حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں اس پر گفتگو کی ہے بالخصوص بدگمانی تجسس اور غیبت و بہتان وغیرہ کے متعلق تفصیلی احکامات بیان فرمائے ہیں۔

آج معاشرے میں پھیلی ہوئی بیماریاں بالخصوص غیبت وغیرہ اس قدر پھیلی ہوئی

---

(۱) البراعة النافعة کے بعد حضرت اترانوی کی دو مطبوعہ کتابوں پر تعارف وتبصرہ یہاں لکھے نہیں جارہے ہیں، راقم آثم نے سابقہ تبصروں کی طرح مذکورہ ان دونوں کتابوں پر بھی تبصرہ لکھا اور وہاں کے ذمہ داروں کو دکھایا لیکن احقر ان دونوں کتابوں کے شایان شان تبصرہ نہیں لکھ سکا، بالآخر ان دونوں کتابوں پر خاصہ تفصیلی تعارف وتبصرہ حضرت اترانوی کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مظاہری نے تحریر فرمایا جو انہی کے قلم سے حضرت اترانوی کی سوانح حیات یا ان کی حیات وخدمات پر مشتمل مجموعہ میں شائع ہوں گی ان شاء اللہ، قارئین بالتمکین ان دونوں کتابوں پر تفصیلی تعارف وتبصرہ وہیں ملاحظہ فرمائیں۔ نعیم

ہیں کہ ان سے بچنا مشکل نظر آتا ہے جیسا کہ خود حضرت مصنف علیہ الرحمہ اس کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

امابعد! احقر محمد فاروق غفرلہ اترانوی مظہر مدعا ہے کہ کوئی حادثہ و واقعہ کہیں رونما ہوتا ہے تو عوام الناس خصوصاً اور خواص الناس عموماً بوجہ جہل وعناد وضد ونفسانیت انسانیت و تہذیب سے عاری ہو کر حدود و شرع سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

کچھ ایسی ہی صورت بعض مقامات پر پیش آئیں اور فساد و انتشار برپا ہو گیا تو مسلمانوں کو مختلف مجالس میں حدود و احکام شرع سے آگاہ کیا گیا اور قرآن وحدیث کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کی گئی الحمدللہ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور فساد و انتشار میں بہت کمی ہو گئی۔

احباب کا مشورہ ہوا کہ اگر ان مضامین کو قلم بند کر دیا جائے تو امید ہے کہ مسلمانوں کو بہت نفع ہو لہٰذا توکلاً علی اللہ ان مضامین کی ترتیب دے کر اس امید پر شائع کیا جا رہا ہے کہ شاید مسلمانوں کو اس سے منتفع ہونے کی توفیق ہو اور اس کا نام تحذیر المسلمین عن تعییر المحصنین ملقب بہ حرمت مسلم تجویز کر دیا گیا حق تعالیٰ اس کو مسلمانوں کیلئے زیادہ سے زیادہ منتفع ہونے کی توفیق عطاء فرمائے اور احقر کیلئے آخرت میں ذریعۂ نجات بنادیں آمین۔

یہ کتاب ۱۲۱ صفحات پر مشتمل ہے جو ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں اسرار کریمی پریس الہ آباد سے طبع ہو چکی ہے اور اس کی نشر و اشاعت کا فریضہ مکتبہ فاروقیہ اتراؤں الہ آباد نے انجام دیا ہے۔

مدرسہ و مسجد ضرار

خیر القرون سے بعد نے امتِ مسلمہ میں جہاں اور بہت سے فتنے پیدا کر دیئے وہیں ان چیزوں میں بھی بگاڑ وفساد پیدا ہوا جو سراپا خیر سمجھی جاتی تھیں۔ مساجد، مدارس اور خانقاہیں جو خالص عبادت اور رضاء الٰہی کے حصول کی جگہیں تھیں اب انھیں سے بے عملی کی لہریں موجزن ہیں۔ ایک ہمارے وہ اکابر تھے جن کے تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ اگر مدرسے کی بھٹی سے اپنا کھانا گرم کر لیا تو اس کی بھی قیمت ادا کیا کرتے تھے، حضرت حکیم الامت مدرسہ کی سیڑھی سے اپنا ذاتی کام ناجائز سمجھتے تھے اس لئے کہ وقف کے مال سے ذاتی انتفاع جائز

نہیں ہے، مگر اب یہ باتیں افسانہ معلوم ہوتی ہیں مدرسہ کے وقف للہ اور خدائی ملکیت ہونے کا تصور آہستہ آہستہ ختم ہوتا جارہا ہے اور اب یہ ادارے ذاتی ملکیت اور تجارتی مرکز کی حیثیت اختیار کرتے جارہے ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ کسی مدرسے سے اگر کوئی مدرس ناراض ہو اتو جھٹ ایک دوسرا مدرسہ وجود میں آگیا اور وہ بھی پھر وہی کچھ کرنے لگا جس سے وہ خود دوچار ہوا تھا، حالانکہ جو چیز پہلے کے لئے ناجائز تھی وہ اس کے لئے بھی ناجائز ہے۔ کبھی ایک مدرسے سے اتنی روشنی پھیلتی تھی کہ اس سے بستی کی بستی منور ہو جایا کرتی تھی، آج ہر شہر میں کئی کئی مدرسے ملیں گے مگر بد عقیدگی و بد معاملگی جوں کی توں نظر آئے گی۔

ایسا ہی کچھ حادثہ حضرت اترانوی کے زمانے میں بھی پیش آیا تھا، جس سے متاثر ہو کر حضرت نے یہ رسالہ تالیف فرمایا تھا، اس کتاب میں بلا وجہ تعدد مدرسہ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، نیز ایک بستی میں ایک مدرسہ کے ہوتے ہوئے بلا وجہ دوسرا مدرسہ قائم کرنا ایسا ہی ہے جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں مسجد کے ہوتے ہوئے منافقوں نے مسجد بنائی جسکو قرآن مجید نے مسجد ضرار کے اسم سے موسوم کیا، اسی مناسبت کی وجہ سے اس رسالے کا نام مدرسہ ٔ مسجد ضرار رکھا۔

حضرت اترانوی اگر اس وقت حیات ہوتے تو آجکل کی نئی نئی خانقاہوں کے قیام و نظام کو دیکھ کر شاید یہی حکم لگاتے کیونکہ ایسی خانقاہوں کے حالات بھی کچھ اسی طرح کے ہو گئے ہیں۔ یہ کتاب حضرت والا نے ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں تالیف فرمائی تھی جو ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کی کتابت ہو چکی ہے اس وقت حضرت اترانوی کے دست اقدس سے تحریر کردہ قلمی نسخہ راقم کے سامنے ہے۔ پوری کتاب کا خلاصہ حضرت والا نے شروع کے ایک صفحہ میں پیش کر دیا ہے، ہم یہاں حضرت والا کی تمہیدی تحریر پیش خدمت کر رہے ہیں تاکہ پوری کتاب کا ماحصل قارئین کے سامنے آجائے حضرت لکھتے ہیں۔

بعد الحمد والصلوۃ۔ احقر محمد فاروق اترانوی غفرلہ عرض رسا ہے کہ اس زمانے میں مدرسوں کی بہتات ہے اگر ضرورت ہو نیک نیتی سے ہو کسی غرض فاسد پر مبنی نہ ہو تو بہت بہتر صورت ہے دین کی ترقی کیلئے مفید ہے لیکن اگر بدنیتی اور کسی غرض فاسد پر مبنی ہو تو پھر اس مدرسے کا وجود سراسر اسلام اور مسلمانوں کیلئے مضر ہے، چنانچہ آج کل ایسے مدرسے بھی ہیں،

مثلاً کسی مدرس کو ناظم مدرسہ کی جانب سے کوئی خلاف مزاج امر پیش آیا، خواہ وہ معاملہ ذاتی ہی سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو لہٰذا دل میں مخالفانہ جذبہ پیدا ہوا۔ ضد، نفسانیت، حسد وعناد باعث ہوگیا، حب شہرت وجاہ نے زور کیا یا کھانے کمانے کی ہوس دل میں سمائی بس جھٹ سے مدرسہ کے مقابلے میں دوسرا مدرسہ قائم کرلیا، رسیدات اور پوسٹر چھپوا کر گلی گلی چندہ مانگنا شروع کر دیا اس میں حلال دیکھا نہ حرام کہیں جھوٹ بول کر وصول کیا کہیں مکروفریب سے کہیں دباؤ ڈالکر کہیں تملق و چاپلوسی سے عزت وذلت سے بے پرواہ ہو کر جس ڈھنگ سے بھی بن پڑا روپیہ فراہم کیا، پھر بعد چندے اس مدرسہ میں ایسا ہی کچھ پیش آیا تو تیسرا مدرسہ وجود میں آیا اسی طرح چوتھا، پھر پانچواں وھلم جراً۔

اور لوگوں نے آنکھ بند کر کے اندھادھند چندہ دینا شروع کر دیا یہ نہ دیکھا کہ اس سے مسلمانوں میں انتشار وخلفشار ہوگا، پارٹی بندی ہوگی اور بددینی پھیلے گی دین کی صحیح خدمات میں رکاوٹ ہوگی، اگر متنبہ کرو تو کہتے ہیں یہ بھی مدرسہ وہ بھی مدرسہ، یہ بھی دین کا کام وہ بھی دین کا کام خیر قبل از علم تو معذور سمجھے جا سکتے ہیں اور مستحق ثواب ہیں مگر بعد از علم تو معذور قرار نہیں دیئے جاسکتے، ضرور مجرم اور گنہگار ہیں، اس لئے ضرورت پیش آئی کہ مسلمانوں کو بتایا جائے کہ ہر مدرسہ ہر صورت میں دین نہیں اور اسکی خدمت ہر صورت میں محمود نہیں بلکہ بعض صورتیں مذموم اور بددینی کی ہیں۔ عقائد سے لیکر اعمال تک دین کے سارے احکام کیلئے ضوابط اور حدود مقرر ہیں تو کیا مدارس اور مساجد اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کے لئے بھی شریعت نے حدود بیان کی ہیں اس لئے یہ مختصر رسالہ عام مسلمانوں کی آگاہی کیلئے شائع کرنا مناسب سمجھا گیا، انھیں اصولوں کی روشنی میں مدرسوں کو جانچا جائے جن میں میرا مدرسہ جامعہ فاروقیہ بھی ہے۔

وما علینا الا البلاغ۔ والتوفیق بید اللہ

تذکرہ اولیاء جھونسی

جھونسی شہر الہ آباد سے متصل ایک قدیم آبادی ہے، جو بڑے بڑے نامور اہل اللہ کا مسکن ومدفن ہے انھیں قدسی نفوس اولیاء اللہ کی بدولت یہ قصبہ ایک زمانے سے مرجع الخلائق رہا ہے تذکرہ اولیاء جھونسی انھیں اولیاء جھونسی کے تذکروں کی ایک کڑی ہے جس میں حضرت سید شعبان الملت حضرت شیخ تقی الدین، حضرت سید شاہ معین الحق، سید تاج الدینؒ کے

تذکروں کے ساتھ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین السہروردی و خواجہ بزرگ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ صدر الدین ملتانی، شیخ رکن الدین ملتانی، شیخ جہانیاں جہاں گشت و حضرت شیخ نجم الدین ابراہیم شیخ منہاج الدین حاجی الحرمین حضرت شاہ مدار مکنپوری اور حضرت سید محمد مکی بھگری قدس اللہ اسراھم کے تذکرے مرقوم ہیں۔

صوفیائے کرام کے یہ تذکرے مختلف مطبوعہ اور قلمی رسالوں میں بزبانِ فارسی موجود تھے حضرت اترانوی ؒ نے ان کو اردو کا لباس پہنا کر ترتیب دیا ہے۔ اس کتاب میں اولیائے جھونسی کے علاوہ ان کے خاندانی بزرگوں اور سلسلہ طریقت کے دیگر مشائخ کا بھی ذکر آگیا ہے جیسا کہ حضرت اترانوی ؒ اس کے پیش لفظ تحریر فرماتے ہیں:

”مقصود بالذات تو اولیاء جھونسی ہی کا تذکرہ ہے مگر چونکہ ان کے تذکروں میں ان کے خاندانی بزرگوں اور سلسلہ طریقت کے مشائخ کا بھی ذکر ہے اور وہ بہت نایاب بھی ہیں اس لئے انکا تذکرہ بھی ناگزیر تھا لہٰذا بصیرت کیلئے اور اولیاء جھونسی کی شانِ عالی کو اجاگر کرنے کیلئے انکا ذکر بھی بالاختصار کردیا گیا ہے اور نام اسکا تذکرہ اولیاء جھونسی رکھا ہے“

یہ کتاب مکتبہ فاروقیہ اتراؤں الہ آباد سے ۱۴۰۲ھ میں طبع ہو چکی ہے، اس کے کل صفحات ۵۱۶ ہیں اور قیمت ۵۰۔۲ درج ہے لیکن اب یہ ایڈیشن ختم ہو چکا ہے۔

الدفع المتین عن الافك المبین

۱۸؍رجب ۱۴۰۰ھ میں اس کتاب کی تکمیل بروز شنبہ کو ہوئی مگر اس وقت طباعت کی نوبت نہ آئی تھی۔ اس کے چند سال بعد مکتبہ فاروقیہ نے یہ کتاب طبع کرائی۔

الدفع المتین عن الافك المبین میں ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کی پاکدامنی کو دلائل شرعیہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے اور امت مسلمہ کو منافقین کی ریشہ دوانیوں سے بچایا گیا ہے۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءت کی آیات کو نقل کر کے اس سے مستنبط احکام و مسائل اور فضائل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور تاخیر براءت کی حکمت اور محبوبیتِ عائشہ ؓ کے ساتھ ساتھ کثرتِ ازدواج کی حکمت اور حضرت عائشہ ؓ کی فضیلت وغیرہ کو

بھی نہایت شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے۔اس کتاب کے کل صفحات ۲۰۲ ہیں اور اسکا سائز ۸×۲۶×۲۰ ہے، قیمت درج نہیں ہے۔

مناظرۂ علمیہ فی علوم الغیب النبویہ

اس کتاب کا عرفی نام اشرف المناظرہ ہے۔ جو دراصل ایک بریلوی عالم نے (۱۴۰۷ھ، مطابق ۱۹۸۶ء) حضرت اترانوی ؒ سے علم غیب سے متعلق پہلے زبانی پھر تحریری سوالات کئے تھے، جسکا جواب حضرت نے نہایت مفصل اور علمی انداز میں عنایت فرمایا ہے۔

یہ کتاب مسئلہ علم غیب سے متعلق نہایت معلوماتی کتاب ہے اس کی افادیت کے پیش نظر کتابت کرالی گئی ہے، جو تقاریظ کو چھوڑ کر ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب پر اپنی رائے لکھتے ہوئے مناظر اسلام حضرت مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ رقم طراز ہیں:

مناظرہ علمیہ کے نام سے رسالہ جو قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے ابتداً ایک باہمی گفتگو اور افہام وتفہیم کی ایک صورت تھی لیکن انتہاءً ونتیجۃً ایک مناظرہ بن گئی جس میں ایک فریق مولوی محمد احمد مصباحی فیض آبادی ہیں اور دوسرے فریق حضرت علامہ مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی نور اللہ مرقدہ ہیں، حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی حفظ الایمان کی مشہور عبارت پر مسئلہ کلام کا آغاز ہوا پھر عبارت مذکورہ سے نفس مسئلہ علم غیب اور اس کے متعلقات تک گفتگو کا سلسلہ دراز ہوا۔

حضرت مولانا عبدالمالک صاحب بھوجپوری دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا۔

یہ علم غیب کے سلسلے میں علمی اور تحقیقی جواب ہے، سائل نے چند سوالات قائم کئے ہیں مولانا مرحوم نے مسکت وعلمی جواب دیا ہے، جس سے مجھے احساس ہوا کہ مولانا کا علم کتنا گہرا تھا۔

اور حضرت مولانا محمد اسرائیل صاحب (استاذ حدیث مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو) نے اس کتاب کے بارے میں اپنے تاثرات لکھتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

یہ ایک منفرد کتاب ہے منطقیانہ فریب کو طشت از بام کرنا اس کتاب کی خصوصیت ہے، منطق کی حیثیت سے علم غیب کے بہت سے گوشوں پر علمی اور تحقیقی بحث اس کتاب کا خاصہ ہے، حوالہ جات کا ذخیرہ اور اہل علم کیلئے ایک خالص علمی اور نادر تحفہ ہے۔

بہر حال یہ ایک لاجواب اور شاندار کتاب ہے جو مسئلہ علم غیب کو منقح ومنزہ کر کے

بریلویت کے دجل وفریب کا پردہ فاش اور رضاخانیت کے شیش محل کو چکنا چور کر دیتی ہے۔

اشرف السیر فی ذکر سید البشر

یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ہے جو آپ نے ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء سے لکھنی شروع کی تھی، یہ کتاب مکمل نہیں ہو سکی ہے، اس کتاب کا مسودہ کل ۱۵ کاپیوں پر مشتمل ہے جو غزوہ بنی المصطلق تک لکھی گئی ہے، اس کتاب میں بطور خاص تاریخ وسیر کا وہ پہلو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے جو ردفرق باطلہ میں ہے، مثلاً غزوۂ احد میں روافض، حضرات صحابہؓ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضرات صحابہ بھگوڑے تھے اور غزوۂ احد میں میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے، اس طرح کے الزامات واتہامات کا بہت مسکت اور شائستہ جواب دیا گیا ہے اور انداز ایسا نادر اختیار کیا گیا ہے کہ فریق مخالف بھی نہ سمجھ پائیں کہ انکار کیا جارہا ہے۔

دوسری خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ مآخذ میں کتب سیر وتاریخ سے زیادہ قرآن و حدیث کو اختیار کیا گیا ہے، غالباً انھیں وجوہ کی بناء پر یہ کتاب لکھنے کی ضرورت پیش آئی، آپ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت نے مجبور کیا کہ سیرت النبی ﷺ لکھ کر آپ بھی اپنا نام یوسف کے خریداروں میں لکھوالیں ورنہ نبی پاک ﷺ اور ان کے جانثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت پر ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں تصنیفات موجود ہیں۔

اس کتاب کے نام کے جزء اول یعنی اشرف السیر سے ذہن حکیم الامت کی سوانح کی طرف جاتا ہے۔ چنانچہ دیگر حضرات اہل علم کے علاوہ راقم السطور کو بھی بہت دنوں تک مغالطہ رہا اور اپنے بعض مضامین میں لکھا بھی لیکن جب کتاب کا اصل مسودہ نظر سے گذرا تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔

ترجمہ من اخلاق الرسول الکریم اور لکی یکون حجا مبرورًا

اس کتاب کا ترجمہ حضرت اِترانوی نے کیوں کیا خود انھی کی قلم سے پڑھئے وہ لکھتے ہیں:

> ”حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ امابعد۔ احقر محمد فاروق عفی عنہ اترانوی عرض رسا ہے کہ یہ رسالہ مبارکہ مسمّیٰ بہ ”من اخلاق الرسول الکریم“ مولفہ حضرت العلامہ محمد عبد المحسن مدرس مدرسہ الجامعۃ الاسلامیہ المدینۃ المنورہ“

بواسطہ ایک مخلص دوست دستیاب ہوا، مطالعہ کی سعادت سے مشرف ہوا، قلب کو فرحت اور روح کو سرور حاصل ہوا، اس رسالہ شریفہ کو پڑھتا جاتا تھا اور محسوس ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت میں اضافہ ہو رہا ہے اس کے مطالعہ سے فارغ ہوا تو قلب پر بہت دیر تک ایک خاص اثر رہا"۔

عرصہ سے خیال تھا کہ ایک ایسی سیرت کی کتاب لکھی جائے جو قرآن شریف اور احادیث پاک سے ماخوذ ہو۔ جب اس رسالہ کو دیکھا تو ایک حد تک اپنے خیال کے مطابق پایا، اگرچہ اس میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے، لیکن امید ہے کہ یہ اختصار مخل نہیں ہے، یہ اس اعتبار سے بھی بہت خوب ہے کہ مختصر ہے۔ ایک نشست میں انسان صحیح سیرت پاک سے واقف ہو سکتا ہے، اور یہ مقصد کہ اپنے محبوب اور مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت دل میں پیدا ہو جائے۔ پورا ہو سکتا ہے، اس لئے میں نے چاہا کہ اپنے اردو داں مسلمان بھائیوں کے لئے اس کا ترجمہ کر دوں الحمد للہ یہ سعادت بتوفیقہ تعالیٰ حاصل ہوئی اور میں نے اسکا ترجمہ کر دیا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رسالہ کو سیدنا و سید الکونین رسول الثقلین، خاتم النبیین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت کا موجب ہو۔ اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت ہو"۔

اس کتاب کے آخر میں ترجمہ کی تکمیل کی تاریخ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۹۴ء مطابق ۱۴۱۴ھ درج ہے نیز اس کے ہمراہ ایک اشتہار (جو رد بدعات میں ہے) جو حضرت کو سفر حج میں دستیاب ہوا تھا، اسکا بھی ترجمہ فرما دیا، اس اشتہار کی بابت حضرت خود تحریر فرماتے ہیں:

یہ ایک عربی زبان میں پمفلٹ تھا جو بزمانہ حج حاجیوں کو تقسیم کیا گیا تھا۔ بندہ کو بھی ایک موصول ہوا مفید سمجھ کر اسکا (بھی) اردو زبان میں ترجمہ کر دیا گیا، نام اس رسالے کا (پمفلٹ کا) "لکی یکون حجا مبرورا" تھا جسکا اردو ترجمہ ہے "تاکہ حج مقبول ہو"

یہ دونوں ترجمے ایک کاپی کی شکل میں موجود ہیں جو مسودہ کے ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے ہیں۔

مقدمہ مناظرہ رشیدہ

۱۴۱۹ھ میں جب فاروقیہ شرح اردو مناظرہ رشیدہ "طباعت کے مراحل سے گذر رہی تھی راقم نے حضرت شارح علیہ الرحمہ سے درخواست کی کہ اس کے لئے ایک مقدمہ تحریر فرمادیں، حسب فرمائش حضرت نے لکھنا شروع کیا تو وہ مقدمہ کافی طویل ہوگیا گویا بقول غالبؔ۔ "لکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر" کا مصداق بن گیا۔ جو ۲۰×۳۰×۸ سائز کی کاپی کے ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہے، ظاہر ہے اتنا طویل مقدمہ جو خود مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہو بھلا فاروقیہ میں بطور مقدمہ کیسے چھپتا، خود حضرت کو بھی اس کی طوالت کا احساس تھا۔ اور کہنے لگے اب کیا کروں؟ میں نے عرض کیا یہ ایک مستقل کتاب ہوگئی۔ مجھے تو اس وقت ایک مختصر سا پیش لفظ تحریر فرمادیں جو کتاب کے شروع میں طبع کیا جاسکے۔

حضرت اترانوی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایجاز واطناب کا فن بھی خوب عطا فرمایا تھا، جب گفتگو طویل کرنے پر آئے تو ایک صفحہ کے مضمون کو ۱۴۲ صفحات پر پھیلا دیا اور جب مختصر کرنا چاہا تو اسی مضمون کو قریب ڈھائی صفحہ میں سمیٹ دیا۔ -- بہر حال مجھے ڈھائی صفحے کا پیش لفظ لکھ دیا جو "فاروقیہ" میں پیش لفظ کے عنوان سے طبع ہو چکا ہے۔

حضرت اترانوی نے اس وقت اس کا کوئی نام تجویز نہیں کیا تھا۔ صرف مضمون کی پیشانی پر تمہید ومقدمہ کا عنوان لکھ کر مضمون شروع کر کے مکمل فرمادیا...... نمونتاً ہم یہاں اس مقدمہ کے ذیلی اور جلی عنوانات ذکر کر رہے ہیں، جس سے اس کتاب کے مالہ وماعلیہ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ حضرت اترانوی نے اس مقدمے کی شروعات ان جملوں سے کی ہے۔

امابعد۔ جب میں مناظرہ رشیدیہ کی شرح لکھ رہا تھا تو اس میں علت ومعلول کی بحث آگئی اس میں علت کے معنیٰ عند الحکماء والمتکلمین اور علت عند الاطباء نیز عند الاصولیین والفقہاء مختلف ہیں اس سلسلے میں "نورالانوار" میں اس بحث کا مطالعہ کیا تو اس میں صاحب "نورالانوار" کا ارشاد نظر سے گذرا۔

نورالانوار کی عبارت اور ترجمہ کے بعد پھر حضرت کی اپنی تقریر شروع ہوئی ہے جو

کافی دور تک چلی گئی ہے، اس کے بعد یہ ذیلی عناوین قائم کئے ہیں:

(۱) العلۃ عند الفقہاء والاصولیین، (۲) علت موضوعہ (۳) علت مستنبط (۴) علت موثرہ (۵) العلۃ الطردیہ (۶) المناظرہ النقلیہ الشرعیہ (۷) القول بموجب العلۃ (۸) الممانعہ (۹) ممانعۃ فی نفس الوصف (۱۰) ممانعۃ فی صلاحیۃ الوصف للحکم (۱۱) ممانعۃ فی نفس الحکم (۱۲) ممانعہ فی نسبت الحکم الی الوصف (۱۳) فساد وضع (۱۴) المناقضہ (۱۵) وجوہ اربعہ (۱۶) علل موثرہ (۱۷) علت موثرہ ثابت بالکتاب (۱۸) علت موثرہ ثابت بالسنہ (۱۹) علت موثرہ ثابت بالاجماع (۲۰) المعارضہ (۲۱) معارضہ خالصہ (۲۲) معارضہ فی الحکم الفرع (۲۳) قاعدہ کلیہ (۲۴) طریق دفع معارضہ (۲۵) مذاہب علماء (۲۶) المعنیٰ المرجح (۲۷) قوت اثر (۲۸) جمع بکثرت الاصول (۲۹) الترجیح بالعدم عند العدم (۳۰) طرد (۳۱) عکس (۳۲) مرجع احد الترجیحین المتعارضین (۳۳) الترجیحات الفاسدہ (۳۴) غلبۂ اشباہ (۳۵) عموم (۳۶) قلت الاوصاف (۳۷) انتقال معلل وغیرہ اور اسکی صورتیں وامثال خاصی تفاصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

فن مناظرہ سے خصوصی شغف رکھنے والے اہل علم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ مقدمہ کس قدر علمی وفنی اہمیت کا حامل ہے۔

الحجۃ العالیہ فی تعیین الفرقۃ الناجیہ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

ان بنی اسرائیل تفرّقت علی ثنتین وسبعین ملّۃ وتفرق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃً واحدۃً الخ (مشکوٰۃ جلد اول ص ۳۰)

یعنی بے شک بنی اسرائیل بہتر ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سب کے سب آگ میں ڈالے جائیں گے سوائے ایک فرقہ کے......

وہ فرقہ کون ہے؟ کیوں آگ میں نہ ڈالا جائیگا؟ اس فرقہ کا نام کیا ہے؟ اس کی صفت وعلامت کیا ہے؟ ان سب سوالات کے جوابات کیلئے حضرت اترانوی ؒ کا غیر مطبوعہ رسالہ ... الحجۃ العالیہ فی تعیین الفرقۃ الناجیہ کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا۔

مسودہ کی حالت اور کاغذ کی رنگت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب آج سے تقریباً تیس

چالیس سال قبل لکھی گئی ہوگی، یہ رسالہ کتابت کے بعد ۸×۲۰×۳۰ سائز میں تقریباً ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقصد تالیف خود حضرت مصنف علیہ الرحمہ کی زبانی سنئے وہ رقم طراز ہیں:

''اس مختصر رسالے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم بتانا چاہتے ہیں کہ نجات کامل کے ضامن مذہب اسلام کے ماننے والوں اور اس کی صحیح اور اصل علمی و عملی تصویر پیش کرنے والوں کی جماعت ہی ''اہل السنت والجماعت'' ہے، اسلام کے بہتر فرقِ متفرقہ وغالیہ کے مقابلے میں یہی فرقہ ناجیہ ہے، جسکے اصول وفروع کی بنیاد کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع و قیاس مجتہد پر ہے جو مستنبط ومستفاد من الکتاب والسنت ہیں''۔

نام اس رسالے کا ''الحجة العالیه فی تعیین الفرقة الناجیه'' رکھا۔ حق تعالیٰ اسکو نافع بنادیں اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنادیں، آمین ثم آمین۔ احقر محمد فاروق عفی عنہ اترانوی۔ ضلع الہ آباد

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور علم حدیث (آخری تصنیف)

مخلص الامت حضرت مولانا (محمد فاروق مظاہری) اترانوی کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے غایت درجے کی محبت تھی آپ حنفی ہی نہیں بلکہ متصلب حنفی تھے۔ ممکن نہیں کہ امام اعظمؒ کا نام نامی اسم گرامی آپ کی زبان مبارک پر آئے اور آپ بغیر رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ کہے گزر جائیں، اسی محبت اور عقیدت نے حضرت اترانوی سے امام صاحبؒ پر بھی ایک تصنیف کروائی اور اسکا نام ''حضرت امام ابوحنیفہ اور علم حدیث رکھا۔

اس کتاب میں امام صاحبؒ پر کئے جانے والے اعتراضات بالخصوص یہ کہ امام صاحب محدث نہیں تھے کا جواب حضرت اترانوی نے خوب اور بھرپور دیا ہے، یہ رسالہ ۶۰ صفحات پر مشتمل مسودہ کی شکل میں موجود ہے، جس کے جلی عنوانات یہ ہیں۔

(۱) کوفہ اور علم حدیث (۲) امام اعظمؒ اور علم حدیث (۳) امام کی تابعیت (۴) امام صاحب کے کبار اساتذہ (۵) امام صاحب کے جلیل القدر تلامذہ (۶) کتاب الآثار (۷) امام اعظم ابوحنیفہؒ پر کئے جانے والے اعتراضات کا منصفانہ جائزہ۔ اس عنوان کے تحت امام صاحب پر کئے جانے والے چھ اعتراضات کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے اور پھر اسکا

مدلل اور مسکت جواب دیا گیا ہے اور اسی پر یہ کتاب ختم کر دی گئی ہے۔

اس مسودہ کے علاوہ امام صاحب کے حالات زندگی پر مشتمل کچھ کاپیاں حضرت کے خزانۂ علمیہ میں اور بھی دستیاب ہوئی تھیں مگر ناقص ہونے کی وجہ سے انھیں تصنیفات کی فہرست میں درج نہیں کیا جا رہا ہے۔

مذکورہ بالا کتاب حضرت اترانوی کی سب سے آخری تصنیف ہے اس کے بعد تصنیف و تالیف کا سلسلہ تقریباً ختم سا ہو گیا تھا اور انتقال سے کچھ ماہ قبل بخاری شریف کی تلاوت کرنی شروع فرما دی تھی، ایک دن احقر کے استفسار پر فرمایا کہ قرآن شریف کی طرح بخاری شریف کی تلاوت کا بھی معمول ہمارے اکابر کا رہا ہے، غالباً پوری بخاری شریف کی تلاوت ختم نہیں ہو پائی تھی کہ اکابر کے طریق کے اِس شیدائی نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

منتخبات الاوراق

عموماً حضرات اہل علم کا یہ معمول رہا ہے کہ دوران مطالعہ نئی و نادر معلومات، چونکا دینی والی حکایات، پر لطف قصص و واقعات، دلچسپ تحقیقات اور علمی و تحقیقی عبارات و اشارات اپنی بیاض خاص میں نقل کر لیتے تھے جس کو ثمرات الاوراق، کشکول اور حاصل مطالعہ کہا جاتا ہے جس کو فن کے اعتبار سے مشمولات و معنون کے تناظر میں دیکھا جانا چاہئے کیونکہ ان مختلف علمی شہ پاروں میں رنگا رنگ مضامین اور مختلف الخیال علماء و مصنفین کی علمی کاوشوں کا وقیع مجموعہ ہوتا ہے اور جو چیز بڑی بڑی کتابوں کی ورق گردانی سے ملنی مشکل ہوتی ہے وہی چیز بسہولت ان کشکولوں میں مل جاتی ہے۔

حضرت الاستاذ کے ذاتی دار المطالعہ میں حاصل مطالعہ پر مشتمل ایک ضخیم رجسٹر بھی تھا جس میں علم و روحانیت کی چاشنی بھی ہے، سیاست کی گہما گہمی بھی، نادر و نایاب قصص و واقعات بھی ہیں محیر العقول دینی و سائنسی کارنامے بھی، عجیب و غریب طبی نسخے بھی ہیں تعویذات و عملیات کے مجربات بھی، تحقیقی کاوشوں اور ادبی حلاوتوں کا خاطر خواہ سامان بھی اور لذت کام و دہن کیلئے پر لطف لطائف و ظرائف بھی کہنا چاہئے کہ یہ کشکول ''گل ہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن'' کی سچی تصویر ہے۔

حضرت نے ان منتشر شہ پاروں کو "منتخب الاوراق" کا نام دیا ہے۔
بہر حال یہ مواد اور مسودہ ایک موٹا سا رجسٹر اور تین چار موٹی موٹی کاپیوں کی شکل میں موجود ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی پوری زندگی کے مطالعہ کا حاصل ہے جس کے شب و روز کا زیادہ تر وقت کتب بینی میں گذرا کرتا تھا، بعض اہم اقتباسات کے شروع میں تمہیداً لکھا ہوا ہے کہ اس مضمون کو بار بار پڑھیں اور غور کریں۔

تیسر التحریر ترجمہ تحریر اقلیدس

درس نظامیہ کے نصاب کو بہت جامع و مانع اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ اس نصاب میں علوم وفنون کی قریب قریب اکثر کتابیں داخل نصاب تھیں، اب تو درس نظامیہ کا فقط نام ہی نام رہ گیا ہے ورنہ اس میں جملہ علوم دینیات و اسلامیات کے علاوہ علم ہیئت میں التصریح اور علم ھندسہ میں بست باب اور شرح چغمینی داخل نصاب تھی، حضرت اترانوی پرانے طرز و وضع کے آدمی تھے وہ درس نظامی کے پرانے نصاب کے قدرداں اور اس کے قائل و عامل تھے، انھوں نے خود بھی اسی نصاب کو پڑھا اور اپنے شاگردوں کو بھی پڑھایا کرتے تھے، چنانچہ راقم الحروف کو بھی تحریر اقلیدس شروع کرائی (مگر میری بدنصیبی و بدقسمتی کہ مجھے اس فن سے نہ اس وقت مناسبت تھی اور نہ اب ہے اور حضرت اترانوی بہت چٹخارے لیکر پڑھایا کرتے تھے اور آپ کے استفسار پر کہ کچھ سمجھے؟ کے جواب میں ہم بلا کچھ سوچ سمجھے جی ہاں کہہ دیا کرتے تھے، مجھے خوب یاد ہے کہ جب حضرت ہندسہ کے نکات و باریکیاں بیان کرتے تو بہت خوش نظر آتے، اور ہم سے بھی گویا یہ تقاضہ کرتے کہ ہم بھی انھیں کی طرح ان کی خوشی میں برابر کے شریک رہیں۔ کبھی کبھی آپ اقلیدس پر تقریر فرماتے ہوئے اس میں محو ہو جاتے۔ جیسے کوئی طنز و مزاح کا پرستار، شوکت تھانوی یا جاسوسی دنیا کا شیدائی ابن صفی کے ناول میں کھو جاتا ہے اور کتاب چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا...... اب یہ باتیں عنقاء ہوتی جارہی ہیں علوم وفنون کے اس طرح کے قدرداں و شیدائی معدوم ہوتے جارہے ہیں، اور جو بچے ہیں وہ چراغ سحری ہیں ان علمی وفنی ذوق و شوق نے حضرت اترانوی کو تحریر اقلیدس (مصنفہ نصیر الدین الطوسی) کی کتاب کا ترجمہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس ترجمہ کا نام حضرت والا نے تیسیر التحریر تجویز کیا تین چار کاپیوں کی شکل میں موجود ہے، یہ ترجمہ مکمل ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ہم

حتمی فیصلہ نہیں کر سکتے اس وقت ہمارے سامنے نصیر الدین طوسی کی تصنیف تحریر اقلیدس موجود نہیں ہے کاپی نمبر ا میں سب سے پہلے علم ہندسہ کا موضوع اور منفعت بیان کیا گیا ہے پھر اس کے آگے محقق نصیر الدین طوسی کے مختصر حالات زندگی تحریر کئے گئے ہیں اور اس کے بعد ترجمہ شروع کر دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ کس سن میں کیا گیا ہے یہ وضاحت نہیں مل رہی ہے البتہ جزء اول کے آخر میں، ربیع الثانی سن صرف ۱۴ھ لکھا ہوا ہے۔ جس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ غالباً یہ سنہ ۱۴۰۰ کے آس پاس لکھی گئی ہوگی۔

بہر حال یہ ترجمہ بہت اہم ہے اگر چہ اب مدرسوں میں نہ تو یہ کتاب داخل نصاب ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جو نتیجہ ہے علم وفن سے بے بہرہ ہونے اور فنی ذوق کے فقدان کا۔

بھلا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنے اسلاف والا علمی وفنی ذوق نصیب فرمائے اور ان کی خدمات کی قدر کرنے کی توفیق عطاء فرمائے آمین ثم آمین۔

شرح خلاصۃ الحساب

اس کتاب کے بابت حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ (امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور) اپنی تالیف منیف ”علماء مظاہر علوم اور ان کی تصنیفی وتالیفی خدمات“ کے ص ۳۳۸ ج ۳، پر رقم طراز ہیں:

”علامہ بہاء الدین آملی کی مشہور کتاب خلاصۃ الحساب کی شروحات مختلف زبانوں میں متعدد اہل علم کے قلم سے لکھی گئی ہیں مولانا موصوف کو چونکہ فن ریاضی اور حساب میں بھی مہارت تھی اس لئے آپ نے بھی اس کی ایک ضخیم شرح مرتب کی ہے، یہ غیر مطبوعہ ہے“۔

مگر نہایت افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ حضرت اترانوی ؒ کی یہ کتاب تلاش بسیار کے بعد بھی دستیاب نہ ہوسکی، کاغذات وکتابوں کے ڈھیر میں نہ معلوم کہاں رل

مل گئی ہے۔

حضرت اثرانوی نہ اپنی تصنیفات وتالیفات کی فہرست رکھتے اور نہ ہی اسکا اہتمام فرماتے کہ جلد تبع ہو کر منظر عام پر آئے اور مخلوق سے داد وتحسین وصول کریں، وہ تو بس اپنا کام کرتے جاتے اور رکھتے جاتے انھیں مخلوق سے نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہوتی۔

بہر حال ہمیں بہت قلق ہے کہ اس کتاب کا مسودہ اور اسی طرح مدرسہ ومسجد ضرار کا کتابت شدہ مبیضہ نہیں مل پارہا ہے مگر کوشش ابھی جاری ہے خدا کرے مل جائے۔ (آمین)

ترجمہ کشف الشبہات فی التوحید

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب سلیمان التیمی (پیدائش ۱۱۱۵ھ وفات ۱۲۰۶ھ) جن کی طرف نسبت کر کے کچھ لوگ ہم لوگوں کو بھی وہابی کہتے ہیں، آپ عقیدۂ توحید میں نہایت متصلب تھے، توحید باری تعالیٰ کے سلسلے میں کسی تاویل کے روادار نہیں تھے، جسے کچھ لوگ شدت پسندی پر محمول کرتے تھے، آپ نے بہت سی مفید کتابیں تالیف کیں جن میں اکثر وبیشتر توحید کی دعوت اور شرک کی تردید پر زور دیا گیا ہے ان میں سب سے مشہور کتاب۔ کتاب التوحید ہے، جس کی اشاعت کے بعد "کچھ لوگوں" نے اس میں شبہات پیدا کئے، جس کے ازالہ کیلئے آپ نے کشف الشبہات فی التوحید تالیف فرمائی، چنانچہ اس کتاب کے بعد بہت سے بندگانِ خدا کے شبہات رفع ہوئے، یہ کتاب بہت مشہور ومقبول ہوئی اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے اور مختلف زبانوں میں اس کے تراجم کئے گئے، اردو زبان میں اس کے کئی ترجمے ہو چکے ہیں انھی میں سے ایک ترجمہ حضرت اثرانوی نے بھی فرمایا جو فی الحال اصل کتاب ہی کے نام پر ہے، حسب معمول اسکا کوئی دوسرا نام نہیں رکھا گیا ہے، نیز پیش لفظ وغیرہ بھی نہیں تحریر کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ ترجمہ کس سن میں کیا گیا اسکا بھی کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے مگر اندازہ ہے کہ سفر حج وسعادت بیت اللہ شریف کے بعد ۱۹۹۴ء مطابق ۱۴۱۴ھ کے آس پاس اسکا ترجمہ کیا گیا ہوگا۔ یہ ترجمہ کل ۴۲ صفحات کے مسودہ پر مشتمل ہے جو ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

فتاویٰ فاروقیہ

یہ ایک نقل فتاویٰ کا رجسٹر ہے، جس میں جامعہ فاروقیہ سے صادر ہونے والے فتاویٰ نقل کیے جاتے رہے، نقل شدہ فتاویٰ کی تعداد قریب ۱۰۰ کے ہوگی، علاوہ ازیں کچھ فتاویٰ فوٹواسٹیٹ کی شکل میں ایک فائل میں رکھے ہوئے ہیں، ضرورت ہے کہ انھیں بھی نقل کرالیا جائے۔

حضرت اترانویؒ اگرچہ باضابطہ سند یافتہ مفتی تو نہیں تھے، تاہم فقہ وفتاویٰ کی جزئیات پر آپ کی گہری نظر تھی۔ ہمارے علاقے کے لوگ اکثر وبیشتر علماء کرام سے زبانی مسائل معلوم کرلیا کرتے ہیں، اس لئے لکھ کر پوچھنے کی عادت بہت کم بلکہ نہ کے درجے میں ہے، مگر جو اہم مسائل ہوتے مثلاً طلاق وغیرہ کے تو اگر سائل لکھنا نہ جانتا تو حضرت کسی طالب علم سے فرماتے کہ ان کا استفتاء لکھ دو اور پھر اس پر جواب عنایت فرماتے۔

"بعض وہ سوالات جو فرائض اور تقسیم ترکہ وغیرہ سے متعلق ہوتے اور بالخصوص کئی کئی بطون کے ہوتے تو حضرت والا ؒ ایسے استفتاء کو دوسرے بڑے مدارس مثلاً دیوبند سہارنپور بھجوادیا کرتے تھے، ایک مرتبہ راقم الحروف سے فرمایا کہ مجھے دو چیزیں آج تک نہ سمجھ میں آئیں ایک تو یہ جو بجلی کے تاروں میں لوگ ٹھنڈا گرم بتاتے ہیں، میں آج تک نہ سمجھ سکا کہ یہ ٹھنڈا گرم کا کیا مطلب ہے، دوسرے فن فرائض میں سراجی میرے سمجھ میں نہیں آئی اور نہ آج تک مجھے تقسیم ترکہ پر قدرت حاصل ہوسکی"۔

فتاویٰ فاروقیہ میں زیادہ تر فتاویٰ۔ طلاق ونکاح اور امامت وغیرہ سے متعلق ہیں، الغرض یہ ایک بڑا قیمتی سرمایہ ہے، اس کی حفاظت کرنی چاہئے اور مزید آئندہ جامعہ سے جاری ہونے والے فتاویٰ کو اہتمام والتزام کے ساتھ نقل کرانا چاہئے، تاکہ آنے والی نسل کیلئے فقہ وفتاویٰ سے استفادہ آسان ہوسکے۔

خطبات مخلص الامت (مواعظِ فاروقیہ)

حضرت اترانویؒ ایک فطری مقرر تھے چنانچہ عنفوان شباب ہی سے آپ نے وعظ کہنا

شروع کر دیا تھا، اور مظاہر سے فراغت کے بعد تو باضابطہ کئی کئی گھنٹے وعظ فرمایا کرتے تھے، فراغت کے بعد آپ کی سب سے پہلی تقریر ۷؍۱۹۴۷ء میں موضع مہرو پور میں ہوئی اور اس کے بعد تو یہ سلسلہ دراز تر ہوتا گیا اور تادم آخر یہ مشغلہ جاری وساری رہا، چنانچہ آپ کی سب سے آخری تقریر سرزمین اتراؤں پر جناب محمد اسرائیل عرف مٹھو کے دولت کدہ پر اپریل ۲۰۰۰ء کو ہوئی اور اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

شروع دور کی تقریروں کے ضبط کا تو کوئی اہتمام نہ ہوسکا البتہ جب سے ٹیپ ریکارڈ کی سہولت عام ہوئی تو آپ نے خود اسکا اہتمام کیا اور کیسٹوں میں تقریریں محفوظ کروالی گئیں۔ چنانچہ ان کیسٹوں کی تعداد قریب ۵۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔ اور سب ایک الماری میں محفوظ رکھی ہوئی ہیں، جو ابھی تک حوالہ قرطاس نہیں کی جاسکی ہیں ہاں جزوی طور پر کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی صاحب نے لکھ لیں اور پھر دوبارہ اس کو صاف کر لیا گیا ان میں بعض مواعظ ایسے بھی ہیں جنکا خلاصہ حضرت نے از خود تحریر فرمایا، انھیں تحریر کردہ مواعظ کی کچھ قسطیں آئینۂ مظاہر علوم میں ”مروجہ جمہوریت اور اسلام“ کے عنوان سے طبع ہوئی ہیں۔

مواعظ فاروقیہ کی کچھ کاپیاں اور مسودات اس وقت میرے سامنے ہیں جو قابل طبع نہیں ہیں ضرورت ہے کہ ان کو دوبارہ صاف کیا جائے اور ان کیسٹوں کی فکر کی جائے ورنہ خدشہ ہے کہ کہیں یہ کیسٹیں خراب نہ ہو جائیں اور قوم وملت کا یہ سرمایہ ضائع نہ ہو جائے، راقم کا اندازہ ہے کہ اگر ان کیسٹوں سے نقل مواعظ کا سلسلہ شروع کیا جائے تو خطبات حکیم الامت کی طرح اس کا بھی ایک طویل سلسلہ ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ غیب سے اس کی حفاظت وصیانت کا انتظام فرمائے، اور حضرت والا ؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت بھائی جانؒ

شکستہ یادیں........پریشان تذکرے

ان حروف کا لکھنے والا جب مظاہر علوم (وقف) سہارنپور میں افتاء کا طالب علم تھا، اسی دوران اپنے ایک ذاتی کام سے دو بار جلال آباد جانے کا اتفاق ہوا، دوسری بار"حضرت بھائی جان" کی پہلی زیارت نصیب ہوئی، مغرب کے بعد کا وقت تھا، بھائی جان اپنے کمرے ہی میں ہلکی سی لائٹ جلائے بیٹھے تھے، پنج کلی ٹوپی لگائے، پان کھائے اپنے نشست پر نیم دراز تھے، ملاقات کے بعد دریافت کیا" کہیے کیسے آنا ہوا؟" میں نے حاضری کی وجہ بتائی تو بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

افتاء سے فراغت کے بعد سال کے چند ماہ اعظم گڑھ اور پھر الہ آباد کے ایک مدرسہ میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا، اسی دوران سہارنپور جانا ہوا، وہاں استاذ گرامی جناب حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی مدظلہ العالی نے خیر خیریت کے بعد مشغولیت دریافت کی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ سال پورا کرلو، آئندہ سال کے لیے بھائی جان نے ایک محرر اور ایک مبلغ کے لیے مجھ سے کہا ہے، میں بات اور پختہ کرلیتا ہوں، تم آئندہ سال جلال آباد آجاؤ۔ بقول شاعر ؎

دو شئے را کشد آدمی زور زور
یکے آب و دانہ یکے خاکِ گور

چنانچہ ۷ ارشوال المکرم ۱۴۲۱ھ کو حضرت مفتی صاحب ہمیں جلال آباد لے گئے، اور بھائی جان کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا" یہ ہیں آپ کے مطلوبہ مبلغ صاحب" اور مبلغ کے عہدے پر میرا تقرر مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں ہوگیا، جس روز سے تقرر ہوا، اسی دن

سے پہلے تو عصر بعد پھر دوپہر چھٹی سے قبل قریب ہر روز ہی حضرت بھائی جان کے پاس بیٹھنا ہوتا تھا۔ میں ذرا بے تکلف قسم کا آدمی ہوں، بزرگوں کی خدمت اور ان کی مجالس میں شرکت کو اپنی سعادت تصور کرتا ہوں، لیکن غیر ضروری ادب اور جس میں تصنع اور بناوٹ کا شبہ ہو اس کا بھی قائل نہیں، بھائی جان بھی اسی قسم کے تھے وہ اپنے چھوٹوں سے پیار و شفقت بھی فرماتے تھے اور ان سے شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے مزاح بھی فرمالیا کرتے تھے، مجھ سے بھی حسب عادت یہی معاملہ رکھا، حضرت کی شفقت اور محبت نے ادب سے ناز و نخروں تک پہنچا دیا، بے تکلف جو بھی بات دل میں آتی عرض کر دیتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بے تکلفی اور ناز کے دور میں رقم الحروف نے حضرت بھائی جان کی مجلسوں، گفتگوؤں اور اخلاقی و اصلاحی باتوں سے، بہت کچھ فائدہ اٹھایا، نہ معلوم کتنی ایسی تجربے کی باتیں تھیں، جو آب زر سے لکھنے اور حرز جان بنانے کے قابل ہیں۔

عزم کی پختگی

احقر نے جو خاص وصف حضرت بھائی جان کے اندر محسوس کیا، ان میں سے ایک اپنے فیصلے پر مضبوطی سے قائم رہنے کی دیکھی، یعنی جسے قرآن پاک میں فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ وصف ان کے اندر بہت نمایاں طور پر ظاہر ہوتا تھا۔

سب کے بھائی جان

بھائی جان رحمتہ اللہ علیہ کا اصل نام محمد صفی اللہ تھا، مگر لوگ اصل نام سے کم اور بھائی جان کے نام سے زیادہ جانتے تھے، ہر چھوٹا بڑا بھائی جان ہی کہتا تھا، ان کے پوتے بھی بھائی جان کہتے اور جن کے وہ خود پوتے لگتے وہ بھی ان کو بھائی جان کے نام سے پکارتے، خود ان کے والد محترم حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب بھی انہیں بھائی جان ہی کہہ کر بلاتے یا بلواتے تھے، یہاں تک کہ ان کی اہلیہ بھی بھائی جان کہتی تھیں، ایک دن بھائی جان مجھ سے کہنے لگے، مولی صاب! مولی صاب!! میری گھر والی مجھے بھائی جان کہتی ہے، اگر میں بھی کسی دن بہن جان کہہ دوں تو؟ پھر خوب ہنسے اور کافی دیر تک ہنستے رہے، الغرض بھائی جان بڑے پر مزاح اور بذلہ سنج تھے۔

احقر کا جلال آباد سے استعفیٰ

مشہور ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب کسی کا آب و دانہ کہیں سے اٹھ جاتا ہے، تو کوئی بھی طاقت اسے روک نہیں سکتی، اسی طرح کا معاملہ راقم کے ساتھ بھی پیش آیا، کہ جب مدرسہ مفتاح العلوم سے احقر کا آب و دانہ اٹھ گیا، تو اس ناچیز کا وہاں رہنا ناممکن ہوگیا۔ چنانچہ ۲۴ / صفر المظفر ۱۴۲۳ھ کو احقر نے حضرت بھائی جان کو اپنا تحریری استعفیٰ پیش کیا اور اپنے استعفیٰ میں بطور خاص لکھا۔

> "یہ سچ ہے کہ آپ جیسا حلیم المزاج اور وسیع الظرف مہتمم اور مفتاح العلوم جیسی شان کا مدرسہ ملنا مشکل ہے، مگر کیا کہئے ہماری قسمت کا کہ ایک تو اس علاقے کی فضاء مرطوب ہونے کی وجہ سے مستقل نزلہ کا عارضہ ہے، اور دوسرے احقر کچھ گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے اب اپنے وطن ہی میں خدمت دین کرنا چاہتا ہے، اس لیے (گو درمیان سال میں استعفیٰ دینا نہایت بے اصولی اور نازیبا ہے، مگر گھریلو تقاضا اتنا شدید ہے کہ درمیان سال ہی میں یہ فیصلہ لینا پڑا) احقر مجبوراً مدرسہ ہذا سے مستعفی ہونا چاہتا ہے، لہٰذا! احقر کا استعفیٰ منظور فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔"

استعفیٰ نامہ میں احقر نے بھائی جان کی تعریف میں یہ جملے بغیر سوچے سمجھے یونہی نہیں لکھے تھے، بلکہ اپنی آٹھ سالہ ملازمت کے دوران تجربات کی روشنی میں تحریر کئے تھے اور تادم تحریر اسی رائے پر قائم بھی ہے۔

چونکہ میری گھریلو مجبوریاں کچھ اس طرح تھیں کہ حضرت بھائی کی کوششوں کے باوجود بھی میں وہاں نہ رہ سکا، جن میں سب سے اہم مجبوری جلال آباد کو وطن بنانے یا نہ بنانے کی تھی، میں اگر مجرد ہوتا تو کوئی بات نہ تھی، کہ جلال آباد ہی کو اپنا مستقر بنا کر اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی بھی وہیں بنالیتا اور الہ آباد کو خیر آباد کہہ دیتا، جیسا کہ بھائی جان بار بار اسی کو کہتے، کہ جلال آباد کو اپنا وطن بنالو اور یہیں رہ جاؤ، لیکن مسئلہ صرف میرا ہی نہیں گھر والی کا بھی تھا، ظاہر ہے کہ آدھا جلال آباد میں رہوں اور آدھا الہ آباد میں یہ ناممکن تھا، وطنیت کے بارے میں طبیعت یکسو کرنی تھی، جبھی مکان وغیرہ بنانا ممکن بھی تھا، بغیر طبیعت یکسو کئے بات بن نہیں پا

رہی تھی، یہ وہ کلیدی مجبوری تھی جس نے جلال آباد چھوڑنے پر مجبور کیا، بہر حال! درمیان سال میں تو نہیں جاسکا چونکہ کتابیں بھی پوری کرانی تھیں۔

گھر جانے کے بعد کئی ماہ بے روزگار بیٹھا رہا، پھر سلطان پور ایک مدرسہ میں گیا اور وہاں بمشکل تمام سولہ دن رہ کر سترہویں دن میں نے خود استعفیٰ دیدیا اور پھر آکر گھر بیٹھا، اس دوران بسلسلۂ روزگار کافی پریشان تھا، میں اپنی ہزار خامیوں کے باوجود ایک بات پر ہمیشہ خود کو قابو میں رکھا کہ طبیعت پر جبر کر کے تعلقات کسی سے خراب نہیں کئے، جس کا فائدہ مجھے یہ ملا کہ وہ مدرسہ جہاں پہلے تھا، پھر انہی کے دوسرے مدرسہ میں رکھ لیا گیا اور مکتب کے بچوں کو الف، ب، ت، اور ہندی کا، کھا، گھا، پڑھانے لگا، اس کے علاوہ اتوار کو وہیں ایک مسجد میں درس قرآن کیا کرتا تھا، اس مدرسہ میں ابھی تین ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ نہ معلوم ہم سے کیا بھول ہوگئی اور میری گناہوں کی سزا یہ ملی کہ مجھے اس مکتب نما مدرسہ سے بھی چلے جانے کا زبانی نوٹس دیدیا گیا، اس کے بعد کچھ دنوں کے لیے ایک مسجد میں امامت کی، پھر وہاں سے پی ایچ ڈی کی تیاری) کے لئے حیدرآباد گیا (اس دوران بھائی جان کا اخلاق، مروت، ان کی رواداری، شفقتیں سب کچھ ایک ایک کر کے یاد آتی رہیں اور سوچتا رہا کہ یہ بھائی جان ہی کی ظرف اور انہی کا قلب وجگر تھا کہ مجھ جیسے سیاہ کار گناہ گار کو ایک دو ماہ نہیں قریب آٹھ سال نباہ گئے، اس آٹھ سالہ مدت ملازمت میں کیا کچھ کمیاں نہ ہوئی ہوں گی، مگر واہ رے! حلم و بردباری کے پہاڑ! مجھے نبھاتے ہی رہے اور استعفیٰ دینے کے بعد بھی برابر کوشش کرتے رہے کہ میں یہیں رہوں، مگر چونکہ قدرت کی طرف سے وہاں سے میرا آب و دانہ اٹھ چکا تھا، اب میں وہاں کیا رہتا، بہر حال یکے بعد دیگرے مدرسہ پر مدرسہ چھوٹنے کے بعد، جب تلخ سے تلخ تجربات ہوئے تو حضرت بھائی جان کی قدر و قیمت مزید بڑھتی ہی گئی، جب بھی فون کرتا، بات ہوتی تو فرماتے:

"یاڑی! آجا تیرے لیے ہر وقت دروازہ کھلا ہے۔"

زوال نعمت کے بعد نعمت کی اصل قدردانی ہوتی ہے، خود راقم آثم کو بھی خوب خوب اس کا تجربہ ہوا، خیر! یہ سب جو کچھ ہوا سو ہوا، اب اس کا کیا ذکر۔

بھائی جان وسیع القلب، وسیع الظرف، شریف الطبع، نیک طبیعت، اعلیٰ اخلاق کے

پیکر اور عظیم الشان کردار کے مالک تھے۔ عموماً جب کوئی مدرس یا ملازم استعفیٰ دیتا ہے تو وہاں کے منتظم اپنی انا کا مسئلہ بنالیتے ہیں، مخرج شخص کی توہین وتذلیل میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، ایسے ہی بعض نمک حرام قسم کے افراد ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اپنے سابقہ اداروں کی توہین تک شروع کر دیتے ہیں اور نوبت الزام تراشیوں تک پہنچ جاتی ہے، مگر اس اللہ کے ولی نے میرے بارے میں کوئی حرف شکایت اپنی زبان تک لانا گوارا نہ کیا، بلکہ مجھے جب بعض افواہیں اور جھوٹی خبریں ملنے لگیں اور لوگ میرے وہاں سے ہٹنے پر چہ می گوئیاں کرنے لگے، تو حضرت بھائی جان نے میری طلب پر ذیل کی تحریر گرامی بھی عنایت فرمائی۔

تاریخ: ۴ جنوری ۲۰۱۰ء حوالہ نمبر: ۲۰۹

تصدیق کی جاتی ہے کہ محمد نعیم بن عبدالحق ساکن چندوہاں، ڈاکخانہ عمری ضلع الہ آباد یوپی، نے جامعہ ہذا میں محرم الحرام ۱۴۲۳ھ مطابق اپریل ۲۰۰۲ء سے شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ مطابق اگست ۲۰۰۹ء تک مبلغ، مدرس، اور مدیر (ماہنامہ مفتاح الخیر) کے مناصب پر خدمات انجام دی ہیں، دوران ملازمت موصوف کے اخلاقی حالات قابل اطمینان رہے۔"

۲۸ رمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ

حضرت بھائی جان کی اعلیٰ ظرفی اور علو ہمتی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، کچھ باتیں حضرت بھائی جان کی ایسی تھیں، جو اپنی مثال آپ تھیں، مثلاً کوئی کیسا ہی غمزدہ پریشان حال آتا تو وہ اپنی باتوں سے ہنس ہنسا کر اسے ایسا خوش کر دیتے کہ وہ اپنا غم وہیں چھوڑ جاتا، اور خوش وخرم ان کے دربار سے روانہ ہوتا، وہ بھی ہنستے اور دوسروں کو بھی ہنساتے، چنانچہ اسی طرح خود ہنستے ہوئے اور ایک بہت بڑی تعداد کو روتا بلکتا چھوڑ کر مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس وقت بے ساختہ جی چاہ رہا ہے کہ ایک آدھ ملفوظات ذکر کرتا چلوں! ایک روز دوران گفتگو کسی مدرس کی بے اعتدالی کی بات آئی تو فرمایا:

مولوی صاحب کسی مدرس کو مدرسہ سے نکال دینا کمال نہیں کمال

تو یہ ہے کہ اس کو اپنے مزاج کے مطابق بنالیا جائے۔

حضرت بھائی جان کے اکثر و بیشتر ملفوظات اپنے والد محترم حضرت مسیح الامت ہی کے ہوا کرتے تھے، جو ملفوظات مسیح الامت کے نام سے طبع ہو چکے ہیں،، جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح الامت کی باتیں کس قدر رپتے کی ہوا کرتی تھیں، ایک ایک جملے سے موتی جھڑتے، تجربات و معلومات کے عطر اور حالات کے مطابق دین و دنیا کی فلاح کی ضامن ہوتیں، جب وہ فرماتے تو یوں لگتا کہ ع وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

حضرت بھائی جان کی شرافت نفسی کے بہت سے واقعات ذہن میں محفوظ ہیں، وہ اعلیٰ درجہ کے منتظم، حالات اور ماحول کو سمجھے ہوئے، پختہ کار و تجربہ کار اور زبردست مصلح و مربی تھے۔ مثال کے طور پر اپنا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

صبح کو میری عادت سونے کی تھی اور اکثر بعد نماز فجر سو جایا کرتا تھا، ایک دن صبح قریب نو بجے دفتر اہتمام کے سامنے سے گذر کر دفتر مفتاح الخیر میں جا رہا تھا، کوشش کی کہ بھائی جان سے نظر بچا کر نکل جاؤں، مگر انہوں نے جب یہ حرکت دیکھی تو خود سلام میں پہل کی اور کہنے لگے "ایسی بھی کیا بے رخی کہ سلام تک بھی نہ پہنچے" میں شرما گیا اور کچھ نہ بولتے ہوئے بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد جب تنہائی ہوگئی تو بڑی محبت اور اپنائیت سے کہنے لگے کہ آپ کو فجر بعد سونا تو رہتا ہی ہے۔ بجائے کمرے میں سونے کے دفتر ہی میں دروازہ کھول کر سو جایا کریں، اس لیے کہ دیر سے دفتر کھلنے پر لوگ اعتراض کرتے ہیں، ان کی اس شفقت پر میں حیران رہ گیا، کہ یہ بات مجھے حکماً بھی تو کہہ سکتے تھے، اس قدر لجاجت کی کیا ضرورت تھی، چنانچہ ان کے اس طرز عمل کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ مجھ سے جو سبق دوسرے گھنٹے میں تھا (اور یہ غالباً میرے سونے کی رعایت میں تھا) پہلے گھنٹے میں کروالیا اور صبح نہ سونے کی ٹھان لی۔

بھائی جان رحمتہ اللہ علیہ کو احقر لا یخدع ولا یخدع پر پورا عمل پیرا پایا، چنانچہ وہ نہ کسی کو دھوکہ دیتے تھے اور نہ کسی سے دھوکہ کھاتے تھے، ان کی اسی ہوشمندی کی بناء پر مدرسہ مفتاح العلوم کا نظام نہایت پر امن ہے، وہاں نہ اساتذہ کے دستخط کا رجسٹر ہے، اور نہ زیادہ اصول وضوابط کا جھمیلا، البتہ وہ خود اپنی ڈیوٹی کے نہایت پابند تھے، سخت سے سخت بیماری کی حالت میں بھی وقت مقررہ پر دفتر میں موجود ملتے، دوا، علاج، یا کسی اور ضرورت سے دوچار

روز کے لیے اگر کہیں جانا ہوتا، تو ایک دو روز پہلے ہی دفتر میں (چائے کی نشست میں) تمام اساتذہ کے سامنے کہہ دیتے کہ فلاں تاریخ سے فلاں تاریخ تک میری چھٹی رہے گی، فلاں ضرورت سے فلاں جگہ جا رہا ہوں، یہ ان کی اعلیٰ ظرفی کی بات تھی، ورنہ انھیں چھٹی لینے کی کیا ضرورت! ان کا تو چوبیس گھنٹوں کا ہر لمحہ مدرسہ ہی کے لیے وقف رہتا تھا.... مدرسہ میں اساتذہ سب حاضر ہیں یا نہیں، اس کے لیے بس اتنا نظام کر رکھا تھا کہ دوپہر چھٹی کے فوراً بعد دفتر اہتمام میں ایک چائے کی نشست ہوا کرتی تھی، میر مجلس حضرت بھائی جان ہی ہوا کرتے تھے، اس نشست میں اکثر تفریحی باتیں ہوتیں، اور اسی میں مدرسہ کے معاملات ومفادات کی باتیں بھی ہو جایا کرتی تھیں، اور ساتھ ہی ساتھ نہایت خوش اسلوبی سے اساتذہ کی حاضری بھی ہو جایا کرتی تھی، مدرسہ مفتاح العلوم کی ایک کھلی خوبی میں نے یہ دیکھی کہ جب بھائی جان بیمار پڑ جاتے یا مدرسہ میں نہ رہتے، تو قریب قریب سارے ہی اساتذہ وملازمین اپنے اپنے کاموں پر بھائی جان کی موجودگی سے کہیں زیادہ عدم موجودگی میں مستعد رہتے، بعض وہ اساتذہ جو اکثر گھنٹوں میں دس پندرہ منٹ تاخیر سے آیا کرتے تھے، وہ بھی بھائی جان کی عدم موجودگی میں تاخیر نہ کرتے، جیسے ہی گھنٹہ بجتا سارے اساتذہ اپنی اپنی درسگاہوں میں موجود ملتے۔ حضرت بھائی جان کی دور اندیشی، للّٰہیت اور ملی ہمدردی کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔

راقم مدرسہ مفتاح العلوم میں مبلغ تھا، لیکن ماہنامہ مفتاح الخیر کی ادارت اور دو کتابیں بھی متعلق تھیں، ان میں ایک گھنٹہ سراجی کا تھا، میں پابندی سے روزانہ اسباق بھی سنا کرتا تھا، (وہ بچے جن کا جی پڑھنے میں نہیں لگتا اور وہ محض حاضری کے خوف سے درسگاہ میں آ جایا کرتے تھے) منتہی طلبا کے اسباق اس قدر پابندی سے سننا، یہ میری ناتجربہ کاری تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ طالب علموں نے ایک روز میری کتاب میں ایک پرچہ لکھ کر رکھ دیا، جس میں تحریر تھا کہ ”مفتی صاحب اگر کتاب پڑھانا ہے تو سیدھے سے پڑھا لو، روزانہ سبق سننا چھوڑ دو ورنہ...“ پھر اس کے بعد دھمکیاں لکھ رکھی تھیں، میں نے جیسے ہی کتاب کھولی وہ پرچہ سامنے آیا اور پڑھ کر اندر ہی اندر کچھ ہنسی آئی اور کچھ تلملاہٹ بھی ہوئی، صبح بھائی جان کی خدمت میں وہ پرچہ پیش کر دیا، (یہ واقعہ صرف اس لیے نقل کر رہا ہوں کہ اس پر بھائی جان نے جو کچھ فرمایا اسے عرض کرنا ہے) بھائی جان" پہلے تو ڈرامائی انداز میں میری تسلی کے لیے اس حرکت

پر مصنوعی انداز میں بچوں پر بہت خفا ہوئے اور فرمایا:

”قصوروار لڑکوں کا پتہ لگایا جائے، جنہوں نے یہ شرارت کی ہوگی ان کی اس حرکت پر سخت سزا دی جائے گی۔“

پھر دو چار روز بعد مجھ سے کہنے لگے، مفتی صاحب! میرا مقصد تو یہ ہے کہ ان بچوں میں اذان دینے والے، نماز جنازہ پڑھانے والے، پنج وقتہ امامت کرنے والے اور عوام کو نماز، روزہ کے موٹے موٹے مسائل بتانے والے بن جائیں، یہ بچے ایسے علاقوں سے آئے ہیں کہ اگر ان کا اخراج کر دیا جائے، تو یہ اور بھی خراب ہو جائیں گے، کم از کم رسمی طور سے فراغت کے بعد کھلم کھلا داڑھی تو نہ منڈائیں گے، سند یافتہ ہونے کی وجہ سے دین کا کچھ تو پاس و خیال رکھیں گے۔

اور حضرت گنگوہی کے زمانے کا وہ واقعہ سنایا جو ایک بنگالی طالب علم سے متعلق پیش آیا تھا، وہ یہ کہ ایک بنگالی طالب علم کی سند میں نام کے ساتھ ١٢ ، کی وطنیت بنگالی کی جگہ بنجالی کی تشریح یہ کر دی کہ دیکھو یہ تمہارے نام کے ساتھ بنجالی لکھا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم بن (جنگل) میں جاؤ اور جالی بنو، وہ طالب علم بڑا خفا ہوا اور حضرت گنگوہی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے نام کے ساتھ بنجالی لکھ دیا گیا ہے، حضرت گنگوہی نے اسے سمجھایا اور مطمئن کیا۔

بھائی جان یہ واقعہ سنا کر ہنستے اور کہتے بتاؤ! جب حضرت گنگوہیؒ کے زمانے میں ایسے ایسے طالب علموں سے سابقہ پڑا تو ہمہ شما کا کیا شمار

بھائی جان رحمتہ اللہ علیہ زندہ رہے تو ٹھاٹھ کی زندگی گذاری، اور جب انتقال فرمانا ہوا تو منہ مانگی موت پائی، اپنے انتقال کے بارے میں اکثر یہ کہتے کہ میں نے اپنی موت کے لیے جمعہ کا دن مانگ رکھا ہے، کبھی کبھی طالب علموں کی سرزنش کرتے ہوئے بھی فرماتے کہ میاں آج تو فلاں دن ہے، ہم نے تو جمعہ مانگ رکھا ہے، ایک دن طبیعت بہت ہی زیادہ خراب تھی، کراہ رہے تھے، اور اسی میں یہ بھی کہے جا رہے تھے یا اللہ! آج تو منگل ہے میں نے جمعہ مانگ رکھا ہے، گویا اپنی دعاء پر اتنا بھروسہ تھا کہ غیر جمعہ کو میرا انتقال نہ ہوگا، اور کبھی کبھی حدیث شریف کے حوالے سے یہ بھی کہتے، کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن جس شخص کا انتقال ہوتا ہے، اس سے عذاب قبر اٹھا لیا جاتا ہے۔

اگر چہ یہ روایت ضعیف ہے مگر بھائی جان کا گمان اس سلسلے میں بہت قوی تھا، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں اپنے بندوں کے گمان کے ساتھ ہوں، جو جیسا گمان کرے گا، مجھے ویسا ہی پائے گا، اس لیے بھائی جان کا جمعہ کے روز انتقال فرمانے اور نماز جنازہ میں جم غفیر کے ہونے، نیز مخلوق خدا کا دل خوش کرنے کی وجہ سے میرا دل کہتا ہے کہ حضرت بھائی جان اللہ کے دربار میں اپنی دیگر خامیوں کے باجود (جن سے کوئی بشر خالی نہیں) بڑا مقام پایا ہوگا، کیونکہ یہ ایسے اسباب وعوامل ہیں کہ ان کے ذریعہ بھی اللہ رب العزت اپنے بندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اللہ رب العزت ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور انہیں کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

(مفتاح الخیر بھائی جان نمبر ۲۰۱۲ء)

آہ! سید حافظ محمد عاقل صاحبؒ

استاذ مدرسہ مفتاح العلوم، جلال آباد

ابھی کل کی بات ہے سید صاحبؒ خوب ٹھیک ٹھاک تھے، بعد نماز عصر مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے تو کافی دیر تک بڑی پرلطف گفتگو کرتے رہے، چہرے مہرے سے کہیں دور دور تک بھی بیماری و کمزوری کے آثار نہیں معلوم ہو رہے تھے، مگر آج (۶ر جنوری ۲۰۰۹ء کو) چند روز کی مختصر سی علالت کے بعد اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون، سچ ہے۔ ع زندگی بلبلا ہے پانی کا

مرحوم اپنی عمر کی ستر بہاریں دیکھ چکے تھے، آپ کی پیدائش ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔ جامعہ مفتاح العلوم میں ناظرہ کلام پاک اور دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے جامعہ ہذا ہی سے ۱۳۸۷ھ میں حفظ کلام اللہ شریف مکمل کیا، اور یکم محرم الحرام ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۶۸ء سے اپنے مادر علمی ہی کے شعبۂ کلام اللہ شریف میں استاذ مقرر ہوئے اور آخری دم تک یعنی ۸ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ تک کل بیالیس سال خدمت کلام اللہ شریف میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت قرآن پاک کو قبول فرمائے۔ (آمین)

آپ کا نکاح جناب منشی ظفر احمد صاحب محلہ قضاۃ سہارنپور کی دختر نیک اختر محترمہ عقیلہ خاتون سے ۱۹۶۵ء میں ہوا، جن سے ۴ر صاحبزادے، سید محمد عارف حسن (مرحوم) سید محمد شارق حسن، سید محمد طارق حسن اور سید محمد صادق حسن صاحبان ہیں، اور ایک صاحبزادی مسماۃ شبنم پروین ہیں۔

آپ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۲ء میں زیارت بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ والد محترم جناب مولانا سید محمد عابد حسن صاحبؒ کے وصال کے بعد اہل قصبہ کی اتفاق رائے سے ان کی جگہ قاضی منتخب کئے گئے۔

اللہ رب العزت ان کی ہر طرح کی دینی و ملی خدمات کو قبول فرما کر انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

(مفتاح الخیر، جلد ۶۔ شمارہ ۸، ۳۔ ۹۔ ۲۰۰۸ء)

آہ! حافظ محمد رضی اللہ خاں صاحبؒ

استاذ مدرسہ مفتاح العلوم، جلال آباد

موت بھی کتنی تلخ حقیقت ہے کہ اس سے نہ کسی کو مجال انکار ہے اور نہ راہ فرار، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر، بچہ ہو یا بوڑھا، نوجوان ہو یا پہلوان ہر نفس کو اس کا مزہ چکھنا ہے۔

کل نفس ذائقة الموت

مقام عبرت ہے کہ جب یہ زندگی اتنی بے ثبات ٹھہری تو پھر کوئی کاہے پر غرور کرے اور کس بل بوتے پر اترائے۔ برسہا برس کا بنا بنایا پلان اور منصوبہ چشم زدن میں ڈھیر اور سارا خواب چکنا چور ہو جاتا ہے: ع

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

موت ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو کچھ سوچنے سمجھنے پر مجبور کر دیتی ہے، اسی لئے حدیث شریف میں موت کو بکثرت یاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، ایک روایت میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

... فاکثروا ذکرھا ذم اللذات الموت فانه لم یات علی القبر یوم الا تکلم فیقول انا بیت الغربة وانا بیت الوحدة وانا بیت التراب وانا بیت الدود... (مشکوٰۃ شریف، ص ۴۵۷)

یعنی لذتوں کو توڑنے والی چیز موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو، کیونکہ جو بھی دن آتا ہے تو موت کلام کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں مسافر کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں۔

الغرض موت ایک ایسی لازمی حقیقت ہے کہ جس کا کسی عاقل یا جاہل نے نہ کبھی انکار کیا اور نہ کرے گا، اسی لازمی حقیقت سے حضرت مسیح الامتؒ کے بھتیجے جناب حافظ محمد رضی اللہ خانصاحب بھی عہدہ برآنہ ہو سکے اور بالآخر ۱۹؍جمادی الآخر ۱۴۳۰ھ، مطابق ۱۳؍جون ۲۰۰۹ء

کو اچانک حرکت قلب بند ہونے کے سبب اپنی جاں جان آفریں کو سپرد کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم نے جامعہ مفتاح العلوم ہی میں اپنی ساری تعلیم مکمل کی اور بعد فراغت تعلیم چند سال مدرسہ اشاعت القرآن، بڑاڑہ ضلع مظفر نگر میں تعلیم دی اس کے بعد ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء سے جامعہ ہذا کے شعبۂ حفظ میں مدرس اور تادم آخر (یعنی ۱۳ر جون ۲۰۰۹ء کی شام تک) خدمت کلام اللہ شریف میں مشغول رہے۔

مرحوم نے تقریباً ۶۵ سال کی عمر پائی، آپ کی پیدائش ۱۹۴۴ء میں اپنے آبائی وطن سرائے برلہ ضلع علی گڑھ میں ہوئی۔

آپ کا نکاح آپ کی پھوپھی زاد بہن جناب اکرام اللہ خان صاحب کی صاحب زادی سے ہوا جن سے نو اولادیں ہوئیں، جن میں چار بچے اور پانچ بچیاں ہیں، ماشاء اللہ سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں صرف ایک بچہ کنوارا اور ایک بچی ابھی نا کتخدا ہے۔

اللہ رب العزت مرحوم کی ہر طرح کی دینی خدمات قبول فرما کر انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

(مفتاح الخیر جلد ۷، شمارہ ۴۰، ۲۰۰۹ء)

منظوم کلام

- ترانۂ مفتاح العلوم
- الوداعی نظم
- اے اہل قوم کدھر جارہے ہو؟

ترانۂ مفتاح العلوم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حمد باری سے کروں میں ابتداء اس نظم کی
پھر نبی کی نعت سے زینت بڑھاؤں بزم کی
منعقد ہے آج یہ محفل بخاری ختم کی
بات جو کچھ ہو رہی ہے، ہے یقین و عزم کی

اصل میں ہے مشعل انوار مفتاح العلوم
اپنے بانی کا تو ہے گلزار مفتاح العلوم

تیری دنیا ہی الگ ہے تربیت کی شان میں
روشنی پھیلی یہاں سے ملک انگلستان میں
ہے اثر اللہ والوں کا ترے دربان میں
ایک سے ہے ایک بڑھ کر لعل تیری کان میں

علم کا ہے تو حسیں دربار مفتاح العلوم
اپنے بانی کا تو ہے گلزار مفتاح العلوم

دولتِ ایماں سے دامن بھرنا تیرا کام ہے
شرک و بدعت کو مٹانا بس ترا پیغام ہے
تو ہمارے واسطے اللہ کا انعام ہے
بادۂ توحید کا تو ایک شیریں جام ہے

اصل میں ہے دیدۂ بیدار مفتاح العلوم
اپنے بانی کا تو ہے گلزار مفتاح العلوم

راستہ پاتے ہیں سالک منزلِ مقصود کا
ربط باہم ہے یہاں پہ ساجد و مسجود کا
ہے تعلق تجھ سے قائم عابد و معبود کا
ہوتا ہے سرخم یہاں ہر سرکش و مردود کا

شرک اور بدعت سے ہے بیزار مفتاح العلوم
اپنے بانی کا تو ہے گلزار مفتاح العلوم

واہ وا شیخ مسیح اللہؒ کی قربانیاں کیسی کیسی نامور پیدا ہوئی یاں ہستیاں
ایشیا، افریقہ، یورپ، میں میں جو رعنائیاں سب کی سب ہیں شہ مسیحؒ اللہ کی گل کاریاں

جہل سے ہے بر سرِ پیکار مفتاح العلوم
اپنے بانی کا تو ہے گلزار مفتاح العلوم

تو یقینا علم کی کنجی ہے مفتاح العلوم ہر جگہ ہے تیرا چرچہ اور ہر سو تیری دھوم
طالبانِ علم دیں کا ہے یہاں پر اک ہجوم ہے ترا فیضان جاری بالخصوص و بالعموم

ہے مئے توحید سے سرشار مفتاح العلوم
اپنے بانی کا تو ہے گلزار مفتاح العلوم

رکھ سلامت یا الٰہی سایہ بھائی جان کا جن کے دم سے جاری ہے چشمہ یہاں عرفان کا
جو ہے ضامن درحقیقت مدرسے کی شان کا دُرِ یکتا اصل میں ہے وہ مسیحؒی کان کا

مہتمم ہے تیرا خوش کردار مفتاح العلوم
اپنے بانی کا تو ہے گلزار مفتاح العلوم

ایک سے ہیں ایک بڑھ کر جو یہاں اطفال ہیں جو ہوئے داخل یہاں دراصل خوش اقبال ہیں
اور یہی تیغِ معاصی کے لئے اک ڈھال ہیں ہاں! انھیں میں غوث بھی ہیں اور یہی ابدال ہیں

اللہ والوں کا تو ہے دربار مفتاح العلوم
اپنے بانی کا تو ہے گلزار مفتاح العلوم

پھر بخاری کے سبق کی آخری تدریس ہے ہے رجب انتیس اور سن چودہ سو بائیس ہے
خلق آتی ہے کھنچی تو جیسے مقناطیس ہے رفعت و عظمت تری یوں باعث تقدیس ہے

آج ہے تو بقعۂ انوار مفتاح العلوم
اپنے بانی کا تو ہے گلزار مفتاح العلوم

آج کی نورانی محفل مرحبا صد مرحبا جان سے دل سے سبھی خورد و کلاں تجھ پر فدا
ہے نعیمِ کمتریں کی بھی یہی دل سے دعا علم و عرفاں کا چمن تیرا رہے پھولا پھلا

کشتئ دیں کی تو ہے پتوار مفتاح العلوم
اپنے بانی کا تو ہے گلزار مفتاح العلوم

(مفتاح الخیر جلد۔ ا شمارہ ۴: دسمبر، جنوری، فروری ۳۔ ۲۰۰۲ء)

الوداعی نظم

پہلے حمدِ خدا سے کروں ابتدا　　بعدہٗ نعت پاکِ حبیب خدا
منقبت کا بھی ہو کچھ نہ کچھ حق ادا　　ذکر اصحابؓ بھی چاہئے برملا
ہے یہ منشائے شاہِ زمن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

مدرسے کے بھی کیا خوب حالات ہیں　　مشغلے درسِ قرآں کے دن رات ہیں
جس قدر بھی فیوض اور برکات ہیں　　سب کے سب یہ مسیحی عنایات ہیں
ہم انہی رہ پہ ہیں گامزن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

اس چمن کے ہیں مالی جنابِ صفی　　اس لئے اس کو تائیدِ غیبی ملی
پا گیا جیسے یہ دائمی زندگی　　تاابد اس کی شاخیں رہیں گی ہری
اے کہ سرمایۂ علم و فن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

کیسے کیسے اضافے ہوئے بالیقیں　　بیل بوٹے لگے ہیں حسیں سے حسیں
ہیں گلاب اور نرگس گل یاسمیں　　رشک باغِ ارم میں مکان و مکیں
گونج اٹھی بوئے مشکِ ختن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

تیری کلیوں میں ہے اشرفی بانکپن — تیرے پھولوں میں ہے بوئے تھانہ بھون
تجھ سے وابستہ ہے مایۂ علم و فن — رحمتِ حق تیرے سر پہ سایہ فگن
دلربایانہ تیری پھبن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

ہیں صفیؔ دین کے ایک مہر مبیں — کارناموں سے کون ان کے واقف نہیں
ان کے ہی دم سے سرسبز ہے کشتِ دیں — بن گئی زعفراں زار بنجر زمیں
ہو گئے دور رنج و محن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

عہد میں پختگی قول میں بھی یقیں — کب وہ اوروں کے مانند ڈھلمل یقیں
جملہ اوصاف میں لائق آفریں — کیوں نہ ہوں؟ کس کے ہیں آخرش جانشیں
روح بخشندۂ انجمن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

طالب دیں بنیں دین والے بنیں — حق میں ظلمت زدوں کے اجالے بنیں
ماہتاب تصوف کے ہالے بنیں — کوئی پوچھے تو ''مفتاح'' والے بنیں
الوداع ضامن حسن ظن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

جتنے استاذ ہیں سب کے سب ہیں شفیق — ماہر علم و فن اور فطری خلیق
حل کیا کرتے ہیں نکتہائے دقیق — ہیں وہی رہنما اور وہی ہیں رفیق
پاسباں راعیٔ چیل تن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

درگزر سب خطائیں ہماری کرو — دوستو! اس جدائی کا غم مت کرو
اس چمن میں رہو علم حاصل کرو — خادمِ دیں بنیں ہم دعا یہ کرو
علم کی دل میں رکھئے لگن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

ہیں ملول و حزیں آج خورد وکلاں　　اور ماتم کناں ہے صفِ دوستاں
سب کے چہروں سے آثارِ غم ہیں عیاں　　غم نہ کر اے نعیمؔ اب زیادہ بیاں

خرقۂ صبر کر زیبِ تن الوداع
الوداع میرے پیارے چمن الوداع

(مفتاح الخیر جلد۔ ۱ شمارہ ۵، ۶، ۲۰۰۳ء)

□□□

اے اہلِ قوم، کدھر جا رہے ہو؟ ☆

عورتوں کا ہو مساجد میں نمازوں کا قیام   شرع سے اس کا کہیں کچھ بھی نہیں کوئی مقام
عورتوں کے لئے فرما گئے یہ خیر انام ﷺ   گھر کے اندر ہی نمازیں وہ پڑھیں اپنی مدام

رہنما بن کے بھٹک جاؤ گے معلوم نہ تھا
راہِ حق سے یوں بہک جاؤ گے معلوم نہ تھا

واہ کیا خوب نیا گل یہ کھلایا تم نے   صنفِ نازک کو مساجد میں بلایا تم نے
ایسی امید نہ تھی تم سے کیا، کیا تم نے   اک نئے فتنے کو مسجد میں جگایا تم نے

اب تو پہنچیں گے وہاں لوگ اذاں سے پہلے
سن رسیدہ نظر آئیں گے جواں سے پہلے

کھول دے گی یہ روش، بڑھ کے درِ فتنہ و شر   اس پہ تھی حضرت فاروقؓ کی پہلے سے نظر
ہو نہ جائیں وہ کسی کی کہیں منظور نظر   پہلوئے غیر میں ہو جائے نہ شب ان کی بسر

اور اگر ان سے کوئی پوچھے کہاں تھیں شب میں
وہ یہ فرمائیں کہ مسجد میں حضورِ رب میں

مثلِ غیروں کے اگر قوم یہ آزاد ہوئی   پھر تو کچھ شبہ نہیں اس میں کہ برباد ہوئی
عہدِ اصحابؓ میں یہ رسم کب ایجاد ہوئی   کیوں؟ ادھر ان کی طبیعت کی نہ افتاد ہوئی

یہ تو مغرب کے تمدن کی زیاں کاری ہے
نقلِ اغیار سے کیا فیض فقط خواری ہے

جو بھی ہو حکمِ شریعت اسے لازم کر لو   دین کے پھولوں سے تم جھولیاں اپنی بھر لو
کوئی تحفہ کوئی سوغات نہ سیم و زر لو   دین کے باب میں الزام نہ اپنے سر لو

ہے خداوند تعالیٰ سے دعا اب یہ نعیمؔ
کر دے بہکے ہوئے لوگوں کو عطا عقلِ سلیم

☆ یہ نظم ہند و بیرونِ ہند کے مختلف رسالوں میں طبع ہو چکی ہے، ہم مفتاح الخیر جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۱۔ ۲۰۰۳ء سے نقل کر رہے ہیں۔

مصنف علاّم کی دیگر علمی کاوشیں

متاعِ قلم

متاعِ قلم کی آگے کی جلد کا بھی مسودہ تیار ہے جن میں اکثر و بیشتر مضامین حالاتِ حاضرہ سے متعلق ہیں اگر قارئین باتمکین نے ہمارا ساتھ دیا اور آگے کی جلد کا بھی شوق ظاہر کیا تو عنقریب ان شاء اللہ دوسری جلد بھی منظر عام پر لائی جائے گی۔

احادیث ضعیفہ اور ان کے احکامات

یہ کتاب دراصل غیر مقلدین کا شور رغوغا کہ احناف کے مستدل کی اکثر و بیشتر روایتیں ضعیف ہیں اس کے پیش نظر لکھی گئی ہے اس کتاب کے اصل محرک مؤلف موصوف کے برادر خورد ہیں جو سعودیہ عربیہ بسلسلہ ملازمت گئے تھے اور وہاں ان کی دوستی چند غیر مقلدوں سے ہوگئی تھی، وہ کافی متاثر ہوگئے تھے مؤلف موصوف سے وہ بار بار احادیث سے متعلق سوالات کرتے اور مؤلف موصوف ان کے سوالات کے جوابات مدلل حوالہ کتب سے دیتے رہے، یہ سلسلہ سوال و جواب کافی دنوں تک چلا، وہ بار بار اپنے سوالات میں یہ بھی کہتے کہ یہ روایت تو صحاح ستہ میں نہیں ہے جبکہ وہ صحاح ستہ پڑھے بھی نہیں تھے، ان کے ہر سوال کا تشفی بخش جواب ملتا رہا جس کی وجہ سے بالآخر انہیں تسلی ہوگئی اور ان کے سمجھ میں آ گیا کہ احناف کا مسلک حدیث کے خلاف نہیں ہے اور ساری روایتوں کا صحاحِ ستہ ہی میں ہونا ضروری نہیں ہے، اس کتاب میں ضعیف احادیث اور ان کے احکامات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ احادیث میں ضعف کب معتبر ہے اور کب نہیں؟ اور احادیث میں ضعف کب آتا ہے اور کب نہیں؟ نیز احادیث کے مصادرِ اصلیہ، شبہ اصلیہ، غیر اصلیہ کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ احادیث میں ناسخ و منسوخ کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے، اس کتاب میں زیادہ تر استفادہ المعتصر من آثار السنن واعلاء السنن سے کیا گیا ہے، کتاب کی کتابت بھی مکمل ہے اگر قارئین نے مطالبہ کیا تو جلد ہی اسے بھی منظر عام پر لایا جائے گا۔ ان شاء اللہ

دینی مدارس حقائق ومعروضات

اس کتاب میں مدارسِ دینیہ عربیہ میں جو داخلی انتظامی کمیاں اور کوتاہیاں پائی جاتی ہیں اس پر گفتگو کی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ملازمین ومدرسین کی بے اعتدالیوں اور کوتاہیوں کو بھی نہایت واشگاف طور پر کھل کر انتہائی معروضی انداز میں بیان کیا گیا ہے، کتاب کا مسودہ تیار ہے بس آپ کی طلب کا انتظار ہے۔

حاصل مطالعہ

یہ کتاب ان جواہر پاروں اور بکھرے موتیوں کا خزینہ وگنجینہ ہے جو مؤلف کو مطالعہ کے دوران دل ودماغ کو اپنی طرف متاثر کرلیتے تھے، ان میں تفسیر وحدیث وفقہ وتاریخ وسیر وطب وقصص وواقعات اور حکایات اور بزرگوں کے آزمودہ وتجربہ کردہ ملفوظات سے متعلق ہر قسم کے نوادرات وشہ پارے موجود ہیں، یہ مجموعہ دراصل سیکڑوں کتابوں کا نچوڑ اور ہزاروں صفحات کے مطالعہ کا عطر ہے جو مختلف مکتبہ فکر کی کتابوں سے دربہائے نایاب کی شکل میں چنے گئے ہیں۔

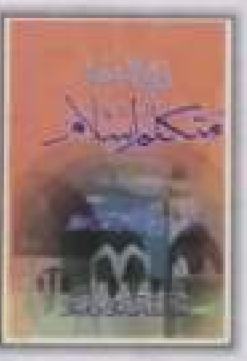
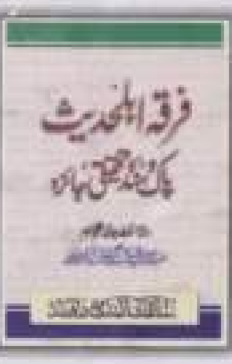
حل السراجی (سوال وجواب)

جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفرنگر میں مصنف علام دیگر درسی کتابوں کے علاوہ ۲۰۰۳ء سے مسلسل کئی سال جماعت مشکوٰۃ شریف کے طلباء کی سراجی مصنف کے زیر درس رہی ہے، طلباء کی استعداد کو بہم پہنچانے کے پیش نظر ہر سال مشق کی کاپی میں مشق کرائی جاتی تھی، بالخصوص مشکل مقامات کو کئی کئی طریقوں سے حل کرایا جاتا تھا، ان حلوں کو مستقل ایک کاپی میں لکھ لیا جاتا تھا اور اس کا نام ”حل السراجی (سوال وجواب)“ رکھا گیا ہے، سراجی کے مشکل مقامات کی تفہیم کے لئے یہ ایک بہترین کتاب ہے، خدا کرے جلد طبع ہوکر منظر عام پر آجائے۔

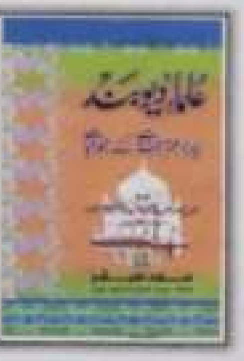
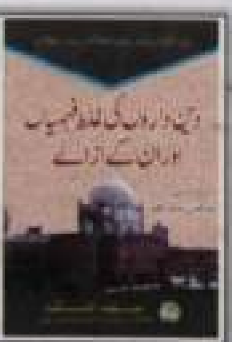
مواعظ الٰہ آباد

یہ کتاب حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے ان مواعظ کا حسین گلدستہ ہے جو سرزمین الٰہ آباد میں ہوئے تھے، ان مواعظ کو یکجا کرکے مواعظ الٰہ آباد کے نام سے مرتب کردیا گیا ہے، مؤلف کی دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی محتاج طباعت ہے، خدا کرے جلد طبع ہوکر منظر عام پر آجائے۔ (ناشر)

چند قابل مطالعہ مطبوعات




Mata-E-Qalam

Author: Mufti Mohd. Naeem Mazahiri
Vill. Chandauhan, Po. Umari, Sahson
Allahabad PIN 221507 U.P.
Contact: 0091-9598925006

Published by:
ISLAMIC ACADEMY
Khanqah, Deoband-247554 (SRE) U.P.
Cell: 09027675907, 01336-222031
E-mail: iadeoband@yahoo.com

MRP ₹350/-

اسلامک اکیڈمی دیوبند

Designed & Printed by: Al-Haram Computers, Deoband